SULTAN MAHMOOD GHAZNAVI

بُت شِکن

سُلطان محمُود غزنویؒ

صَادِق حُسین صدّیقی

نایاب تاریخی تصاویر کے ساتھ

فہرست

عرضِ ناشر

ظہورِ اسلام کے ساتھ ہی عظیم الشان فتوحات کا جو سلسلہ شانِ رسالت حضرت محمد ﷺ کے دَور میں شروع ہوا اور خلفائے راشدین کے عہد میں اپنے عروج پر پہنچا۔ کیسی کیسی سلطنتیں حتیٰ کہ قیصر وکسریٰ بھی مسلمانوں کے جذبۂ ایمانی کے سامنے پاش پاش ہو کر رہ گئیں۔ جن جن سُورماؤں، رانوں، راجوں، مہاراجوں، پرتھویوں اور صلیب پرستوں کو میدانِ جنگ میں پسپائی کا سامنا کرنا پڑا وہ یہ زخم کبھی نہیں بھولے۔ ایسے بزدل جب میدانِ جنگ میں ذلیل وخوار ہوئے اُنہوں نے سازشوں کے کئی جال بُنے اور مسلمانوں کی تاریخ میں ایسے ایسے بے ہودہ واقعات گھڑے جن کا حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔

ہندو مت، عیسائیت، یہودیت کے پیروکار گو آپس میں بے تحاشا اختلافات رکھتے ہیں لیکن جب مسلمانوں کا معاملہ سامنے آتا ہے تو یہ سب شیر وشکر ہو جاتے ہیں۔ ان سب کو اپنے اپنے معاملات میں مسلمانوں سے ذلت آمیز شکست یاد آ جاتی ہے اور پھر یہ باہم مل کر مسلمانوں سے اپنی اپنی شکست کی شرمندگی کو عجب قصے گھڑ کر مسلم فاتحین کو توہین آمیز القاب دیتے ہیں اور بار بار تاریخ کی کتابوں میں اس طرح سے جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں کہ ریڈرز کو وہی سب سچ نظر آنے لگتا ہے۔

ہماری اس کتاب کے ہیرو سلطان محمود غزنوی کو بھی انہی الزامات کا سامنا ہے۔ ہندو، عیسائی اور یہودی مصنفین نے برٹش دَور میں اپنے من پسند متعصب مصنفین سے اپنی اپنی ذہنی پستی کے مطابق ایسی ایسی کتابیں لکھوائیں جن میں معصوم طلباء کے ذہنوں میں سلطان محمود غزنوی کو ایک لٹیرے کی مانند بیان کیا گیا۔ اس عظیم فاتح کو مسلم بت شکن کی جگہ ایک ایسے ظالم لالچی لٹیرے کے

رُوپ میں پیش کیا جس کا کام مندروں پر حملہ کرنا اور وہاں سے ہیرے جواہرات کی لوٹ مار، اُس کی زندگی کا اصل مقصد ٹھہرایا۔ پھر یہی نہیں بلکہ سلطان محمود غزنوی کی بلند پایہ شخصیت پر ایسے ایسے فضول اور بے بنیاد الزامات لگائے کہ عقل سلیم اِن بربریت کے علمبرداروں پر ماتم کناں ہے۔ اِن واقعات کو اِتنا بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے کہ اُن پر یہ مقولہ صادق آتا ہے"وہ کچھ بڑھا بھی دیتے ہیں زیبِ داستاں کیلئے" جیسا کہ......

☆ سلطان محمود غزنوی کا مقصدِ حیات مندروں کے بتوں سے ہیرے جواہرات لوٹ کر غزنی (افغانستان) بھاگ جانا تھا۔

☆ سلطان محمود غزنوی کوئی بلند پایہ صالح مسلمان نہ تھا بلکہ کسی حد تک مذہب سے دُور تھا، اور اپنے خوبصورت غلام ایاز سے بے حد محبت کرتا تھا۔

☆ سلطان محمود غزنوی اپنے باپ سبکتگین کا (جائز) بیٹا نہ تھا۔

☆ سلطان محمود غزنوی ایک عام سا بادشاہ تھا جو عورت اور شراب کا دلدادہ تھا۔

☆ سلطان اگر واقعی سچا مسلمان اور اِسلام کیلئے کوشاں تھا تو اُس نے ہندوستان آکر وہیں حکومت کیوں نہ کی؟

ان تمام الزامات کا جواب آپ کو اس کتاب کی ورق گردانی میں مفصل مل جائے گا۔

متعصب مصنفین یہ سب تو خوب نمک مرچ لگا کر بتاتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر کتنے حملے کیے لیکن یہ بتانا بھول جاتے ہیں کہ حملوں میں پہل کس نے کی۔ مہاراجہ جے پال نے غزنی پر پہلا حملہ سلطان محمود غزنوی کے والد سلطان سبکتگین کے دَورِ حکومت میں کیا۔ سلطان سبکتگین کو تو خدا نے زندگی کی مہلت نہ دی۔ تب اُس نے اپنے حقیقی فرزند سلطان محمود غزنوی کو وصیت کی کہ ہندوستان کے ان شیطان صفت مہاراجوں کو کبھی نہ چھوڑنا ورنہ وہ سب مل کر تمہیں ختم کر دیں گے۔

سلطان محمود غزنوی ایک راسخ العقیدہ سچا مسلمان تھا۔ میدانِ جنگ میں دو رکعت نفل پڑھنا اُس کا معمول تھا اور تاریخ بتاتی ہے کہ بہت تھوڑی تعداد ہونے کے باوجود اللہ ربُ العزت نے اُسے ہر میدان میں فتح سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ پر مکمل توکل کرنے والوں کو خدا کبھی تنہا نہیں چھوڑتا۔

سلطان محمود غزنوی کی ایک اور بڑی عظیم بات یہ تھی کہ وہ سنی عقیدے کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کرتا تھا۔ سلطان نے ایسا انتظام کر رکھا تھا جو ایسے بدعقیدہ لوگوں کو فوری سزا دیتے، جو سنی عقیدے کے خلاف کوئی نیا عقیدہ (فتنہ) پھیلانے کی کوشش کرتے تھے۔ باطنی قرآمطی عقیدوں کے پیروکاروں اور مبلغین کو اُس نے کڑی سزائیں دیں حتیٰ کہ سزائے موت کا بھی حکم جاری کیا۔ باطل

عقائد کے بعض شر پسندوں کو اُس نے زندہ جلا دیا۔ اِسلام دُشمن لٹریچر خاص طور پر بہائی فرقوں کی کتب ضبط کر کے نذرِ آتش کروا دیں۔

سلطان محمود غزنوی کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ اہل علم کا قدر دان تھا۔ اُنہیں انعامات سے نوازنا اُس کا شیوا تھا۔ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ سے سلطان کی عقیدت بتاتی ہے کہ وہ بزرگانِ دین کو کس قدر اہمیت دیتا تھا کہ میدانِ جنگ میں بھی اُن کو فراموش نہیں کیا۔

المختصر سلطان محمود غزنوی اللہ اور اُس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اسلام کی عظمت میں اضافہ کرنے والا ایک سچا مسلمان تھا، جس نے سازشی ہندوؤں کے درمیان ہر قسم کی یورشوں کا نہ صرف ڈٹ کر مقابلہ کیا بلکہ اُنہیں شکستِ فاش دے کر اِسلام کی صداقت کا بول بالا کیا۔ تاحیات باطل اور طاغوتی قوتوں کے سامنے سر نہ جھکایا۔ خدا ہمارے حکمرانوں کو بھی ایسی قوتِ ایمانی دے تاکہ ایک بار پھر ہم بطور مسلمان اپنی کھوئی ہوئی عظمت بحال کر سکیں۔ (آمین)

بقول شاعر مشرق جناب علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ؎

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اُجالا کر دے

شاہد حمید

باب ا

ناتمام راز

صبح کا سہانا سماں ہے اور گلشنِ ارم کا ایک فرحت بخش ٹکڑا! جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی ہے، مخملی فرش نظر آتا ہے۔ جس میں نہایت قرینے سے گل پوش پودے کھڑے ہوا سے اٹھکیلیاں کر رہے ہیں۔ شاخیں جھوم رہی ہیں اور سرسبز گھاس پر رنگ رنگ کے پھولوں کی پتیاں بکھر کر نہایت ہی جاذبِ نظر بن گئی ہیں۔ کچھ اس قسم کی بھینی بھینی خوشبو پھیلی ہوئی ہے کہ روح تک تر و تازہ ہوئی جاتی ہے۔ آفتاب بتدریج بلند ہو رہا ہے اور گستاخ زرتار شعاعیں نرم و نازک پھولوں کا رنگ چرانے کے لئے پتی پتی میں گھسی جا رہی ہیں۔

دفعتہً سریلے قہقہوں کی آوازیں آنے لگیں جیسے کہیں پریاں ہنس رہی ہوں اور ان کے نقرئی قہقہے فضا کو حسین بنا رہے ہوں۔

اس وقت ایک معمر جوگن جوگیا لباس پہنے ماتھے پر تلک لگائے بائیں ہاتھ میں مرگ چھلا اور دائیں میں مالا لیے ایک روِش سے نکلی اور اس سِل پر آ کھڑی ہوئی جس کے دونوں طرف نالیوں میں شفاف پانی بہہ رہا تھا اور نہایت ہی خوش رنگ و خوشبودار پھولوں کے پودوں کی قطاریں پھیلتی چلی گئی تھیں۔

جوگن نے آہستہ سے کہا:

''آج کہہ دوں ....؟ کہہ دینا ہی چاہیے۔ میں مہابن جا رہی ہوں، شری کرشن جی کی جنم بھومی میں (مراد متھرا سے ہے)، ایشور جانے! زندہ واپس لوٹوں یا نہیں۔ مہا دیو جی، وہ جسے سومنات جی کا بچہ بچہ چاہتا ہے۔ جس کا چہرہ پورن ماشی کے چندرماں (چودھویں رات کے چاند) سے زیادہ روشن ہے، حسن و شباب کی تصویر، ناز و ادا کا مجسمہ، رعنائی و زیبائی کا پیکر۔''

ہم سومنات ہی کا ذکر کر رہے ہیں۔ مؤرخوں کو اس مقام کے پتہ لگانے میں بڑی دقتیں

پیش آئی ہیں۔ کوئی اسے گنگا کے کنارہ جگناتھ جی کے قریب بتاتا ہے۔ کوئی جمنا کے کنارہ متھرا کے پاس بیان کرتا ہے۔ کوئی کشمیر اور ہردوار کے درمیان کہتا ہے۔ خود ہندو اس مشہور مقام کو بھول چکے ہیں اور نہیں بتا سکتے کہ ان کا یہ مشہور تیرتھ کہاں تھا۔

مگر مسلمانوں ہی کی تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جزیرہ نما گجرات میں بہابری وار کے قریب لبِ سمندر تھا۔

تاریخِ فرشتہ میں لکھا ہے کہ سومنات کاٹھیاواڑ کے قریب تھا۔ اس شہر کا نام سومنات اس وجہ سے مشہور ہوا کہ اسے ''سوم'' نام راجہ نے آباد کیا تھا اور اس نے ایک عظیم الشان بت خانہ بنا کر ''نات'' نامی بت اس میں نصب کر دیا تھا۔ سوم اور نات دونوں سے مل کر سومنات کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔

یہ ممکن ہے کہ سوم راجہ نے اسے آباد کیا ہو لیکن سنسکرت زبان میں سوم چاند کو بھی کہتے ہیں اور ہندو مہادیو کی پوجا سوم کے نام سے بھی کرتے ہیں۔ نات کے معنی ہندی میں بزرگ اور قابل تعظیم کے ہیں۔ ممکن ہے سومنات مہادیو کا قابل تعظیم نام رکھا گیا ہو کیونکہ رفیع الشان بت خانہ میں مہادیو کا بت تھا اور ہندوستان بھر کے ہندو اس کی پرستش کرتے تھے۔ زیادہ قیاس یہی ہے کہ مہادیو کے بت کی وجہ سے اس کا نام سومنات مشہور ہو گیا تھا۔

سومنات شہر بھی تھا، قلعہ بھی تھا اور مندر بھی تھا۔

سومنات میں گرہن کے روز زبردست میلہ لگتا تھا۔ لاکھوں ہندو دُور دُور سے وہاں آتے تھے۔ کروڑوں روپے کے مال کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ سینکڑوں راجہ اور مہاراجہ آتے تھے۔

ہندوؤں کا یہ اعتقاد تھا کہ مرنے کے بعد رُوحیں بدن سے جدا ہو کر سومنات کی خدمت میں آتی ہیں اور یہیں سے انہیں جونیں بدلنے کا حکم ہوتا ہے۔ یہ اعتقاد آواگون (تناسخ) کی بنا پر تھا۔

لیکن آج جبکہ نہ سومنات رہا نہ کوئی جانتا ہے کہ سومنات کہاں تھا، اب رُوحیں کہاں جاتیں اور جونیں بدلنے کا حکم کس سے حاصل کرتی ہیں۔ ممکن ہے کوئی محقق ہندو اس مسئلہ پر روشنی ڈال سکے۔

ان خدا کے بندوں کو سمجھ میں یہ سیدھی سی بات نہیں آتی کہ آواگون (تناسخ) خیالی مسئلہ ہے جو روحیں ایک مرتبہ انسانی پیکر میں آ کر مرنے کے بعد نکل گئیں نہ وہ بھٹکتی پھرتی ہیں نہ دوسرے جون میں جاتی ہیں بلکہ قیامت کے انتظار میں مقامات علیین اور سجین میں جمع ہوتی رہتی ہیں اور انہیں روزِ حشر اِن کے اعمال کی جزا اور سزا ملے گی۔

سومنات کا اس قدر احترام کیا جاتا تھا کہ جب کوئی راجہ اس کی زیارت کے لئے جاتا تھا تو

میلوں اور منزلوں سے پیدل ہو لیتا تھا۔ سومنات کے ہر باشندہ کی ہر ہندو تعظیم کرتا تھا اور وہاں کے راجہ کو ادھیراج (شہنشاہ) مانا جاتا تھا۔ مذہبی طور پر اس کی عظمت مذہبی پیشواؤں سے بڑھ کر کی جاتی تھی۔ غرض یہ کہ ہندوستان بھر کے ہندوؤں کے دِلوں میں اس کی عظمت و عزت، ادب و احترام اور محبت و وقعت تھی۔

جوگن کھڑی ہو گئی اور ایک طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں چند نوخیز حوروَش لڑکیاں درختوں کی قطاروں میں سے نمودار ہوئیں۔ وہ سب سفید ساڑھیوں میں ملبوس تھیں۔ نہایت حسین و جمیل تھیں۔ ان کے چہرے اُفق میں ستاروں کی طرح چمک رہے تھے لیکن ان ستاروں کے جھرمٹ میں ایک چاند بھی نظر آ رہا تھا۔

تمام لڑکیاں حد درجہ شوخ و شنگ تھیں۔ ان کا عضو عضو متحرک تھا۔ وہ ہنس ہنس کر بجلیاں گراتیں۔ رفتارِ ناز سے سبزہ کو پامال کرتیں اور پھولوں پر دست شوخ دراز کر کے انہیں نوچتیں، اپنی رعنائیوں سے فضا کو حسین بناتی چلی آ رہی تھیں۔ گویا حسن کا سیلاب تھا۔ جو اچلا آ رہا تھا۔ چمن زار کا پتہ پتہ اور ذرّہ ذرّہ چمک اُٹھا تھا۔

جب ان لڑکیوں کی نظریں جوگن پر پڑیں تو سب مؤدب اور خاموش ہو کر احترام بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگیں اور سب نے اس کے قریب پہنچ کر اس کے پیروں کو چھوا۔ جوگن کے داہنے ہاتھ میں خوبصورت مالا تھی۔ اس نے ہاتھ اُٹھا کر آشیرباد دی۔

جوگن نے کہا: ''اشنان (غسل) کر آئیں تم؟''

چند لڑکیوں نے جواب دیا: ''جی ہاں ماتا جی۔''

جوگن: ''میں راجکماری سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''

ان لڑکیوں میں سومنات کے راجہ کی حوروَش بیٹی چندر موہنی بھی تھی۔

چندر موہنی نہایت ہی حسین و جمیل تھی۔ گول چہرہ، کشادہ پیشانی، لمبی موٹی اور غزالی آنکھیں، ستواں ناک، موزوں لب، اس پر کھلتا ہوا گورا رنگ اور اس میں شباب کی سرخی کی جھلک، غضب کی دلکش صورت تھی۔ نہایت شرمیلی، بڑی بھولی، ایسی معصوم کہ عصبیت سے کوسوں دُور۔

اس نے کہا: ''فرمائیے ماتا جی!!''

جوگن: ''ایک بات میں مدتوں سے چھپائے ہوئے ہوں۔ اس وقت سے جب راجکماری تم گھٹنوں چلنے لگی تھیں۔''

چندر موہنی نے حیرت سے جوگن کی طرف دیکھ کر پوچھا:

''ایسی کیا بات ہے وہ؟ کیا کچھ مجھ سے تعلق رکھتی ہے؟''

جوگن نے اس کے گلفام رخساروں کو دیکھتے ہوئے کہا:

''ہاں اس کا تعلق تجھ سے ہی ہے............مگر مجھے منع کر دیا گیا ہے............مجھ سے بڑا بھاری بچن (وعدہ) لیا گیا ہے۔''

چندر موہنی کو اور حیرت ہوئی۔ اس نے دریافت کیا:

''کس نے تم سے بچن لیا تھا؟''

جوگن: ''انہوں نے، جن سے تمہارے راز کا تعلق ہے۔''

''میرا راز؟'' چندر موہنی نے چونک کر حیرت بھرے لہجہ میں پوچھا۔

جوگن: ''ہاں، تمہارا راز، راجکماری۔''

چندر موہنی: ''تم نے تو میرے دل میں دریافتِ حال کے اشتیاق کی آگ بھڑکا دی۔''

جوگن: ''اور میرے دل میں پندرہ سال سے آگ بھڑک رہی ہے۔ جس راز کو میں چھپائے ہوئے ہوں اس نے میرے دل میں ایسی آگ بھڑکا رکھی ہے جو رفتہ رفتہ شعلوں میں بدل گئی ہے۔ میں اب بھی زبان سے نہ نکال سکتی لیکن اب میں متھرا جی جا رہی ہوں۔ معلوم نہیں کہ زندہ واپس لوٹوں یا وہیں مٹی ٹھکانے لگ جائے اس لئے کہنے پر آمادہ ہو گئی ہوں۔''

چندر موہنی: ''بڑی کرپا ہوگی۔ کہہ ڈالیے پھر۔''

جوگن: ''لیکن سوچتی ہوں وشواس گھات (بدعہدی) ہوگی۔''

چندر موہنی: ''اب اس کا خیال نہ کیجئے میرا شوق بڑھتا جا رہا ہے۔''

جوگن: ''اور اب راز کو چھپانا میرے لئے ناقابل برداشت ہو گیا ہے۔''

چندر موہنی: ''تو کہیے۔''

جوگن: ''اس طرح نہیں، اکانت (تنہائی) میں۔''

چندر موہنی: ''میں ابھی اپنی سہیلیوں کو علیحدہ کیے دیتی ہوں۔''

اس نے مہ پارہ لڑکیوں کی طرف دیکھا۔ وہ ایک ایک کر کے وہاں سے کھسک گئیں۔

چندر موہنی نے کہا: ''اب فرمایئے!''

جوگن نے نگاہیں اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا۔ اب وہاں اتنے قریب کوئی بھی نہ رہا تھا جو اِن دونوں کی رازدارانہ گفتگو سن سکتا۔ اس نے سرگوشی کے لہجہ میں کہا:

''اس راز کے چھپانے کے لئے میں خود بھی مجبور تھی۔ انکشافِ راز سے نہ صرف میری جان

کا خطرہ تھا بلکہ تیرے لئے بھی برائی کا احتمال تھا۔ مگر اب چاہتی ہوں کہ تجھ پر ظاہر کر دوں لیکن قبل اس کے کہ میں راز ظاہر کروں تو ایک اقرار کر کہ اسے کسی پر ظاہر نہ کرے گی۔"

چندر موہنی: "اقرار کرتی ہوں۔"

جوگن: "بات یہ ہے کہ اگر تو نے ظاہر کر دیا تو میری جان جاتی رہے گی اور تجھے بھی نقصان پہنچ جائے گا۔"

چندر موہنی: "اطمینان رکھئے میں ہرگز ظاہر نہ کروں گی۔"

جوگن: "کم سے کم اس وقت تک ظاہر نہ کرنا جب تک میں متھرا جی نہ پہنچ جاؤں۔"

چندر موہنی: "میں وعدہ کرتی ہوں۔"

جوگن: "سن چندر موہنی تو راجکماری نہیں ہے۔"

چندر موہنی چونک کر اچھل پڑی۔ اس نے کہا:

"میں راجکماری نہیں؟...... پھر کون ہوں؟"

جوگن: "رنج نہ کر تو راجکماری ہی رہے گی تعجب البتہ ضرور ہوگا۔ میں مفصل سناتی ہوں"

ابھی جوگن کا فقرہ ختم نہ ہوا تھا کہ شور ہوا مہارانی آگئیں۔ ان دونوں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ دور سے بہت سی عورتیں آ رہی تھیں۔ جوگن نے جلدی سے کہا:

"اب موقع نہیں رہا پھر بتاؤں گی۔ ہنسی خوشی اپنی ماتا جی سے مل کہ انہیں کوئی شک نہ ہو۔ ورنہ میری زندگی خطرہ میں ہے، میں جا رہی ہوں۔"

یہ کہتے ہی وہ چلی گئی اور چندر موہنی اسے دیکھتی رہ گئی۔

سومنات کی داسیاں:

چندر موہنی نے جب سے جوگن سے یہ سنا تھا کہ وہ راجکماری نہیں ہے، اس کے دل میں ایک خلش پیدا ہوگئی تھی۔ وہ رہ رہ کر سوچتی تھی کہ جب وہ راجکماری نہیں ہے تو کون ہے؟ کس کی بیٹی ہے؟ راجہ اور رانی نے اسے کیوں پرورش کیا؟ کیا انہیں معلوم نہیں کہ میں ان کی بیٹی نہیں ہوں یا معلوم ہے اور وہ بھی اس بھید کو چھپائے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر ایسا ہے تو کیوں چھپا رہے ہیں؟ اس میں ان کی کیا مصلحت ہے؟

وہ خوب جانتی تھی کہ اس کی پرورش و پرداخت راجکماروں کی طرح ہوئی ہے۔ رانی اس سے بیٹی ہی جیسا سلوک کرتی ہے۔ راجہ بیٹی کی طرح چاہتا ہے۔ راجکماری کی طرح رعایا تعظیم کرتی ہے۔

داسیاں اور سہیلیاں سب اس کا ادب واحترام کرتی ہیں۔

کئی روز اسی فکر وتشویش میں گزر گئے لیکن یہ مسئلہ حل نہ ہوا۔ رانی سے اسے اس کے متعلق کچھ پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی۔

وہ جوگن کو عرصہ سے جانتی تھی۔ نہایت نیک اور باخدا تھی۔ اس کا زیادہ وقت پوجا پاٹ میں گزرتا تھا۔ اس نے کبھی بات غلط نہ کہی تھی۔ اسے یہ اطمینان تھا کہ کسی روز جوگن خود ہی آ کر اس راز کا انکشاف کر دے گی جس نے اس کے دل میں عجب کشمکش پیدا کر دی ہے۔ لیکن کئی روز سے جوگن نہ آئی تھی حالانکہ وہ اس کے آنے کا روزانہ انتظار کرتی تھی۔

جوگن سومنات کے مندر میں رہتی تھی۔ اس کے علاوہ اور بہت سی تارک الدنیا عورتیں رہتی تھیں۔ ایسی عورتوں کی تعداد ڈیڑھ سو یا دو سو تھی۔ لیکن ان سب میں اس جوگن کو امتیازِ خصوصی حاصل تھا۔ اس کا نام تو کچھ اور تھا لیکن سب شو بھا دیوی کہتے تھے۔

تمام جوگنیں اور سارے سادھو اس کی عزت کرتے اور کثرتِ عبادت کی وجہ سے اس کی عظمت کے قائل تھے۔

سومنات کے مندر میں تقریباً پانچ سو داسیاں تھیں۔ یہ داسیاں نوخیز اور حسین وجمیل پندرہ سال سے لے کر بیس سال کی عمر تک کی لڑکیاں تھیں۔ عام محفلوں میں ناچتی گاتی نہ تھیں بلکہ سومنات کے مندر سے وابستہ تھیں اور پوجا کے وقت بت کے سامنے روزانہ ناچنا گانا ان کے فرائض میں داخل تھا۔

یہ لڑکیاں زیادہ تر امیروں، رئیسوں اور بڑے خاندان کی ہوتی تھیں۔ اکثر گھرانے پہلوٹی لڑکیوں کو مندر کی نذر کر دیتے تھے اور مندر کا مہا پجاری انہیں ناچ گانے کی مشق کراتا' جب وہ اس فن میں ماہر ہو جاتیں تو انہیں داسیوں کے زمرہ میں داخل کر لیا جاتا۔

داسیاں بننا معیوب نہ تھا بلکہ ان کی بڑی عزت و وقعت کی جاتی۔ ادنیٰ واعلیٰ، راجہ مہاراجہ، سادھو پجاری، جوگی جوگنیں سب ان کا احترام کرتے تھے۔ ان کی کیفیت وہی تھی جیسی عیسائیوں میں گرجاؤں کے اندر ننوں کی ہوتی ہے۔

دراصل داسیاں اس بت کی بیٹیاں کہلاتی تھیں جس بت کے نام کے مندر میں وہ رہ کر پرورش پاتی تھیں۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ قریب قریب ہر مندر میں داسیاں سومنات کی بیٹیاں کہلاتی تھیں۔

اس میں شک نہیں کہ اس وقت جب ست جگ کا زمانہ کہلاتا تھا۔ ان داسیوں کو سب اپنی

ماتائیں سمجھا کرتے تھے۔ وہ ساری عمر کنواری رہتی تھیں۔ داسیاں بننے کے بعد ان کی شادیاں مذہبی قانون کی رو سے نہ ہو سکتی تھیں۔

ان پر بھی جوانی دیوانی کا دور آتا تھا۔ شباب ان کے دلوں میں بھی تلاطم پیدا کرتا تھا۔ خواہشات ان پر بھی طاری ہوتی تھیں۔ لیکن ایک تو وہ خود یہ سمجھتی تھیں کہ وہ بت کی بیٹیاں اور تمام مردوں اور عورتوں کی مائیں ہیں۔ دوسرے سارے مرد بھی یہی سمجھتے تھے کہ وہ قابلِ احترام ماتائیں ہیں۔ اگر انہیں بری نگاہوں سے دیکھا بھی تو بت کا قہر و غضب انہیں جلا کر خاک کر دے گا۔ اس لئے نہ کوئی ان پر بدنظر ڈالتا تھا نہ وہ کسی پر مائل ہوتی تھیں۔

لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اور بقول ہندوؤں کے کلجگ کا دور شروع ہوا، لوگوں کے دلوں سے بتوں کی عظمت دور ہوتی گئی۔ گمراہی پھیلنے لگی۔ عیاشیاں بڑھ گئیں۔ ہندوستان گناہ میں ڈوب گیا اور داسیوں کی حالت عام ویشاؤں (طوائفوں) کی طرح ہو گئی۔ نہ صرف سادھو اور پجاری ہی انہیں اپنی ہوس رانیوں کا شکار بنانے لگے بلکہ عوام الناس میں سے بھی جو کوئی خرچ کرتا وہ ان داسیوں کے حسن کی بہار لوٹ لیتا۔

ہم نے داسیوں کا مفصل ذکر اس لئے کر دیا ہے تاکہ قارئین کرام ان کی اصل حقیقت سے واقف ہو جائیں اور یہ ذکر اس لئے کرنا پڑا کہ اس ناول میں داسیوں کا اکثر ذکر آئے گا۔

جب کئی دن گزر گئے اور جوگن نہ آئی تو ایک روز چندر موہنی نے اپنی ایک داسی کو اسے بلانے کے لئے بھیجا۔ سومنات کا مندر 'انواس' (قصر شاہی) سے فاصلہ پر تھا اس لئے داسی کا جلد واپس آنا مشکل تھا۔ ادھر چندر موہنی کے دل میں کچھ ایسا خلفشار پیدا ہو گیا تھا کہ اب اس کی بے چینی اور بھی بڑھ گئی تھی۔

ساتھ ہی اس کی پریشانی کی ایک اور وجہ بھی تھی۔ اس کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور جس کے ساتھ اس کی شادی قرار پائی تھی اس سے اسے قلبی نفرت تھی۔

اس کی شادی انہلواڑہ کے راجکمار سکھدیو کے ساتھ طے ہوئی تھی۔ سکھدیو تھا تو نوجوان لیکن نہ صورت دار تھا اور نہ اس کے اطوار اچھے تھے۔ بلکہ سنا یہ تھا کہ وہ نہایت بدمزاج، بڑا سنگدل اور کچھ بدچلن تھا۔

اگرچہ اس کے ساتھ شادی کے لئے بڑے بڑے مشہور راجکماروں نے پیغام دیا تھا لیکن اس وقت راجہ مہاراجہ ملکی حالات کی بنا پر ایسے راجکماروں سے اپنی لڑکیاں بیاہا کرتے تھے جس سے ان کی سلطنت کو کسی قسم کا ضعف و نقصان نہ پہنچے بلکہ اور مستحکم ہو جائے۔ خواہ راجکمار اور راجکماریاں اس

رشتہ کو پسند کریں یا نہ کریں اور ان کی آیندہ زندگی کیسی ہی بری حالت میں گزرے، وہ گھٹ گھٹ کر ہی کیوں نہ مر جائیں۔

راجہ انہلواڑہ کی قوت بہت کچھ بڑھی ہوئی تھی اور انہلواڑہ سومنات کے قریب تھا۔ سومنات کے راجہ کو ہر وقت اس کے حملہ آور ہونے کا اندیشہ رہتا تھا۔ اس لئے اس نے اس اندیشہ کو دور کرنے کے لئے یہ تجویز سوچی کہ اپنی لڑکی انہلواڑہ کے راجکمار کو دے دے تاکہ اس کی طرف سے حملہ کا اندیشہ نہ رہے۔

ہندوستان کے راجہ ہمیشہ آپس میں لڑتے چلے آئے ہیں۔ طاقت ور کمزور کو ہضم کر لیتا تھا۔ کمزور راجہ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کی شادی ان طاقتور راجاؤں سے کر کے اپنی سلطنت کو دشمنوں سے بچانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

راجاؤں کا یہ دستور ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔ چنانچہ جب مسلمان بادشاہ ہندوستان میں آئے تو راجاؤں نے اپنی خوشی سے انہیں بھی اپنی بیٹیاں دینی شروع کر دیں اور اس طرح انہوں نے مسلمان بادشاہوں کو اپنا بنا کر اپنی سلطنتیں بھی بچا لیں۔

چندر موہنی چاہتی تھی کہ منہ پھاڑ کر یہ صاف کہہ دے کہ اسے یہ رشتہ منظور نہیں ہے۔ لیکن شرم زبان نہ کھولنے دیتی تھی۔ وہ اندر ہی اندر گھٹ رہی تھی۔

جب داسی کی واپسی میں دیر ہوئی تو وہ دل بہلانے کے بالا خانہ پر چڑھ گئی۔ اکثر وہ سیر کرنے کے لئے سب سے اوپر کی چھت پر چلی جایا کرتی تھی۔

شام کا وقت تھا۔ آفتاب مغرب کی طرف بڑھا چلا جا رہا تھا۔ روپہلی شعاعیں سنہری ہو گئی تھیں اور ہر چیز پر طلائی غازہ بھر رہی تھیں۔

چندر موہنی نے جب جنوب کی طرف دیکھا تو سمندر کا نیلگوں پانی حدِ نگاہ تک پھیلا نظر آیا۔

اس محل کے جنوب میں سمندر تھا اور اس کی فلک شکوہ لہریں قصر شاہی کی دیوار کے پشتہ سے آ ٹکراتی تھیں۔ ایک طرف دور بہت سی چھوٹی کشتیاں لبِ ساحل پڑی تھیں اور قریب ہی کنارہ پر ملاحوں کے مکانات تھے جن میں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

یہ تمام ملاح راجہ کے ملازم تھے اور ساری کشتیاں سرکاری تھیں۔ اکثر راجہ اور اس کے مشیر ان کشتیوں میں بیٹھ کر مچھلیوں کا شکار کھیلا کرتے یا تفریح کیا کرتے تھے۔

لیکن یہ کشتیاں صرف انہیں کاموں کے لئے نہ تھیں۔ بلکہ راجہ نے دور اندیشی کے خیال سے اس لئے بھی انہیں رکھا ہوا تھا کہ اگر کسی وقت کوئی طاقت ور دشمن حملہ کر کے قلعہ فتح کر لے تو وہ معہ

اپنے اہل وعیال کے ان میں سوار ہو کر کہیں دور سمندر کے کسی جزیرہ میں چلا جائے۔

کچھ دیر سمندر کا نظارہ کرنے کے بعد وہ دوسری طرف متوجہ ہوئی۔ اس طرف بہت دور سومنات کا عالی شان مندر تھا جو چھوٹا سا قلعہ معلوم ہوتا تھا۔ مندر کا سفید مخروطی مینار چمک رہا تھا اور اس کا سنہرا کلس آفتاب کی سنہری شعاعیں پڑنے سے جگمگا رہا تھا۔

یہی وہ سمندر تھا جس کی عزت وعظمت ہندوؤں کے دلوں میں تھی اور ہند کے گوشہ گوشہ سے لوگ اس کی زیارت کرنے کے لئے آتے رہتے تھے۔

ابھی چندر موہنی اس طرف دیکھ ہی رہی تھی کہ داسی آ گئی۔ چندر موہنی نے اس کی طرف دیکھ کر دریافت کیا: ''کیا جوگن ماتا آئی؟''

داسی نے جواب دیا: ''نہیں راجکماری جی، معلوم ہوا کہ وہ کئی روز ہوئے متھرا چلی گئی۔''

چندر موہنی کو بڑا افسوس ہوا۔ راز، راز ہی رہ گیا۔ اس کے دل میں جو کانٹا کھٹک رہا تھا وہ نہ نکل سکا۔ اگر وہ مرگئی یا یہاں نہ آئی تو اس کا راز بھی اس کے ساتھ ہی گیا۔ اس سے اسے بڑی الجھن ہوئی۔

کچھ دیر وہ بحر غور وفکر میں غرق رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد خود ہی بولی:

''یقین ہے گرو جی مہاراج کو ضرور اس کے متعلق کچھ معلوم ہوگا۔ ماتا جی سے اجازت لے کر ان کی خدمت میں جاؤں گی۔''

یہ سوچ کر وہ نیچے اتر آئی اور اسی وقت رانی کی خدمت میں حاضر ہو کر گرو جی کے پاس جانے کی اجازت طلب کی۔ رانی نے بلا کسی حجت کے اجازت دے دی۔ وہ اپنے کمرہ میں واپس آ گئی اور پھر اپنے خیالات میں کھو گئی۔

باب ۲

ڈاکوؤں کا حملہ

چندر موہنی کے گرو جی سومنات سے آٹھ دس میل کے فاصلہ پر شمالی جنگلوں میں رہتے تھے۔ ان کا نام دھرمپال تھا۔ انہوں نے ہی چندر موہنی کو بھاشا اور سنسکرت پڑھائی تھی۔ وہ راجکماری کو بیٹی سے زیادہ چاہتے تھے۔ چندر موہنی بھی باپ سے زیادہ محبت اور ان کی عزت کرتی تھی۔

جب کبھی اسے کوئی مشکل آتی تھی وہ گرو کے پاس جا کر اسے رفع کیا کرتی تھی۔ دھرمپال کا ادب واحترام سومنات کا بچہ بچہ کرتا تھا۔ ہر فرد کو ان سے عقیدت تھی۔ عوام الناس انہیں ایشور کا بھگت، پہنچا ہوا سادھو اور دیوتا سروپ سمجھتے تھے۔ ان کے درشن کے لیے عورتوں اور مردوں کے گروہ ان کے جائے قیام پر جاتے رہتے تھے۔

غرض یہ ہے کہ وہ نہایت بزرگ مانے جاتے تھے۔ سومنات کا مہا پجاری بھی اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا اور راجہ بھی انہیں بہت کچھ مانتا تھا۔

راجہ اور پرجا (رعایا) نے یہ کوشش کی تھی کہ وہ جنگلوں میں رہنا چھوڑ دیں اور خاص مندر میں آ رہیں لیکن اس بات کو انہوں نے منظور نہ کیا تھا۔

چندر موہنی دوسرے روز ان کے پاس جانے کے لئے تیار ہوئی۔ شاہی رتھ دروازہ پر آ لگا۔ دس کڑیل راجپوت سوار جلو میں چلنے کے لئے آ گئے۔

چندر موہنی نے بہترین ریشمی ساڑھی پہنی۔ جواہرات کے چمکدار زیورات پہنے اور سر پر خوبصورت مکٹ (چھوٹا تاج) رکھا۔ ان چیزوں سے اس کا حسن چہار چاند بڑھ گیا۔ اس کے رخسار شفاف آئینہ کی طرح جگمگانے لگے۔ وہ رتھ میں بیٹھ گئی۔ دوسری رتھ میں اس کی چند سہیلیاں بیٹھیں اور تیسری رتھ میں چند داسیاں سوار ہو گئیں۔

تینوں رتھ نہایت خوبصورت تھے لیکن جس رتھ میں چندر موہنی سوار ہوئی وہ نہایت ہی

شاندار اور آرام دہ تھا۔

کچھ سوار رتھوں کے آگے ہو گئے کچھ پیچھے اور رتھ چلے۔ چونکہ ان رتھوں کو عوام الناس جانتے تھے اس لئے جس طرف سے راجکماری کی سواری گزرتی لوگ نعرے لگانے لگتے۔ ''راجکماری کی جے، اَن داتا کی جے''۔

چندر موہنی سوچتی، کیا میں حقیقت میں راجکماری ہوں یا لوگ بھی دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں؟

قصرِ شاہی قلعہ کے اندر تھا۔ سواری قلعہ سے نکل کر شمالی جنگلوں کی طرف روانہ ہوئی۔

چندر موہنی نے رتھ کے ایک طرف کا پردہ اٹھا دیا تھا اور وہ سبزہ زار کھیتوں کا نظارہ کرتی چلی جا رہی تھی۔ آج آسمان پر ابر چھایا ہوا تھا۔ آفتاب بادلوں کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ خوش گوار ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ نہایت فرحت بخش سماں تھا۔ چندر موہنی نے سواری کو آہستہ آہستہ چلنے کا حکم دیا اور وہ قدم قدم چلنے لگے۔

آہستہ روی کی وجہ سے دوپہر تک انہوں نے پانچ میل کا فاصلہ طے کیا۔ اس وقت گھٹا اُمنڈ آئی، ہوا تیز ہو گئی۔ بادلوں کے غول کے غول آنے لگے۔ سواروں کے آفیسر نے چندر موہنی سے آکر کہا:

''بارش آنے والی ہے اور قریب کہیں پناہ کی جگہ نظر نہیں آتی۔''

چندر موہنی نے کہا:

''اب گھوڑوں کو تیز کر دو۔ قریب ہی ایک شوالہ ہے اگر ہم وہاں تک پہنچ گئے تو بارش کے طوفان سے بچ جائیں گے۔''

افسر: ''میرا مدعا بھی یہی تھا۔''

اس نے رتھ بانوں اور سواروں کو اشارہ کیا۔ انہوں نے گھوڑوں کی باگیں اٹھائیں اور گھوڑے فراٹے بھرتے ہوئے چل نکلے۔

لیکن ابھی سواری زیادہ دور نہ گئی تھی کہ بڑی بڑی بوندیں پڑنے لگیں۔ ہوا اور بھی تیز ہو گئی۔ درختوں کی شاخوں کے ٹکرانے اور پتوں کے بجنے سے ایسا شور بلند ہوا جیسے طوفان آ گیا ہو۔ ساتھ ہی بارش زور شور سے شروع ہو گئی۔

سواروں نے گھوڑوں کو اور تیز کیا۔ سامنے ایک شوالہ نظر آیا۔ یہ سب دوڑ کر شوالہ کے عالی شان پھاٹک میں جا کر کھڑے ہوئے۔ پھاٹک اتنا وسیع تھا کہ اس میں تینوں رتھ اور سارے سوار سما

گئے۔

شوالہ کے پجاریوں نے جب سواروں کو دیکھا تو ان میں سے کئی پجاری دوڑ کر ان کے پاس یہ معلوم کرنے کے لئے آئے کہ وہ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ راجکماری گرو جی سے ملنے جا رہی ہیں تو انہوں نے راجکماری سے شوالہ کے اندر چلنے اور وہاں آرام سے بیٹھنے کی التجا کی۔ راجکماری نے مان لیا۔ رتھیں بڑھا کر شوالہ کے قریب لگا دی گئیں اور سب داسیاں اور سہیلیاں اتریں۔ چندر موہنی بھی اتری اور شوالہ میں چلی گئی۔

شوالہ کی عمارت نہایت وسیع تھی۔ ایک کمرہ میں خادمائیں اور دوسرے میں چندر موہنی اور اس کی سہیلیاں آرام سے بیٹھ گئیں۔

کچھ دیر کے بعد شوالہ کا پجاری حاضر ہوا۔ اس نے راجکماری اور اس کی سہیلیوں پر کچھ عجیب قسم کی نگاہیں ڈالیں اور راجکماری سے کھانے کے لئے دریافت کیا۔

چندر موہنی نے اس کا شکریہ ادا کر کے کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ وہ چلا گیا۔

ایک سہیلی نے کہا: "مجھے تو اس پجاری کی آنکھوں سے خوف معلوم ہوتا ہے۔"

دوسری بولی: "اس کی صورت بھی تو ہیبت ناک ہے۔"

چندر موہنی: "ہوگی! دیکھو کس زور سے بارش ہو رہی ہے۔"

بارش موسلا دھار ہو رہی تھی۔ ہوا بھی نہایت زور سے چل رہی تھی۔ گویا بارش اور ہوا کا طوفان آ گیا تھا۔

دیر تک بارش ہوتی رہی۔ رفتہ رفتہ اس کا زور کم ہوا اور جب بالکل بارش رکی تو کافی دیر ہو چکی تھی۔

اب افسر نے آ کر اطلاع دی کہ بارش رک گئی ہے اگر حکم ہو تو رتھیں لائی جائیں۔

عین اس وقت شوالہ کا پجاری آ گیا۔ اس نے کہا:

"راجکماری جی! بہت تھوڑا دن باقی رہ گیا ہے۔ راستہ دشوار گزار جنگلوں میں سے ہو کر گزرتا ہے۔ کئی روز سے ڈاکہ زنی کی خبریں آ رہی ہیں اس وقت سفر کرنا نامناسب ہے۔"

چندر موہنی: "نہیں ہمیں جانا ضروری ہے۔ رتھیں لائی جائیں۔"

پجاری نے پھر خاص نظروں سے دیکھا اور خاموشی سے نکل کر چلا گیا۔ افسر نے رتھیں لانے کا حکم دیا اور جب رتھیں آ گئیں۔ تو سب سوار ہو کر شوالہ سے نکلے اور آہستہ آہستہ روانہ ہو گئے۔

گھٹا اب بھی گہری تھی لیکن برسنے سے بادلوں کا زور نکل گیا تھا اور اب مزید بارش ہونے کا

اندیشہ نہ تھا۔

سواری نہایت اطمینان سے چلی جا رہی تھی۔ چونکہ بارش کی وجہ سے راستہ خراب ہو گیا تھا اس لئے گھوڑے تیزی سے نہ چل سکتے تھے۔

اب بادل چھٹنے لگے تھے اور کبھی کبھی آفتاب نمودار ہو جاتا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ دن چھپنے کے قریب ہے۔ راجکماری نے افسر کو بلا کر کہا:

''دن چھپنے والا ہے اور ابھی ہمیں تاریک جنگل میں سے گزرنا ہے اس لئے ذرا تیز چلو۔''

افسر نے سواروں اور رتھ بانوں کو ہدایت کی اور سواری تیزی سے چلی۔

کچھ دور چل کر راجکماری نے چند سواروں کو دوسری طرف سے آتے ہوئے دیکھا۔ اس نے افسر کو ہدایت کی کہ وہ ان سواروں کو طلب کرے۔ چنانچہ افسر نے انہیں لا کر راجکماری کے سامنے پیش کیا۔

سواروں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اور سجدہ کی شان سے جھک کر راجکماری کو سلام کیا۔

چندر موہنی نے دریافت کیا۔ ''تم کون ہو؟''

ایک سوار نے جواب دیا:

''ہم جاسوس ہیں!''

چندر موہنی: ''کہاں سے آ رہے ہو؟''

جاسوس: ''اجمیر شریف سے۔''

چندر موہنی: ''کیا خبر لائے ہو؟''

جاسوس: ''ملیچھ سلطان محمود غزنوی پھر ہندوستان پر حملہ آور ہوا ہے۔''

چندر موہنی: ''کیا وہ ہندوستان میں داخل ہو گیا؟''

جاسوس: ''جی ہاں۔''

چندر موہنی: ''کچھ معلوم ہوا کہ اب اس کا کس طرف حملہ کرنے کا ارادہ ہے؟''

جاسوس: ''یہ معلوم نہیں ہوا ہے۔ وہ پشاور سے آگے بڑھ آیا ہے۔ کوئی نہیں جانتا اب کس ملک پر ٹوٹ کر گرے گا لیکن افواہ ہے!''

چندر موہنی: ''کیا افواہ ہے؟''

جاسوس: ''اس کا ارادہ سومنات پر حملہ کرنے کا ہے۔''

چندر موہنی کے دل پر چوٹ سی لگی۔ اس نے کہا:

''اس کا دماغ چل گیا ہے۔ سومنات جی غضب ناک ہو کر اسے بھسم کر ڈالیں گے۔ اچھا تم جاؤ۔''

جاسوس چلے گئے۔ راجکماری کی سواری آگے بڑھی اور عین دن چھپے جنگل میں داخل ہوئی۔ جنگل نہایت ہی گھنا اور تیرہ و تار تھا۔ درخت ایک دوسرے سے ملے ہوئے کھڑے تھے۔ ان کی شاخیں آپس میں گتھ گئی تھیں۔ ڈالوں پر ڈالے چڑھ گئے تھے اور پتوں نے سائبان سا تن دیا تھا۔

رات تو رات دن میں بھی یہاں اندھیرا ہی پھیلا رہتا تھا۔ آفتاب کی شعاعیں زمین تک نہ پہنچنے پاتی تھیں بلکہ درختوں کی شاخوں اور پتوں ہی میں الجھ کر رہ جاتی تھیں۔

ایک تو رات ہو گئی تھی، دوسرے جنگل تاریک تھا اس لئے اس درجہ اندھیرا پھیلا ہوا تھا کہ آنکھ کو ہاتھ نظر نہ آتا تھا۔

غالباً سوار مشعلیں تیار کر کے لائے تھے۔ انہوں نے مشعلیں روشن کر کے ہاتھوں میں لیں اور آگے بڑھنا شروع کیا۔

چونکہ بارش ہو چکی تھی اس لئے درختوں میں سے پانی چھن کر ہلکی ہلکی بوندوں کی طرح اب بھی برس رہا تھا۔

اس وقت سفر کرنے میں ان لوگوں کو بڑی تکلیف ہو رہی تھی اور چونکہ چندر موہنی اور اس کی سہیلیوں کے سامنے شوالہ کے پجاری نے بیان کیا تھا کہ اس جنگل میں ڈاکہ زنی ہونے لگی ہے۔ اس لئے ناز آفرین پری جمال لڑکیوں کے دل ہولیں کھا رہے تھے۔ ذرا سے کھٹکا ہونے پر ان کے دل دھک سے ہو جاتے تھے اور کلیجے اچھلنے لگتے تھے۔

انہوں نے تھوڑا ہی سا فاصلہ طے کیا تھا کہ پیچھے کی طرف سے گھوڑوں کے ٹاپوؤں کی آواز آئی۔ لڑکیاں دہل گئیں لیکن افسر کے اس کہنے سے انہیں تسلی ہوئی کہ شاید مہاراجہ نے کچھ سوار اور بھیج دیئے ہیں۔

تھوڑی دیر میں سوار قریب آ گئے۔ وہ ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے دور سے ہی چلا کر کہا: ٹھہر جاؤ۔

افسر اور سواروں نے ان کی طرف دیکھا اور جب روشنی میں نظر آئے تو افسر نے کہا: ''اوہ یہ تو ڈاکو معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ؟''

ڈاکوؤں کا نام سنتے ہی نازک اندام لڑکیوں کی جان سی نکل گئی۔ افسر نے تمام سواروں کو ایک جگہ جمع کر لیا اور ڈاکوؤں کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگے۔

غیبی امداد:

جو مشعلیں سوار لئے ہوئے تھے ان کی روشنی بڑھتے ہوئے اندھیرے کو دور کرنے کی کوشش تو کر رہی تھی لیکن وہ اتنی ناکافی تھی کہ دور تو دور پاس کی چیز بھی صاف نظر نہ آتی تھی۔ آنے والے سوار دس بارہ تھے۔ چونکہ وہ ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے اس لئے ان کی صورتیں تو نظر نہ آتی تھیں البتہ ان کی شعلہ بار آنکھیں ضرور چمک رہی تھیں۔

انہوں نے شاہی سواری کے سامنے آ کر پڑا جما لیا اور ان میں سے ایک نے کہا:

''خیریت چاہتے ہو تو ہتھیار ڈال دو۔''

افسر نے کڑک کر کہا:

''جانتے ہو میرا نام کھڑک سنگھ ہے۔ بڑے بڑے سورما میرا لوہا مانتے ہیں، میں کہتا ہوں اگر تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو واپس لوٹ جاؤ۔''

جو شخص ڈاکوؤں کی طرف سے گفتگو کر رہا تھا وہ ان کا سردار معلوم ہوتا تھا۔ اس نے گرج کر کہا:

''تم کھڑک سنگھ ہو تو میں بل بیر سنگھ ہوں۔ آج تک کوئی سورما (بہادر) میرے سامنے سے جان بچا کر نہیں جا سکا۔ لیکن میں فضول خونریزی کو پسند نہیں کرتا۔ میں راجکماری اور ان کی سہیلیوں کو لینے آیا ہوں۔ انہیں میرے حوالے کر دو اور اپنی جانیں بچاؤ۔''

کھڑک سنگھ: ''میری زندگی میں یہ بات ناممکن ہے کہ کوئی راجکماری جی کا بال بھی بیکا کر سکے' لیکن میں پوچھتا ہوں تم راجکماری کو کہاں اور کس لئے لے جانا چاہتے ہو؟''

بلبیر سنگھ: ''یہ بات میں نہیں بتا سکتا۔''

کھڑک سنگھ: ''نہ بتاؤ، کائر (بزدل) کبھی سچ نہیں بولا کرتے۔''

بلبیر سنگھ نے کڑک کر کہا:

''میں کائر ہوں؟ تم نے میرا اپمان (توہین) کیا ہے۔ اب تلوار ہی میرا اور تمہارا فیصلہ کرے گی۔''

یہ کہتے ہی اس نے اور اس کے تمام ساتھیوں نے تلواریں کھینچ لیں۔

راجکماری چندر موہنی ان کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سن رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ اگر شاہی سوار مشعلیں لئے رہے تو اچھی طرح سے لڑ نہ سکیں گے اور اگر انہوں نے مشعلیں گرا دیں تو اندھیرا ہو

جائے گا۔ اس لئے اس نے کنیزوں کو حکم دیا کہ وہ رتھ سے نیچے اتر کر مشعلیں لے کے کھڑی ہو جائیں۔

خوف و دہشت سے کنیزوں کی روح خشک ہوئی جا رہی تھی۔ وہ رتھ میں سہمی ہوئی بیٹھی تھیں۔ ڈرتی تھیں کہ کہیں رتھ سے نیچے اترتے ہی قتل نہ کر ڈالی جائیں لیکن راجکماری کے حکم کی تعمیل کرنی بھی ضروری تھی۔ جبراً قہراً اُتریں اور ڈرتے ڈرتے اپنے سواروں کے پاس جا کر ان سے مشعلیں لے لیں اور ایک طرف کھڑی ہو گئیں۔

سواروں نے مشعلیں دیتے ہی ڈھالیں سنبھالیں اور اب تمام شاہی سواروں نے بائیں ہاتھوں میں ڈھالیں اور داہنے ہاتھوں میں تلواریں لے لیں۔

ڈاکوؤں نے بڑے زور سے راجکماری کے محافظوں پر حملہ کر دیا۔ کھڑک سنگھ اور اس کے ساتھی بھی پل پڑے۔ جنگ شروع ہو گئی۔ ڈاکو محافظوں کو ختم کرنے کی کوشش میں تھے اور محافظ ڈاکوؤں کو مار ڈالنے کی تگ و دو میں لگے ہوئے تھے۔

دونوں فریق بہادر تھے اور نہایت جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ اگرچہ ڈاکو شاہی سواروں سے کچھ زیادہ تھے لیکن سواروں کو اپنی کمی کا مطلق بھی خیال نہ تھا۔

تلواروں کی کھٹا کھٹ سے خاموش جنگل گونج اٹھا تھا اور کبھی کبھی کھڑک سنگھ اور بل بیر سنگھ کی آوازیں بھی آ جاتی تھیں جو ایک دوسرے پر حملہ کرتے وقت کچھ کہتے تھے یا اپنے سواروں کو للکارتے تھے۔

چندر موہنی نے اس وقت رتھ کا پردہ الٹ دیا تھا اور اپنا چاند سا چہرہ نکالے جھانک کر لڑائی کا منظر دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے سے کسی قسم کی گھبراہٹ ظاہر نہ ہو رہی تھی۔ اس کی سہیلیاں بھی جھانک رہی تھیں لیکن ان کے چہروں سے فکر و تشویش کی علامتیں ظاہر ہو رہی تھیں۔ ان میں سے ایک نے کہا:

''راجکماری جی!! یہ موقع اچھا ہے۔ اس وقت دشمن لڑائی میں مشغول ہے۔ آپ رتھ بانوں کو حکم دیں کہ وہ رتھوں کو تیزی سے ہانک کر لے جائیں۔''

چندر موہنی نے حقارت آمیز نگاہیں اپنی اس بزدل سہیلی کے چہرہ پر ڈال کر کہا:

''تم مجھے بزدلانہ مشورہ دے رہی ہو۔ کیا ایک راجکماری اپنے سورماؤں کو لڑتا ہوا چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے میدانِ جنگ میں سے بھاگ جائے؟ ایک راجپوت بنس کی لڑکی کبھی ایسا نہیں کر سکتی۔ تم بھی تو راجپوتنیاں ہو۔ ان کی اولاد جو سر دینا اور سر لینا جانتے ہیں۔ بھاگ چلنے کا خیال کیسے تمہارے دل میں آیا۔''

سہیلی کچھ مجوب ہو گئی اس نے کہا:

''میں نے اپنی یا دوسری لڑکیوں کی جان بچانے کے لئے یہ مشورہ نہ دیا تھا بلکہ ہم سب میں آپ کی جان قیمتی ہے۔ ڈاکو ہمیں پکڑ کر لے جائیں یا مار ڈالیں ہمیں اس کی مطلق بھی پرواہ نہیں ہے لیکن اگر آپ کا بال بھی بیکا ہو گیا تو تمام سومنات میں کہرام مچ جائے گا۔''

چندر موہنی: ''میری بھی فکر نہ کرو۔ اگر ایشور نہ کرے ہمارے سپاہی مارے گئے یا شکست کھا کر بھاگ گئے تو پھر ہمیں لڑائی کے لئے تیار ہو جانا چاہیے۔''

سب سہیلیوں نے متحیر ہو کر کہا:

''ہمیں لڑائی کے لئے تیار ہو جانا چاہیے؟ ان خونخوار درندوں سے جو رحم و کرم کا نام بھی نہیں جانتے!''

چندر موہنی: ''ہاں، انہیں سے۔ گرفتار ہو کر ڈاکوؤں کی داسیاں بننے سے یہ کہیں اچھا ہے کہ لڑ کر ماری جائیں۔''

ایک سہیلی نے گھبرا کر کہا:

''ارے دیکھئے وہ ہمارے دو سوار مارے گئے۔''

اس وقت دو محافظ سوار شدید زخمی ہو کر گر گئے تھے۔ راجکماری نے کہا:

''افسوس، اول تو ہمارے سپاہیوں کی تعداد ہے ہی تھوڑی اور اس میں سے بھی دو بہادر مارے گئے۔ مگر دیکھو وہ ایک ڈاکو بھی گرا......................''

چندر موہنی: ''ٹھیک ہے، ہمارے یہ رتھ بان بھی کیوں نہ لڑائی میں شریک ہوں؟''

ایک سہیلی: ''ٹھیک سوچا، راجکماری جی انہیں بھی حکم دیجئے، یہ بھی لڑیں۔

چندر موہنی نے رتھ بانوں کو لڑنے کا حکم دیا۔ وہ بھی رتھوں سے کود کود کر لڑائی کی جگہ پر پہنچے۔ جو محافظ مارے گئے تھے ان کے گھوڑے ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ انہوں نے گھوڑے پکڑے اور ان پر سوار ہو کر لڑائی میں شریک ہو گئے۔

تلواروں کی جھنکار اور شور سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ راجکماری اور اس کی سہیلیاں بڑی شد و مد سے جنگ دیکھ رہی تھیں اور ان کے دل اپنے بہادروں کی فتح کے لئے دعا کر رہے تھے۔

ڈاکوؤں کے دلوں میں جوش و خروش عروج پر تھا۔ وہ اپنے دو ساتھیوں کا بدلہ لینا چاہتے تھے مگر ان کے ایک اور جوان ساتھی نے ان کے سامنے جان دے دی۔ اچانک ڈاکوؤں کے حملوں میں

شدت آ گئی اور انہوں نے راجکماری کے ساتھیوں پر نعرہ مار کر حملہ کر دیا۔ ایک ایک کر کے راجکماری کے سب ساتھی مارے گئے اور اس کے رتھ بان بھی جنگ میں ختم ہو گئے۔ جب اس کا آخری محافظ بھی مارا گیا تو ڈاکوؤں نے راجکماری کو گھیر لیا اور ان کا سردار راجکماری کے پاس آیا اور اس سے مختلف سوال کرنے لگا۔ ابھی وہ سوال و جواب کر ہی رہا تھا اور راجکماری کی بجائے اس کی سہیلیاں ان کے جواب دے رہی تھیں کہ شمال کی جانب سے دھول اڑتی دکھائی دی۔ سب اس طرف متوجہ ہو گئے۔ دو گھوڑ سوار بہادران کے قریب آئے، ان کو دیکھتے ہی اچانک سردار کے منہ سے نکلا:

''ترک.................؟''

پھر چندر موہنی اور دوسری لڑکیوں کی زبان سے بھی یہی لفظ نکلا: ''ترک......''

دونوں ترک نوعمر تھے لیکن شجاعت و بہادری دونوں کے چہروں سے ٹپک رہی تھی۔ دونوں حسین و جمیل تھے۔ وہ ڈاکوؤں کے پاس آ کر رکے ان میں سے ایک نے ٹوٹی پھوٹی بھاشا میں کہا:

''یہ کیا معاملہ ہے، کیوں تم ان عورتوں کو پریشان کر رہے ہو؟''

بلبیر سنگھ کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے کہا:

''تمہیں ہمارے معاملے میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔''

دونوں ترکوں نے لاشوں کو دیکھا۔ پہلے ترک نے کہا:

''اوہو! جنگ بھی ہو چکی ہے، شاید ان لڑکیوں کے محافظ مارے جا چکے ہیں۔ (پھر بلبیر سنگھ سے مخاطب ہو کر) سنو!! ہم کمزوروں کی مدد کیا کرتے ہیں۔ یہ لڑکیاں کمزور ہیں، تم انہیں چھوڑ کر اپنی راہ لگو ورنہ تمہارے سر ٹھوکریں کھاتے پھریں گے۔''

بلبیر سنگھ کو غصہ آ گیا اس نے کہا:

''یہ ارمان ہے تو کیوں نہ تمہارے سر بھی کاٹ ڈالے جائیں!''

اس نے اپنے ساتھیوں کو حملہ کے لئے للکارا۔ ڈاکو سمٹ کر ایک طرف آ گئے اور حملہ کرنے کے لئے بڑھے۔ دونوں ترکوں نے بھی تلواریں اور ڈھالیں سنبھال لیں اور جوں ہی ڈاکوؤں نے حملہ کیا وہ بھی ان پر برس پڑے۔

ڈاکو سات تھے اور ترک صرف دو لیکن انہوں نے ایسی پھرتی اور ایسے جوش سے حملے کئے کہ ڈاکو حیران رہ گئے۔ انہوں نے ایک ایک ڈاکو کا سر اڑا دیا۔ اب پانچ ڈاکو باقی رہ گئے۔

بل بیر سنگھ نے نہایت جوش سے اس ترک پر حملہ کیا جو گفتگو کر رہا تھا۔ اس نے اس کا وار روک کر کاری وار کیا۔ بل بیر سنگھ کا بھنڈرا کھل گیا۔ اس کا ڈھاٹا دور جا گرا۔ چندر موہنی اور دوسری

لڑکیوں نے اسے پہچان لیا۔ وہ شوالہ کا پجاری تھا۔ فرطِ حیرت سے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

بل بیر سنگھ زمین پر گر پڑا۔ اس کے ساتھی بھاگنے لگے۔ ترکوں نے ان کا تعاقب کر کے ان میں سے دو کو اور مار ڈالا۔ باقی ڈاکو بھاگ گئے۔

اب ترک واپس لوٹ کر آئے چندر موہنی بھی آگے بڑھ آئی تھی۔ ترک نے اس سے پوچھا:

''تم لوگ کون ہو، کہاں جا رہے ہو؟''

چندر موہنی نے جواب دیا:

''ہم سومنات کی راجکماری ہیں۔ اپنے گرو دھرمپال کے پاس جا رہی تھیں کہ یہ ڈاکو مل گئے............ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔ آپ نے عین وقت پر آ کر ہماری مدد کی۔''

دھرمپال کا نام سن کر دونوں ترک چونک پڑے لیکن چندر موہنی نے یہ نہ دیکھا۔

ترک نے کہا: ''چلئے آپ کو دھرمپال کی کٹیا تک پہنچا دیا جائے۔''

چندر موہنی: ''لیکن یہ تو بتایئے آپ کون ہیں؟''

ترک: ''میں سلطان محمود غزنوی کے لشکر کا ایک سپاہی ہوں۔''

چندر موہنی کو بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے دریافت کیا: ''آپ یہاں کیسے آئے؟''

ترک: ''معاف کیجئے، یہ بات میں نہیں بتا سکتا۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ قدرت نے مجھے یہاں بھیج دیا۔''

چندر موہنی: ''لیکن آپ دھرمپال کی کٹیا کیسے جانتے ہیں؟''

ترک: ''وہ ایک مشہور سادھو ہیں انہیں کون نہیں جانتا۔ باتوں میں وقت ضائع نہ کیجئے رتھوں میں سوار ہو لیجئے اور چلئے۔''

چندر موہنی کو بڑی حیرت اور الجھن ہو رہی تھی۔ وہ پوچھنا تو بہت کچھ چاہتی تھی لیکن ترک کے انقطاعی جواب سے سمجھ گئی کہ وہ کچھ زیادہ بتانا نہیں چاہتا اور رتھ میں جا بیٹھی۔ کنیزیں بھی بیٹھ گئیں۔ دونوں ترکوں نے وہ مشعلیں لے لیں اور رتھوں کو لے کر روانہ ہوئے۔

باب ۳

حیرت در حیرت

دھرمپال جنگل کے بیچ میں ایک گفا میں رہتے تھے لیکن جس جگہ یہ گفا یا کٹیا تھی اس کے چاروں طرف دور تک درختوں کی وہ کثرت نہ تھی جو اور جگہ تھی۔ کہیں کہیں دو دو چار چار درخت کھڑے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جنگلات کو کاٹ کر صاف کیا گیا تھا۔ گفا سے کچھ فاصلے پر شفاف پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا جو شمال سے جنوب کو بہتا تھا۔

کافی رات گئے راجکماری کی سواری گفا پر پہنچی۔ دھرمپال کو راجکماری کے اچانک آ جانے پر بڑی حیرت ہوئی۔ انہوں نے نہایت تپاک سے اس کا خیر مقدم کیا۔

گفا میں دھرمپال تنہا نہ رہتے تھے بلکہ پندرہ بیس اور سادھو بھی رہتے تھے جو یا تو ان کے عقیدت کش تھے یا چیلے تھے۔

گفا تو ایک ہی تھی اور اس میں دھرمپال رہتے تھے لیکن اس کے اِدھر اُدھر خس پوش مکانوں کا سلسلہ دور تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ ان میں سے بعض میں سادھو رہتے تھے اور بعض مہمانوں کے لئے خالی تھے مگر صاف ستھرے پڑے رہتے تھے۔

راجکماری کے ساتھ دو ترکوں کو دیکھ کر تمام سادھو اور خود دھرمپال نہایت حیران ہوئے۔ ان کا ارادہ ہوا کہ وہ ترکوں کو اسی وقت رخصت کر دیں لیکن راجکماری نے ڈاکوؤں کے حملہ کرنے اور دونوں کے عین وقت پر آ کر انہیں بچانے کی مفصل داستان سنائی، جس کا یہ اثر ہوا کہ دھرمپال انہیں مہمان رکھنے پر آمادہ ہو گئے۔

چونکہ رات زیادہ آ گئی تھی اس لئے سب کھانا کھا کر سو رہے۔ صبح سویرے اٹھ کر دونوں ترکوں نے وضو کیا۔ ایک نے اذان دینی شروع کی۔

ہندوؤں نے کبھی اذان کی آواز کاہے کو سنی تھی؟ نہایت حیران ہوئے۔ چندر موہنی اور اس

کی سہیلیوں اور کنیزوں کی بھی آنکھ کھل گئی۔ انہوں بھی نہایت حیرت اور دلچسپی سے سنا بلکہ چندر موہنی تو اٹھ کر باہر نکل آئی۔ اس نے دیکھا دھرمپال بھی گفا سے باہر کھڑے ہوئے ہیں۔ چندر موہنی نے پوچھا:

''گرو جی مہاراج، یہ کیسی آواز ہے؟''

دھرمپال نے جواب دیا:

''بیٹی!! یہ دونوں ترک مسلمان اپنے طریقہ پر عبادت کر رہے ہیں۔''

چندر موہنی: ''کیسی دلکش آواز ہے اور کیسے دل کش الفاظ ہیں جو یہ ادا کر رہے ہیں۔ کس زبان کے الفاظ ہیں یہ؟''

دھرمپال: ''بیٹی!! یہ عربی زبان کے الفاظ ہیں۔ عربی نہایت شیریں زبان ہے۔ کیا تو سننا چاہتی ہے کہ کیا کہہ رہا ہے؟''

چندر موہنی: ''ہاں، اگر آپ سمجھتے ہیں تو ضرور سنایئے۔''

دھرمپال: ''میں عربی اور ترکی زبانیں خوب جانتا ہوں بیٹی!! اس نے کہا ہے:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے۔''

چندر موہنی: ''اور وہ اللہ کہاں ہے؟''

دھرمپال: ''مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے۔ آسمانوں پر بھی، زمین پر بھی اور سیاروں میں بھی۔ مسلمان کہتے ہیں کہ ان کے نبی پر اللہ تعالیٰ کا کلام نازل ہوا ہے۔ جسے وہ قرآن مجید کہتے ہیں۔ قرآن شریف کی سب سے پہلی سورۃ میں لکھا ہے:

''یعنی تمام تعریفیں اسے سزاوار ہیں جو عالموں یعنی دنیاؤں کا رب ہے۔ وہ بڑا مہربان ہے اور نہایت رحم والا ہے۔''

چندر موہنی: ''بڑا ہی اچھا کلام ہے یہ تو۔''

دھرمپال: ''مسلمانوں کے پاس یہ کلام ہی ایسا جادو ہے جس سے وہ دوسروں کو مسلمان بنا لیتے ہیں۔ اچھا میں بھی پوجا کروں گا بیٹی!!''

دھرمپال چلے گئے، چندر موہنی بھی چلی گئی۔ دونوں ترکوں نے نماز پڑھی اور قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔

جب سورج نکل آیا تو چندر موہنی دھرمپال کی گفا میں داخل ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ دونوں ترک آہستہ آہستہ دھرمپال سے گفتگو میں مشغول ہیں اور کسی ایسی زبان میں گفتگو کر رہے ہیں جسے اس نے کبھی نہ سنا تھا اور جس کا ایک لفظ بھی اس کی سمجھ میں نہ آیا۔

چندر موہنی کو دیکھتے ہی انہوں نے گفتگو بند کر دی۔ دونوں ترک اٹھ کر چلے گئے۔ دھرمپال نے کہا: ''آؤ بیٹی!!''

چندر موہنی بڑھ کر ان کے پاس جا بیٹھی۔ گفا نہایت وسیع تھی۔ اس میں کثرت سے روشن دان تھے کہ ہوا اور روشنی خوب آتی تھی اور گفا کا چپہ چپہ روشن رہتا تھا۔

دھرمپال نے کہا:

''یہ ترک اگرچہ غازی محمود کے لشکر کے سپاہی ہیں لیکن ہندوستان میں سیاحت کرتے پھر رہے ہیں۔ اس وقت انہوں نے لشکر سے اپنا تعلق علیحدہ کر لیا ہے۔ بتاؤ تم کیسے آئی ہو بیٹی؟''

چندر موہنی: ''مجھے بہت کچھ کہنا ہے۔ میں بہت پریشان ہوں۔ اطمینانِ قلب اور سکونِ دل حاصل کرتے آپ کے پاس آئی ہوں۔''

دھرمپال: ''میں نے رات ہی تمہارا چہرہ دیکھ کر اندازہ کر لیا تھا کہ تم بہت زیادہ غمگین اور بہت زیادہ بے چین ہو۔ مجھے خیال ہوا تھا کہ شاید ڈاکوؤں کے حملہ کا یہ اثر ہے لیکن اب معلوم ہوا کہ کوئی خاص بات ہے۔ کہہ ڈالو جو تمہیں کہنا ہے۔''

چندر موہنی: ''میں پوچھتی ہوں کیا میں راجکماری نہیں ہوں؟''

دھرمپال چونک پڑے۔ انہوں نے کہا:

''تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟''

چندر موہنی: ''آپ شو بھا دیوی جوگن کو جانتے ہیں؟''

دھرمپال: ''اسی لئے وہ متھرا جی چلی گئی ہے۔ اس نے بڑی حماقت کی۔''

چندر موہنی نے مغموم ہو کر پوچھا:

''تو کیا یہ سچ ہے گرو جی مہاراج!! کیا میں حقیقت میں راجکماری نہیں ہوں؟''

دھرمپال: ''میں جھوٹ نہ بولوں گا۔ بیٹی!! یہ سچ ہے۔ لیکن تم فکر و اندیشہ نہ کرو تم راجکماری ہو اور راجکماری ہی ہو گی۔''

چندر موہنی: ''یہ بات مہاراجہ اور مہارانی کو بھی معلوم ہے؟''

دھرمپال: ''ہاں، معلوم ہے لیکن وہ تمہیں اپنی بیٹی سے زیادہ چاہتے ہیں۔''

چندر موہنی: ''مہاراج!! پھر میں کس کی بیٹی ہوں؟ میرے والدین کون ہیں؟ کہاں رہتے ہیں؟''

دھرمپال کچھ افسردہ ہو گیا۔ اس نے غمگین نگاہوں سے چندر موہنی کو دیکھ کر کہا:

''ممکن ہے یہ باتیں تمہیں ایک دن از خود معلوم ہو جائیں۔''

چندر موہنی: ''لیکن کیا آپ میرے والدین کو جانتے ہیں؟''

دھرمپال: ''ہاں جانتا ہوں مگر بتا نہیں سکتا۔ میرے ہونٹوں پر مہر لگی ہوئی ہے۔''

چندر موہنی نے پیکرِ عجز و نیاز بن کر کہا: ''بتا دیجئے...... گرو جی مہاراج بتا دیجئے۔ مجھے اپنے والدین کے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہو گیا ہے۔''

دھرمپال: ''صبر کرو، بیٹی صبر کرو۔ وہ وقت بہت قریب آ گیا ہے جب تم اپنے والدین کو جان جاؤ گی۔ وہ تمہیں اپنی آغوش میں لیں گے اور تم اپنی ماں کی گود کا سکون حاصل کرو گی۔ تمہاری زندگی کے راز سے جو پردہ اٹھے گا۔ وہ دنیا جہاں کو حیرت میں ڈال دے گا۔''

چندر موہنی نہایت حیران ہو رہی تھی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا۔ دھرمپال نے کہا:

''میں تمہارا گرو ہوں، میرے حکم کی تعمیل تمہارا فرض ہے۔ میں حکم دیتا ہوں تم چند روز خاموش رہو۔ تم یہی سمجھو کہ تم راجکماری ہو۔ کسی پر یہ ظاہر نہ ہونے دو کہ تمہیں یہ بات معلوم ہو گئی ہے کہ تم راجکماری نہیں ہو۔''

چندر موہنی: ''میں اس حکم کی تعمیل کروں گی لیکن ایک اور مصیبت مجھ پر نازل ہونے والی ہے!!''

دھرمپال: ''وہ کیا بیٹی!!؟''

چندر موہنی: ''کیا آپ نے نہیں سنا میری شادی کے متعلق؟''

دھرمپال: ''سنا ہے لیکن یہ شادی ہرگز نہ ہو گی۔ کبھی نہیں ہو سکتی۔''

دھرمپال کو کچھ جوش آ گیا تھا۔ چندر موہنی دیکھ کر حیران رہ گئی۔ کچھ وقفہ کے بعد اس نے کہا:

''مگر تمام تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں!''

دھرمپال: ''ہو لینے دو۔ دھرمپال کی بات ٹالنے کی مہاراج جرأت نہیں کر سکتے۔ میں دو چار روز ہی میں ان کے پاس جاؤں گا اور یہ شادی رک جائے گی۔ تم اطمینان رکھو۔''

چندر موہنی: ''اب مجھے اطمینان ہو گیا۔ اچھا اب واپس جانے کی آ گیا (اجازت) دیجئے۔''

دھرمپال: ''آج نہیں کل جانا۔''

بہت اچھا، کہہ کر چندر موہنی گفا سے نکل آئی۔ اس وقت اس کے چہرہ سے اطمینان اور سکون ظاہر ہو رہا تھا۔ اداسی اور غمگینی کے جو بادل اس کے رخِ روشن پر امنڈ آئے تھے وہ چھٹ گئے تھے اور اب اس کا چاند سا چہرہ پھر جگمگانے لگا تھا۔

خوشی اور اطمینانِ قلب ایسی چیزیں ہیں جن کا اثر چہرہ کو خوبصورت بنا دیا کرتا ہے۔ شام کے وقت چندر موہنی تنہا چشمہ کے کنارہ کنارہ تفریح کرتی چلی جا رہی تھی کہ اس نے ایک ترک کو نرم نرم گھاس

پرلبِ ساحل بیٹھے دیکھا۔

یہ وہی ترک تھا جو اس ملک کی زبان جانتا تھا۔ چندرموہنی کو دیکھتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ راجکماری نے اسے غور سے دیکھا اور شرما کر کھڑی ہوگئی۔ ترک نے کہا:

''راجکماری!! کیا میں آپ کا نام معلوم کرنے کی جرأت کرسکتا ہوں؟''

چندرموہنی نے ہوشربا نگاہیں اٹھا کر ترک کو دیکھتے ہوئے شرمیلے لہجہ میں کہا:

''میرا نام چندرموہنی ہے۔''

ترک: ''کیسا پیارا نام ہے۔''

چندرموہنی اور بھی شرما گئی۔ اس نے پوچھا: ''آپ کا نام کیا ہے؟''

ترک: ''مجھے ہارون کہتے ہیں۔''

چندرموہنی: ''آپ سیاحت کرنے کی غرض سے آئے ہیں؟''

ہارون: ''ہندوستان واقعی ایسا ملک ہے کہ اس کی سیاحت کی جائے۔''

چندرموہنی: ''آپ سومنات جی چلئے۔ وہاں کی بھی سیاحت کیجئے۔''

ہارون: ''ممکن ہے کسی وقت سومنات جی بھی آسکوں۔ اس وقت مجھے واپس جانا ہے۔ غازی سلطان محمود ہندوستان میں پھر آرہے ہیں۔ ان کی خدمت میں حاضر ہونا ہے۔''

چندرموہنی: ''اب ان کا کس ملک پر حملہ کرنے کا ارادہ ہے؟''

ہارون: ''اسے وہی خوب جانتے ہیں۔''

چندرموہنی: ''آپ نے ہم پر احسان کیا ہے، ہم آپ کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔''

ہارون: ''کسی کی مدد کرنے کو احسان کرنا نہیں کہتے۔ آپ کتنے روز اور قیام کریں گی؟''

چندرموہنی: ''میرا اِرادہ تو آج ہی واپس جانے کا تھا لیکن گرو جی مہاراج نے روک لیا۔ آپ یہاں کب تک رہیں گے؟''

اس وقت دھرمپال آگئے، انہوں نے خوش ہوکر کہا:

''اوہ ہو دونوں مہمان باتیں کررہے ہیں، بڑی خوشی کی بات ہے۔ راجکماری!!! ابھی مہاراج کا قاصد آیا ہے انہوں نے مجھے طلب کیا ہے، صبح تمہارے ساتھ میں بھی چلوں گا۔''

چندرموہنی نے خوش ہوکر کہا: ''بڑا اچھا ہوا یہ تو!''

اب یہ تینوں باتیں کرنے لگے اور دوسرے روز صبح ہی چندرموہنی اور دھرمپال سومنات کی طرف اور ہارون اپنے ساتھی کے ساتھ اجمیر شریف کی جانب روانہ ہوگئے۔

مشورہ:

سومنات میں گھر گھر ہل چل مچی ہوئی تھی۔ ہر شخص کی زبان پر غازی سلطان محمود کا نام تھا۔ سب یہی کہتے تھے کہ اس مرتبہ یہ بجلی سومنات پر ہی ٹوٹ کر گرنے والی ہے۔ برہمن خائف تھے اور عام شہری سہمے ہوئے تھے۔

ہم ۴۱۵ھ/۱۰۲۴ء کے واقعات قلم بند کر رہے ہیں۔ اس زمانہ میں غازی سلطان محمود کا ہندوستان پر سولہواں حملہ تھا۔

غازی سلطان محمود امیر سبکتگین کا بیٹا تھا جو نہایت بہادر، بڑے نڈر اور جنگجو تھے۔ ان کے عہد میں پشاور میں راجہ جے پال کی حکومت تھی اور راجہ کا دارالسلطنت لاہور تھا۔ یہ راجہ غازی سلطان محمود کے باپ امیر سبکتگین سے کئی لڑائیاں لڑ چکا تھا اور ہر لڑائی میں شکست کھائی تھی۔

جب امیر سبکتگین کا انتقال ہوا اور غازی سلطان محمود سریر آرائے تخت سلطنت ہوئے تو جے پال نے انہیں نوعمر اور ناتجربہ کار سمجھ کر ہاتھ پاؤں نکالے اور سرکشی کی۔ سلطان محمود نے اس کی سرکوبی کے لئے ۳۹۱ھ/۱۰۰۱ء میں اس پر حملہ کیا۔

ہندوستان کے بہت سے راجاؤں نے جے پال کی مدد کی لیکن ہندوؤں کو شکست ہوئی۔ ہندوستان پر غازی سلطان محمود کے حملہ کرنے کی بنائے مخاصمت یہی تھی۔

اس لڑائی کے بعد سلطان محمود نے ان راجاؤں پر انتقامانہ حملے کئے جنہوں نے راجہ جے پال کو مدد دی تھی اور چونکہ ہر لڑائی میں راجہ ایک دوسرے کی مدد کرتے رہے اس لئے سلطان محمود ہر مددگار راجہ پر یکے بعد دیگرے یورشیں کر کے ان کی تادیب کرتے رہے۔

یہ بات کہ سلطان محمود نے ہندوستان پر لوٹ مار کی غرض سے حملے کئے قطعی غلط اور بالکل جھوٹ ہے۔ عیسائی مؤرخوں نے اس جھوٹ کو فروغ دیا ہے اور ہندو، جن کی اپنی کوئی تاریخ نہیں ہے من گھڑت واقعات بیان کر کے مسلمانوں پر غلط الزام لگاتے ہیں۔

دراصل اس زمانہ کے اکثر راجہ نہایت مکار اور جھوٹے تھے۔ جب ان پر زد پڑتی تھی اور وہ زچ ہو جاتے تھے تو طرح طرح کے قول و قرار کر لیتے تھے لیکن جب مسلمان واپس چلے جاتے تھے تو تمام عہد و اقرار سے پھر جاتے تھے۔

راجہ جے پال نے کئی مرتبہ مسلمانوں سے شکست کھائی۔ خراج دینے اور مسلمانوں پر ظلم و ستم نہ کرنے کا ہر مرتبہ اقرار کیا لیکن مسلمانوں کے منہ پھیرتے ہی بدعہدی کرنے لگتا تھا۔

مسلمانوں نے کبھی اس کے ملک پر قبضہ کرنے کا خیال نہ کیا۔ ہر مرتبہ اس پر حملہ کیا اور اس کے قول وقسم پر اعتبار کر کے اس کا ملک اس کے قبضہ میں چھوڑ کر چلے گئے۔

یہی حال دوسرے راجاؤں کا تھا۔ ان بدسرشت اور بدعہد راجاؤں کو تنبیہ کرنے کے لئے غازی سلطان محمود کو ہندوستان پر بار بار حملے کرنے پڑے۔ انہوں نے سترہ حملے کئے اور ہر حملے میں فتح یاب ہوئے۔ مشرق میں قنوج تک اور جنوب میں گجرات تک ہندوستان کو کھونڈ ڈالا۔ جس راجہ پر حملہ کیا اسے زیر کر کے ہی چھوڑا۔

لیکن سلطان محمود نے ہندوستان پر مستقل سلطنت کرنے کا کبھی ارادہ نہیں کیا۔ شہروں پر شہر اور قلعوں پر قلعے فتح کر کے ان کے مالکان ہی کو واپس کر دیئے۔

الغرض ۴۱۵ھ میں سلطان محمود کا سولہواں حملہ تھا اور یہ وہ حملہ تھا جس نے سلطان محمود کو دنیا بھر میں مشہور کر دیا اور ان کا یہی ایک کارنامہ ان کے بقائے نام کا باعث بنا ہوا ہے جسے مسلمانوں کا بچہ بچہ بھی جانتا ہے۔

سومنات والے خوف ودہشت سے لرز رہے تھے اور ان راجاؤں کو گالیاں دے رہے تھے جنہوں نے اپنی کمینی حرکتوں سے سلطان محمود کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی تھی۔

سومنات کا متولی یعنی مہاراجہ بھی کچھ کم خائف نہ تھا۔ اس نے آنے والے طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے دربارِ خاص میں مشورہ کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔ دھرمپال کو اس دربار کی شرکت کے لئے ہی طلب کیا گیا تھا۔

دربار منعقد ہوا۔ وزیر، مشیر، امیر اور سومنات کا مہا پجاری سب آکر درجہ بدرجہ بیٹھ گئے۔ دھرمپال بھی آ گئے۔ اب مہاراجہ نے درباریوں کی طرف دیکھا۔

مہاراجہ ادھیڑ عمر کا قوی الجثہ بہادر شخص تھا۔ وہ صرف ایک ریشمی دھوتی کئے ہوئے تھا۔ اس نے بے شمار ہیرے جواہرات کے بڑے چھوٹے ہار پہن رکھے تھے۔ چاندی کے دستانے کہنیوں تک چڑھا رکھے تھے۔ جن میں سونے اور جواہرات سے پچی کاری کی گئی تھی۔ بازوؤں پر سونے کے بازوبند باندھ رکھے تھے جن میں جواہرات جڑے ہوئے تھے اور سر پر سونے کا تاج تھا۔

مہاراجہ نے کہا:

”آپ نے سن لیا ہوگا کہ سلطان محمود آندھی اور طوفان کی طرح بڑھا چلا آ رہا ہے۔ اگرچہ یہ کوئی نہیں جانتا کہ اس کا ارادہ کس ملک اور کس شہر پر حملہ کرنے کا ہے مگر جاسوسوں کی اطلاعات سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید اس کا طوفان سومنات پر ہی آ کر ٹوٹے۔ اگر اس نے اس مقدس مقام پر حملہ کیا تو

مسلمانوں کے نجس قدموں سے یہ پوتر استھان (مقدس جگہ) ناپاک ہو جائے گا اور نہیں کہا جا سکتا کہ انجام کیا ہو۔ عقل مند وہی ہے جو مصیبت یا بلا نازل ہونے سے پہلے اس کے دفعیہ کی تدبیر سوچ لے۔ اس لئے آپ مشورہ دیں کہ سومنات کو بچانے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔''

وزیر نے کہا:

''چونکہ سومنات کی عزت و عظمت ہندوستان کے ہر راجہ کے دل میں ہے اس لئے وہ خود اس مقدس مقام کو بچانے کے لئے چڑھ دوڑیں گے اور اس قدر لشکر یہاں جمع ہو جائے گا کہ سلطان محمود کو حملہ کرنے کا حوصلہ ہی نہ ہوگا اور اگر اس نے اپنی طاقت کے زعم میں یا پہلی فتوحات کے بل پر ہم پر حملہ کر بھی دیا تو اس کے لشکر کے ٹکڑے اڑا دیئے جائیں گے اور اس سے تمام شکستوں کا انتقام لے لیا جائے گا۔''

مہا پجاری بولے:

''میں کہتا ہوں ہمیں فکر و اندیشہ ہی نہ کرنا چاہیے، سومنات جی اور دیوتاؤں کی طرح نہیں ہیں۔ اس پاک سرزمین میں مسلمانوں کے قدم رکھتے ہی وہ غضب ناک ہو کر انہیں بھسم کر ڈالیں گے۔ ہمیں ان کی قوت پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ کیا وہ اپنے پجاریوں کو ذلیل و خوار ہونے دیں گے۔ کیا سومنات کا خوبصورت شہر اور مضبوط قلعہ دشمنوں کے قبضہ میں جانے دیں گے۔ اطمینان رکھئے ہرگز ایسا نہ ہوگا۔ جوں ہی مسلمانوں نے اس طرف رخ کیا اُدھر ان پر دیوتا کا قہر و غضب ٹوٹا۔''

اس وقت چند پجاری داخل ہوئے اور انہوں نے کہا:

''مہاراج، آج ابھی تک گنگا جل نہیں آیا اور سومنات جی کو اشنان نہیں کرایا جا سکا۔ برہمن اس وقت بنا اَن جل (کھانا، پانی) کے بیٹھے ہیں۔''

اگرچہ سومنات سے گنگا چھ سو کوس کے فاصلہ پر تھی لیکن انتظام ایسا کیا گیا تھا کہ روزانہ گنگا جل آتا تھا اور اس سے سومنات کے بت کو روزانہ غسل دیا جاتا تھا۔

سومنات میں دو ہزار پنڈت یا پجاری تھے اور یہ پنڈت اس وقت کھانا کھاتے تھے جب سومنات کو غسل دیا جا چکتا تھا۔

مہا پجاری نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا:

''اب تک گنگا جل نہیں آیا اور اس وقت تک سومنات جی کو غسل نہیں دیا گیا؟ کیوں ایسا ہوا۔ یہ تو بڑی بدشگونی ہے۔''

مہاراجہ: ''افسوس پنڈت ابھی تک بھوکے بیٹھے ہیں۔ گنگا جل آنے میں دیر کیوں ہوئی؟ پہلے تو ایسا

کبھی نہیں ہوا۔''

مہاپجاری: ''ہاں پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا دن چھپنے سے پہلے ہی جل آجاتا تھا۔ اس کی تحقیقات ہونی چاہیے۔ ضرور اس میں کسی کی شرارت ہے، کسی بدسرشت راجہ کی۔''

سومنات کو غسل رات کے وقت دیا جاتا تھا۔ یہ دربار بھی رات ہی کو ہوا تھا۔

اس وقت پھر چند پنڈے آئے، انہوں نے کہا:

''ان داتا جل آگیا ہے اور دیوتا سومنات جی کو غسل دیا جانا شروع ہو گیا ہے۔''

مہاراجہ: ''لیکن جل آنے میں دیر کیوں ہوئی؟''

پنڈے: ''ان داتا جل لانے والوں پر ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا تھا لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ بزرگ دیوتا سومنات جی کے غسل کے لئے گنگا جل لے جا رہے ہیں تب انہوں نے راستہ دیا اور جل والے جل لے کر آئے۔''

مہاراجہ نے بگڑ کر کہا:

''ان بدبخت ڈاکوؤں کو سزا دینا ضروری ہے لیکن ابھی نہیں۔ پہلے سلطان محمود کو دیکھ لیں کہ وہ کس ملک پر حملہ کرتا ہے۔ دھرمپال جی آپ کیوں خاموش ہیں؟ آپ کیوں کچھ نہیں بولتے؟''

دھرمپال نے کہا:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ سلطان محمود کا قصد سومنات پر ہی حملہ کرنے کا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ ہمیں دفعیہ کے لئے کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔''

دھرمپال کی گفتگو سن کر تمام لوگ چونک پڑے۔ مہاراجہ بھی حیران ہوئے، انہوں نے پوچھا:

''آپ کو اس کی تصدیق کیسے ہوئی؟''

دھرمپال نے جواب دیا: ''میرے پاس دو ترک آئے تھے۔ وہ دونوں سلطان محمود کے لشکر سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ سلطان محمود سومنات پر حملہ آور ہو رہا ہے۔''

مہاراجہ: ''لیکن آپ نے انہیں گرفتار کیوں نہ کر لیا؟''

دھرمپال: ''میں انہیں اس لئے گرفتار نہ کر سکا کہ انہوں نے مہاراجہ اور سومنات کی ساری رعایا پر ایک زبردست احسان کیا تھا۔ وہ احسان یہ تھا کہ راجکماری پر ڈاکوؤں نے حملہ کیا۔ راجکماری کے محافظ یا تو مارے گئے یا بھاگ گئے۔ ان دونوں نوجوانوں نے ڈاکوؤں کو شکست دی اور راجکماری کو ان کے چنگل سے چھڑایا۔''

مہاراجہ: ''لیکن ڈاکوؤں کو یہ جرأت کیسے ہوئی کہ انہوں نے راجکماری پر ہاتھ ڈالا؟''

دھرمپال: ''وہ کوئی پیشہ ور ڈاکو نہ تھے بلکہ جنگل کے قریب جو شوالہ ہے اسکے پجاری اور پنڈے تھے۔''

اس بات کو سن کر تمام درباری نہایت حیران اور غضب ناک ہوئے۔ مہاراجہ کو بھی بڑا طیش آیا۔ انہوں نے کہا:

''ان کم بختوں کو سرِ بازار قتل کیا جائے گا۔''

دھرمپال: ''اب ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں ہے۔ سب مارے جا چکے ہیں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ سلطان محمود کا مقابلہ کرنے کیلئے ہمیں پوری تیاریاں کرنی چاہئیں۔ تمام راجاؤں کو اطلاع کر دینی چاہیے کہ وہ اس مقدس مقام کو بچانے کے لئے زیادہ سے زیادہ لشکر لے کر آئیں۔''

مہاراجہ: ''نہایت مناسب بات کہی آپ نے۔ اسی وقت دعوت نامے لکھے جائیں۔''

چنانچہ دعوت نامے لکھے گئے اور اسی وقت قاصدوں کے حوالے کر کے انہیں روانہ کر دیا گیا۔ مہاراجہ نے حکم دیا کہ فوجیں فصیلوں پر چڑھا دی جائیں اور ہر وقت قلعہ کی حفاظت و نگرانی کرتے رہیں۔ جب یہ احکام صادر ہو چکے تب دھرمپال نے مہاراجہ کے پاس جا کر سرگوشی کے لہجہ میں کہا:

''ان داتا جب تک اس جنگ کا تصفیہ نہ ہو جائے اس وقت تک راجکماری کی شادی ملتوی رکھئے۔''

مہاراجہ: ''ملتوی تو رکھنی ہی پڑے گی کیونکہ اس ہنگامہ میں شادی کا انتظام نہیں ہو سکتا۔''

اس کے بعد دربار برخاست ہو گیا اور تمام درباری اور راجہ اٹھ اٹھ کر چلے گئے۔

اُدھر دونوں ترک سوار ملتان کے نزدیک آ چکے تھے۔ یہاں پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ غازی سلطان محمود کا لشکر ایک دو روز میں ملتان آنے والا ہے۔ چونکہ انہوں نے لمبا سفر طے کیا تھا اس لئے تھک گئے تھے۔ دونوں ملتان میں ہی ٹھہر گئے اور تھکان دور کرنے لگے۔

۱۵، اُکتوبر ۱۰۲۴ء کو سلطانی لشکر ملتان میں آ گیا۔ تقریباً پچیس ہزار سوار و پیادے تھے۔ جس میدان میں یہ لشکر فروکش ہوا وہ نہایت وسیع تھا لیکن اس لشکر سے تمام میدان ڈھک گیا۔ ایک روز صبح کی نماز پڑھتے ہی ہارون خیمہ سُلطان محمود پر حاضر ہوا اور باریابی کی اجازت چاہی۔ خدا جانے ان کے نام میں کیا اثر تھا کہ سلطان محمود نے انہیں فوراً طلب کر لیا۔ ہارون داخل ہوا اور انہوں نے نہایت ادب سے سلطان محمود کو سلام کیا۔

جس خیمہ میں سلطان محمود بیٹھے تھے نہایت کشادہ اور شاندار تھا۔ قالینوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔ اس میں ایک طرف ہندوستان کے نقشے لٹک رہے تھے اور دوسری طرف ہتھیار آویزاں تھے۔

اگرچہ سلطان محمود بزرگ تھے اور ان کی عمر ستاون سال کے قریب تھی لیکن ان کے قویٰ

نہایت مضبوط تھے۔ چہرہ سے جلال و جوانمردی کے آثار ظاہر تھے۔ چونکہ وہ اس عمر میں بھی ورزش کرتے رہتے تھے اس لئے جسم ڈھیلا نہیں ہونے پایا تھا بلکہ کٹھیلا تھا۔ جھریوں کا نشان بھی نہ تھا بلکہ سلطان محمود کے جسم اور چہرہ کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ان کی عمر پینتالیس سال سے زیادہ ہے۔

ان کی داڑھی لمبی اور سفید تھی۔ پیشانی سے اقبال مندی اور آنکھوں سے ذہانت ٹپک رہی تھی۔ اس وقت سلطان محمود کے پاس التونتاش سالار اعظم اور امیر علی خویشاوند سپہ سالار بیٹھے تھے۔

ہارون کو دیکھتے ہی سلطان محمود نے مسکرا کر کہا:

''آ گئے تم فرزند ہارون۔''

ہارون نے ادب سے جواب دیا: ''عالم پناہ میں حاضر ہو گیا ہوں۔''

سلطان محمود: ''بیٹھ جاؤ۔ کیا تم دھرمپال سے ملے تھے؟''

ہارون ایک طرف بیٹھ گئے۔

انہوں نے جواب دیا:

''اعلیٰ حضرت کے اقبال سے میں ان سے ملا، شاہی مراسلہ انہیں دے دیا گیا۔''

سلطان محمود: ''اور انہوں نے کوئی جواب دیا؟

ہارون: ''جی ہاں!''

ہارون نے ایک حریطہ پیش کیا۔ التونتاش نے حریطہ کھول کر خط نکالا۔ سلطان نے اسے پڑھا اور مسکرائے۔ انہوں نے کہا:

''ہندوؤں کو سومنات سے بڑی عقیدت ہے۔ شاید ہندوستان کے تمام راجہ مقابلہ پر آ جائیں۔''

التونتاش: ''تب تو بڑے اندیشہ اور فکر کی بات ہے۔''

سلطان محمود نے جوش میں آ کر کہا:

''کیا فکر اور کیا اندیشہ؟ کیا پشاور کی مہم میں (۱) جے پال کا ساتھ راجاؤں نے نہ دیا تھا۔ کیا بھٹنیر میں راجہ بجے رائے کی دوسرے راجاؤں نے مدد نہ کی تھی۔ کیا نگر کوٹ میں انند پال کا ساتھ نہ دیا گیا تھا۔ بنسیر میں کچھ راجہ جمع ہوئے تھے۔ متھرا میں راجہ کل چند کی مدد کتنے راجاؤں نے کی تھی۔ قنوج کے راجہ کالنجر کی مدد کو کتنے راجہ آئے تھے۔ کیا خدا نے ہر مہم میں ہماری مدد نہیں کی۔ کیا ہم ہر حملہ میں فتح

۱۔ از تاریخ فرشتہ جلد اول ۳۹۱ھ میں ہندوستان پر دوسرا حملہ تھا۔

یاب نہیں ہوئے؟ یاد رکھو! فتح طاقت اور لشکر کی کثرت پر منحصر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر مبنی ہے۔ میں نے کبھی کسی مہم میں اپنے لشکر پر بھروسہ نہیں کیا۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی مدد پر نظر رکھی اور اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی۔ اب بھی اس کی اعانت کے بھروسہ پر آیا ہوں۔ یہ میرا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آخری وقت میں ذلیل و رسوا نہ کرے گا کہ میں اسلام کا علم بردار ہوں۔ اسلام کا ادنیٰ اور سچا خادم ہوں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا فرمانبردار اور اطاعت گزار ہوں۔ وہ ضرور میری مدد کرے گا اور میں دشمنوں پر فتح یاب ہوں گا۔''

امیر علی: ''انشاء اللہ۔ انشاء اللہ!''

التونتاش: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر مہم میں جہاں پناہ کی مدد کی ہے اور یقینِ کامل ہے وہ اب بھی مدد کرے گا۔ میرا اندیشہ دور اندیشی کی وجہ سے تھا۔''

سلطان محمود: ''سپاہی کو دور اندیشی سے کیا مطلب؟ مجاہد کا کام جہاد کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم میں جہاد ہی کے لئے ہندوستان پر حملے کرتا رہا ہوں، مالِ غنیمت کا تو مجھے کبھی خیال ہی نہیں ہوا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتح بھی دی اور مالِ غنیمت بھی عطا کیا۔''

ہارون: ''اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو سومنات بھی فتح ہوگا اور یہ فتح ہندوستان میں اسلام کا جھنڈا گاڑ دے گی۔ مسلمانوں کا رعب ہندوؤں کے دلوں پر بیٹھ جائے گا اور سلطان محمود کو وہ شہرت حاصل ہوگی جو آج تک کسی سلطان کو نصیب نہیں ہوئی۔''

التونتاش: ''اللہ تعالیٰ تیری زبان مبارک کرے۔''

سلطان محمود: ''ہارون!! کیا یہ سچ ہے کہ راستہ دشوار گزار ہے؟''

ہارون: ''میں خود اس راستہ سے گیا اور آیا ہوں۔ نہایت کٹھن راستہ ہے۔ ملتان سے اجمیر شریف تک تین سو پچاس میل لق و دق میدان ہے۔ اس میدان میں پانی کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ گرمی اس قدر پڑتی ہے کہ انسان تو انسان جانور تک بوکھلا جاتے ہیں۔ پانی کی قلت، چارہ کی گرانی اور جنسوں کی کمیابی جانوروں اور انسانوں کی ہلاکت کا باعث بن جاتی ہے۔''

سلطان محمود: ''فرزند!! تو نے خوب کیا کہ مجھے یہ باتیں پہلے ہی سے بتا دیں۔ ۳۵۰ میل لق و دق میدان ہے۔ اگر بیس میل روزانہ کے حساب سے سفر کیا جائے تو تقریباً ۱۸ دن میں یہ میدان طے ہو سکتا ہے۔ گویا بیس دن کا کھانا اور پانی لشکر کو لے لینا چاہیے۔''

التونتاش: ''مگر جہاں پناہ لشکر کے پاس اتنی سواریاں نہیں ہیں کہ وہ اتنے دنوں کا کھانا اور پانی ساتھ لے سکے۔''

سلطان محمود: ''میں جانتا ہوں۔ اچھا تم یہ بتاؤ کہ بار برداری کے اونٹ کتنے ہیں؟''

التونتاش: ''بیس ہزار اونٹ ہیں۔''

سلطان محمود: ''تھوڑے ہیں، کم سے کم دس ہزار اونٹ اور فراہم کرو۔''

التونتاش: ''اتنے اونٹ ملتان میں ملنے مشکل ہیں۔''

سلطان محمود: ''کوشش کرو کچھ.............دوسرے مقامات سے مہیا کیے جائیں۔''

امیر علی: ''پانچ ہزار اونٹ فراہم کر دینے کا تو میں وعدہ کرتا ہوں۔''

التونتاش: ''تب پانچ ہزار میں فراہم کر دوں گا۔''

سلطان محمود: ''دیکھو اونٹ ظلم و جبر سے حاصل نہ کئے جائیں۔ قیمت دے کر خریدے جائیں اور قیمت خزانۂ عامرہ سے دلائی جائے۔''

التونتاش: ''ایسا ہی ہوگا، ہم نے آج تک کوئی چیز بہ جبر نہیں لی ہے بلکہ قیمتاً خریدی ہے۔''

سلطان محمود: ''اس کا خیال رکھنا اس لئے ضروری ہے کہ ہم غیر ملک میں اور غیر قوم میں سفر کر رہے ہیں۔ اگر ہم اس ملک والوں کو ناراض کر دیں تو ہماری راہ میں مشکلات پیدا کر دیں گے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی حکم ہے کہ رعیت کو ستایا نہ جائے۔ یہی مسلمان فاتحین کا دستور رہا ہے، ہمیں بھی ان ہی کی تقلید کرنی چاہیے۔''

التونتاش: ''ہم پہلے ہی سے ان باتوں کا خیال رکھ رہے ہیں۔''

سلطان محمود: ''اس امر کا بھی خیال رکھو کہ یہ بات ابھی لشکر پر بھی ظاہر نہ ہونے پائے کہ ہمارا ارادہ کس شہر پر حملہ کرنے کا ہے۔ کیونکہ اگر یہ بات ظاہر ہوگئی تو ہندوؤں میں ہیجان پیدا ہو جائے گا اور وہ ہر قدم پر ہماری مزاحمت کریں گے۔''

التونتاش: ''اس کا بھی خیال رکھا جائے گا۔''

سلطان محمود: ''جو مہم ہمارے پیشِ نظر ہے وہ نہایت اہم ہے۔ سومنات ہندوؤں کا بڑا تیرتھ گاہ ہے۔ سارے ہندوستان کے ہندوؤں کو اس سے عقیدت ہے، اس کی فتح آسان نہیں ہے مگر میرا اللہ تعالیٰ پر تکیہ ہے۔ تمام لشکر میں یہ اعلان کر دو کہ ہر سپاہی نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے فتح کی دعا مانگے۔''

التونتاش: ''آج ہی اعلان کر دیا جائے گا!''

سلطان محمود: ''اچھا اب تم اونٹوں کا انتظام کرو۔ اس عرصہ میں لشکر بھی ستا لے گا۔''

چونکہ اب سلطان محمود کو کچھ اور کہنا نہ تھا اس لئے سب لوگ اٹھ کر چلے آئے اور سلطان محمود کچھ سوچنے لگے۔

باب ۴

ایک حُور وَش نازنین

سلطانی لشکر تیس ہزار تھا اور یہ سب لوگ مجاہدین تھے۔ ان میں سے کسی کو بھی تنخواہ نہ ملتی تھی۔ البتہ ان کی رسد کا انتظام شاہی خزانہ سے کیا جاتا تھا۔

اس لشکر کے خیمے وخرگاہ قطار در قطار میلوں کے گردونواح میں پڑے تھے۔ ہارون اور ان کا دوست جواُن کے ساتھ سومنات گیا تھا، دونوں فوجی سردار تھے۔ ایک ایک ہزار سوار دونوں کی ماتحتی میں تھے۔ ان کے دوست کا نام برہان تھا۔ اگرچہ دونوں اپنے اپنے لشکر کے ساتھ رہتے تھے۔ لیکن ایک دوسرے کے پاس اکثر آتے رہتے تھے۔ ان دونوں میں بڑی محبت تھی۔ ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔ اس لشکر کے ساتھ کچھ لوگ اپنے اہل وعیال کو بھی لائے تھے۔

التونتاش کی بیوی شمسہ اور اس کی نوجوان اور پری جمال بیٹی انیسہ بھی ساتھ تھی۔ التونتاش برہان کا دور سے کچھ رشتہ دار بھی تھا اس لیے برہان اکثر اس کے پاس آتا جاتا رہتا تھا۔ ایک روز وہ جب التونتاش کے خیمے پر اس سے ملنے گیا تو اتفاق سے انیسہ کا سامنا ہوگیا۔ انیسہ نہایت شوخ اور بڑی ہنس مکھ لڑکی تھی۔ حسین اس قدر تھی کہ جو ایک دفعہ اسے دیکھ لیتا تھا دوبارہ دیکھنے کی آرزو ضرور کرتا تھا۔ اس کا چہرہ گول، عارض چکنے اور گلابی تھے۔ آنکھیں سرگیں، بڑی بڑی اور حد درجہ دل کش تھیں۔ ناک ستواں اور نہایت موزوں تھی۔ ہونٹ نہایت پیارے، سر کے بال باریک، لمبے اور گھونگریالے تھے۔ وہ گیسو دراز حسینہ مشہور تھی۔ اس نے برہان کو دیکھا تھا۔ برہان پہلے بھی اسے دیکھ چکا تھا۔ وہ جب اس حوروَش کو دیکھتا تھا، اس پر خود فراموشی طاری ہو جاتی تھی۔ اس وقت بھی اس ساحرہ کو دیکھ کر مسحور ہو گیا۔

انیسہ نے شوخی سے مسکرا کر کہا:

''کیسے بھول پڑے آج ادھر؟''

برہان نے سنبھل کر کہا:

''میں عمو جان کے پاس آیا تھا۔''

انیسہ: ''یہ تو میں جان گئی تھی لیکن آنے کا سبب؟''

برہان: ''کوئی خاص بات نہ تھی، محض سلام کرنے آیا تھا۔''

انیسہ: ''آپ سومنات گئے تھے؟''

برہان: ''ہاں گیا تھا۔''

انیسہ: ''سنا ہے وہاں پریاں رہتی ہیں۔''

برہان: ''پریاں .... میں نے نہیں دیکھیں۔''

انیسہ نے مسکرا کر کہا:

''تب تم بڑے خوش قسمت ہو۔''

برہان: ''لیکن ....''

انیسہ: (متعجب ہو کر) ''لیکن!! حور کو دیکھا؟''

برہان: ''ہاں وہ سومنات کے مہاراجہ کی راجکماری تھی۔''

انیسہ: ''نہایت خوبصورت ہوگی؟''

برہان: ''ہاں، نہایت حسین و جمیل۔ بھائی ہارون تو اس کی تعریف کرتے نہیں تھکتے۔''

انیسہ: ''اور آپ ....''

اس نے برہان کے چہرہ پر اپنی خوبصورت نظریں گاڑ دیں۔ برہان نے اس کے آتش ناک رخساروں کو دیکھ کر کہا:

''میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ وہ بہت خوبصورت تھی لیکن ....''

انیسہ: ''لیکن آپ کی نظروں میں کچھ زیادہ نہیں جچی!''

برہان: ''ہاں!!''

انیسہ: ''کیوں؟''

برہان: ''گستاخی معاف ہو تو عرض کروں؟''

انیسہ: ''کہو۔''

برہان: ''میری نگاہوں میں تمہارا حسن سمایا ہوا ہے۔''

انیسہ شرما گئی، اس کے چہرہ پر سرخی بکھر گئی۔ اس سے اس کی پیاری صورت اور بھی دلکش ہو

گئی۔اس نے ایمان شکن شرمیلی نظریں اٹھا کر برہان کو دیکھتے ہوئے کہا:

''اچھا اب آپ بنانے بھی لگے ہیں مجھے؟''

برہان: ''قدرت نے جسے بے مثل بنایا ہو میں اسے کیا بنا سکتا ہوں انیسہ !!تم نہیں جانتی ؟''

انیسہ نے شوخی سے کہا:

''میں سب کچھ جانتی ہوں۔آپ کے دل کی بات بھی،کہو تو بتا دوں؟''

برہان: ''جب تم دل میں گھر کر لیتی ہو تو دل کی بات بھی ضرور جانتی ہو گی!!لیکن بتاؤ۔''

انیسہ: ''آپ بھی راجکماری کے مداح ہیں۔''

برہان: ''نہیں،بخدا نہیں۔میں تمہارا مداح ہوں انیسہ !!میں نے بھائی ہارون سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ راجکماری انیسہ کے برابر حسین نہیں ہے۔''

انیسہ: ''گویا آپ نے مجھے بدنام کرنے کا ٹھیکہ لے لیا ہے؟''

برہان: ''یہ مجھ سے غلطی ضرور ہوئی۔جس بات کو میں ایک عرصہ سے اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھا وہ ظاہر ہو گئی۔میں معافی چاہتا ہوں انیسہ !!''

انیسہ: ''اور آپ سے توقع ہی کیا تھی۔کیجئے،مجھے خوب بدنام کیجئے۔''

وہ خفا ہو گئی۔برہان کی جیسے روح نکل گئی۔اس نے بڑھ کر اس کا ہاتھ نہایت ملائمت سے پکڑا اور عاجزی کے لہجہ میں کہا:

''معاف کر دو انیسہ !!یہ غلطی اس وجہ سے ہوئی کہ بھائی ہارون نے راجکماری کی تعریف میں مبالغہ کیا۔مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔''

انیسہ: ''لیکن انہوں نے کیا خیال کیا ہو گا؟''

برہان: ''انہوں نے بھی شاید تمہیں دیکھا ہے۔وہ قائل ہو گئے۔''

انیسہ: ''جانتے ہیں آپ،اس سے میری کس قدر رسوائی ہوئی ؟''

برہان: ''میں اس وقت نہ جان سکا۔اب سمجھتا ہوں آیندہ ایسی غلطی نہ ہو گی۔''

انیسہ: ''اگر آپ کی اس گفتگو کی اطلاع امی جان یا ابا جان کو ہو گئی تو............''

برہان: ''اطمینان رکھو،بھائی ہارون کو میں خوب جانتا ہوں۔وہ کسی سے اس بات کا ذکر نہ کریں گے۔''

انیسہ: ''آپ نے اچھا نہ کیا۔آیندہ احتیاط رکھئے گا۔''

برہان: ''ضرور احتیاط رکھوں گا۔اللہ تعالیٰ کا شکر ہے تم نے معاف کر دیا۔''

انیسہ نے حیرت سے برہان کو دیکھ کر کہا:

''میں نے کب معاف کیا ہے؟''

برہان: ''آیندہ غلطی نہ کرنے کی ہدایت کر کے۔''

انیسہ: ''خوب!!!''

برہان: ''تو کیا ابھی خفا ہو؟ مجھے منانا بھی آتا ہے انیسہ !!''

انیسہ: ''جی کیوں نہیں۔''

برہان: ''اچھا تو دیکھئے۔''

اس نے انیسہ کا ہاتھ مضبوط پکڑا۔ وہ سمجھ گئی۔ اس نے مسکرا کر کہا:

''ٹھہریئے، آپ گدگدی کرنا چاہتے ہیں؟ یہ بات مناسب نہیں ہے۔''

برہان: ''تب معاف کردو۔''

انیسہ: ''معاف تو کرنا ہی پڑے گا۔''

وہ مسکرائی.......... برہان نے اس کا دستِ ناز چھوڑ کر کہا:

''تمہارا بہت شکریہ...... شکریہ۔ تم یہ نہیں جانتی ہو انیسہ کہ تمہاری خفگی میری روح پر کیا اثر کرتی ہے۔''

انیسہ: ''اب کب تک یہاں سے کوچ ہوگا؟''

برہان: 'دو ہی روز میں، اونٹوں کی فراہمی کا انتظام ہو رہا ہے۔ جب تیس ہزار اونٹ جمع ہو گئے، فوراً کوچ کر دیا جائے گا۔''

انیسہ: ''مگر یہ اونٹ کیوں جمع کئے جا رہے ہیں؟''

برہان: ''ملتان سے اجمیر شریف تک ۳۵۰ میل لق و دق میدان ہے۔ اس میدان میں نہ سبزہ ہے نہ پانی ملتا ہے۔ اونٹوں پر رسد اور پانی لے جایا جائے گا۔''

انیسہ: ''کیا کوئی اور ایسا راستہ نہیں ہے جس میں پانی میسر آسکے۔''

برہان: ''ہے تو! لیکن بڑا لمبا اور خطرناک ہے۔ قدم قدم پر ہندوؤں کی آبادی ہے۔ اگر وہ سب جمع ہو کر مقابلہ میں آگئے تو سلطانی لشکر کو بڑی دقتوں کا سامنا ہوگا۔''

انیسہ: ''آپ نے سومنات کا قلعہ دیکھا ہے؟''

برہان: ''دیکھا ہے۔ ایک روز رات کے وقت چھپ کر میں اور بھائی ہارون وہاں گئے تھے۔ نہایت مضبوط، بلند اور وسیع قلعہ ہے۔ ایسا قلعہ آج تک نظروں سے نہیں گزرا۔ سمندر کے عین کنارہ پر

واقع ہے۔ پانی کی موجیں قلعہ کی فصیل کے پشتہ سے آکر ٹکراتی ہیں۔''

انیسہ: ''لیکن راجکماری کو آپ نے کیسے دیکھا؟''

برہان: ''عجب اتفاق ہوا۔ میں اور بھائی ہارون سفر کر رہے تھے کہ رات ہوگئی۔ ہم تاریک جنگل میں گھسے جا رہے تھے۔ اندھیرا اس قدر پھیلا ہوا تھا کہ کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ دفعتاً ہم نے شور کی آواز سنی۔ دونوں نے گھوڑے دوڑائے اور جب کچھ دور پہنچے تو روشنی دیکھی۔ ہم بہت جلد روشنی کے پاس پہنچ گئے۔ دیکھا تو چند ڈاکو کچھ عورتوں کو گھیرے کھڑے ہیں۔ ہم نے ڈاکوؤں پر حملہ کیا اور انہیں قتل کر ڈالا۔ ان عورتوں اور لڑکیوں میں راجکماری تھی۔ وہ ہماری بہت مشکور ہوئی۔''

انیسہ: ''شاید اس ملک میں ڈاکوؤں کا زور ہے۔''

برہان: ''یہی میرا بھی خیال ہے۔''

انیسہ: ''اچھا اب میں جا رہی ہوں، ابا جان آنے والے ہوں گے۔''

یہ کہتے ہی وہ بجلی کی سی تیزی سے خیمہ سے نکل گئی اور برہان دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس نے تھوڑی دیر اور التونتاش کے آنے کا انتظار کیا لیکن جب وہ نہ آئے تو واپس لوٹ آیا۔ امیر علی اور التونتاش دونوں اونٹوں کی فراہمی میں مصروف تھے۔ چند روز کی کوشش سے اونٹ مل گئے اور اب ان کی تعداد پوری تیس ہزار ہوگئی۔

چونکہ اونٹ کافی پانی پی لیتا ہے اور ایک ایک ہفتہ تک اسے پانی کی ضرورت نہیں ہوتی اس لئے اونٹوں کو چند روز پیاسا رکھ کر انہیں خوب پانی پلا دیا گیا اور پھر ان پر چھاگلوں اور مشکیزوں میں پانی بھر کر لاد دیا گیا۔ رسد بھی لادی گئی اور لشکر نے ملتان سے اجمیر شریف کی طرف کوچ کر دیا۔

سازش:

اگرچہ یہ کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ غازی سلطان محمود کا ارادہ کس ملک اور کس قلعہ پر حملہ کرنے کا ہے اور اسی وجہ سے تمام ہندوستان کے راجہ اور مہاراجہ پریشان تھے لیکن سب سے زیادہ فکر اور پریشانی سومنات کے مہاراجہ کو تھی۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے مجاہدینِ اسلام کا سیلاب سومنات ہی کی طرف بہا چلا آ رہا ہے۔

اس نے نہ صرف قریب و جوار ہی کے راجاؤں کو مدد کے لئے لکھا تھا بلکہ ہندوستان کے طول و عرض میں جتنے بھی راجہ تھے سب ہی سے اعانت طلب کی تھی اور سب کو یہ صاف طور پر لکھ دیا تھا کہ سلطان محمود اور اس کی فوجوں نے اس مقدس مقام اور متبرک مندر کی طرف رخ کیا ہے جو مرجع خلائق

ہے۔جس کا احترام ہندو کے بچہ بچہ کے دل میں ہے۔جس کی عظمت کی ہندو دنیا قائل ہے۔ جہاں مرنے کے بعد روحیں اس لئے آتی ہیں کہ سومنات کے دیوتا کے حکم کے بموجب دوسرے قالبوں میں داخل ہوں۔

مہاراجہ سومنات کی ان چٹھیوں نے ہندوؤں کے دلوں میں جوش وغضب کا ولولہ اٹھا دیا اور وہ جوق در جوق سومنات کی حفاظت کے لئے چل پڑے۔

ہندوستان میں شروع ہی سے ہندوؤں کے چار طبقے ہیں۔ایک برہمن جنہیں مذہبی اقتدار حاصل ہے۔ دوسرا چھتری جو حکمران طبقہ کہلاتا ہے اور جس کے ذمہ ملک وقوم کی حفاظت ہے۔تیسرا ویش جس کا پیشہ کاشت کاری، سوداگری اور ساہوکاری ہے۔ چوتھا طبقہ شودر (اچھوت) ہے یہ پنج کہلاتے ہیں۔ان کے ذمہ مذکورہ تینوں طبقوں کی خدمت ہے۔تمام ہندو اچھوتوں کو نہایت درجہ حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں اور ان سے ہر قسم کی اور ادنیٰ سے ادنیٰ خدمت لیتے ہیں لیکن انہیں یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس راستہ پر بھی چل سکیں جس سے برہمن آ رہا ہو یا چھتری کے سامنے کھڑے ہو کر بات بھی کر سکیں یا ویش کے سامنے بیٹھ سکیں۔وہ ان تینوں کی خدمت کرتے کرتے ہی مر جاتے ہیں۔

صرف یہی بات نہیں ہے کہ ہندو اچھوتوں کو بُرا سمجھتے ہیں بلکہ ان کا ہر طبقہ ایک وسرے کو نفرت وحقارت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔چھتری ویش کو اس لئے حقیر سمجھا جاتا ہے کہ ویش سود خور مہاجن اور زراعت وتجارت کرنے والا پست اخلاق، پست مذاق اور پست ہمت طبقہ ہے۔ وہ ملک و قوم کی خدمت کے لئے تلوار اٹھاتے ڈرتا ہے۔

برہمن مذہبی پیشوا ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو سب سے اعلیٰ اور ارفع سمجھتا ہے۔وہ ویش اور چھتری دونوں طبقوں کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔حقیقت بھی یہ ہے کہ برہمن کو ہر طبقہ عزت وتکریم کی نظروں سے دیکھتا اور اس کی خدمت کرنا باعثِ فخر سمجھتا ہے اور ویش چھتریوں کو اس لئے بری نگاہوں سے دیکھتے ہیں کہ وہ انہیں جھگڑالو سمجھتے ہیں۔ ہندوؤں کی اس تقسیم نے ان میں نفاق کے جراثیم پیدا کر دیئے ہیں۔

تاریخوں کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ چھتریوں نے برہمنوں کو کچلا اور برہمنوں نے چھتریوں کو پامال کیا۔ چھتریوں نے ویشوں کو لوٹا اور ویشوں نے چھتریوں کو ذبح کر ڈالا۔ رہ گئے بچارے اچھوت تو انہیں سب ہی کچلتے اور پامال کرتے چلے آئے۔ ہندو قومیت کی بنیاد ہی نفاق وشقاق کی خلیج پر کھڑی کی گئی ہے۔ان میں یہاں تک اپنے طبقہ کی پاسداری ہے کہ برہمن چھتری کو اپنی بیٹی نہیں دے سکتا اور چھتری برہمن کو۔اور تو اور ہر طبقہ کا مندر الگ ہے۔

جب سے ہندوستان میں مسلمان آئے اور ہندوؤں نے دیکھا کہ مسلمانوں میں کوئی تفریق نہیں ہے، وہ سب متفق و متحد ہیں۔ ادنیٰ یا اعلیٰ سب ایک ہیں، شادی بیاہ میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ غریب کی بیٹی امیر کے گھر چلی جاتی ہے، امیر کی بیٹی غریب کے گھر چلی جاتی ہے۔ تب سے ہندوؤں کی آنکھیں کھلیں اور انہیں یہ احساس ہوا کہ ان کی قوم کی تقسیم ان کے بزرگوں نے غلط طریقہ پر کی اور اس کی قومی تقسیم نے ان میں پھوٹ ڈال دی۔ مذہب وہی اچھا ہے جس میں کسی قسم کی تفریق نہ ہو، چنانچہ وہ مسلمان ہوتے چلے گئے۔

غرض ہندوؤں میں چار طبقے تھے اور چاروں کے دلوں میں سومنات کے تقدس وعظمت کی عزت تھی۔ وہ خود ہی تیار ہوئے اور زعفرانی لباس پہن پہن کر سومنات پر سرفروشی کرنے کے لئے چل پڑے۔

اس زمانے میں ہندوؤں میں یہ قاعدہ تھا کہ جو لوگ زعفرانی رنگ کا لباس پہن لیتے تھے وہ میدانِ جنگ میں کٹ مرتے تھے لیکن پیچھے نہ ہٹتے تھے۔

روزانہ سومنات میں کثرت سے لوگ آ رہے تھے۔ یہ آنے والے کسی نہ کسی راجہ یا (۱) رانا کے زیر آتے رہے، انہیں قلعہ میں ٹھہرایا جاتا رہا اور ان کے فوجی سپاہی اکڑ اکڑ کر فصیلوں پر پہرہ دینے لگے۔

سومنات کے مہاراجہ کی ان راجاؤں کے آنے کی وجہ سے ایک حد تک تسلی ہوگئی تھی۔ اسے یہ اطمینان ہو چلا تھا کہ اب چھتری سلطان (محمود) کی فوجوں کو پارہ پارہ کر ڈالیں گے اور وہ اپنی جان بچا کر نہ لے جا سکے گا۔

جبکہ ایک طرف لڑائی کے انتظامات ہو رہے تھے دوسری طرف پرم دیو' انہلواڑہ کا راجہ' سومنات کے راجہ سے اپنے بیٹے سکھدیو کی شادی کا زور دے رہا تھا۔ مہاراجہ سومنات نے اسے لکھ دیا تھا کہ وہ راجکماری چندر موہنی کی شادی اس وقت کریں گے جب سلطان محمود کے حملہ کا اندیشہ جاتا رہے گا۔

اگرچہ پرم دیو اور سکھدیو کو یہ بات ناگوار گزری لیکن وہ مہاراجہ پر اس لئے زیادہ زور نہ ڈال سکے کہ اس وقت اس کی قوت اس کے مددگاروں کی وجہ سے بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ پرم دیو اپنے بیٹے سکھدیو کی شادی کی جلدی صرف اس لئے ہی نہ کر رہا تھا کہ چندر موہنی نہایت حسین و جمیل راجکماری تھی

۱۔ رانا ان حکمرانوں کو کہتے ہیں جن کی سلطنتیں چھوٹی اور ان کا رقبہ بھی محدود ہوتا تھا۔

بلکہ اس کی تہ میں یہ بات بھی تھی کہ سومنات کے مہاراجہ کے اور کوئی اولاد نہ تھی اور اس کے مرنے کے بعد یہ جلیل القدر و عظیم الشان سلطنت بھی اسے ہی ملنے والی تھی اور اس سلطنت کے ملنے سے اس کا اعزاز بھی بڑھنے والا تھا۔ تمام ہندوستان کے راجہ اس کی عزت و عظمت کرنے پر مجبور ہو جاتے۔

سکھد یو آوارہ مزاج تھا۔ شراب اور عورتوں سے اسے خاص طور پر رغبت تھی۔ نہ معلوم وہ کتنی دوشیزاؤں کی عصمت خراب کر چکا تھا لیکن اس نے چندر موہنی کو دیکھا تھا اور اس پر ہزار جان سے فریفتہ ہو چکا تھا۔ وہ اس کے فراق میں جل رہا تھا اور چاہتا تھا کہ یا تو جلد سے جلد شادی ہو جائے یا وہ چندر موہنی کو کسی طرح اُڑا لائے۔ اس کی ایک بہن تھی جس کا نام کامنی تھا۔ وہ چندر موہنی کی سہیلیوں میں شامل تھی۔ اس نے کامنی سے کہا کہ وہ معلوم کر لے کہ چندر موہنی کے اس کی بابت کیسے خیالات ہیں اور وہ اس سے یعنی سکھد یو سے محبت کرتی ہے یا نہیں۔

کامنی نہایت خوب صورت لڑکی تھی لیکن جس قدر خوبصورت تھی اسی قدر چالاک بھی تھی۔ اس نے چندر موہنی کی طبیعت میں خاصا رسوخ حاصل کر کے یہ بات معلوم کر لی کہ اسے اس کے بھائی سکھد یو سے بالکل محبت نہیں ہے بلکہ وہ اس سے نفرت کرتی ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ ڈاکوؤں سے بچانے والے ترک (جس کا نام ہارون ہے) کی اکثر تعریف کرتی رہتی ہے۔

ایک روز جب سکھد یو سومنات آ کر کامنی سے ملا تو کامنی نے اس سے کہا:

''میں نے معلوم کر لیا ہے بھیا!! چندر موہنی کو تم سے بالکل بھی محبت نہیں ہے۔''

سکھد یو میں ایک اور خرابی یہ بھی تھی کہ وہ اپنے آپ کو ایسا بانکا اور سجیلا نوجوان سمجھتا تھا جس پر ہر دوشیزہ کی نظرِ انتخاب پڑے۔ اسے یہ بات بہت ہی عجیب اور ناگوار معلوم ہوئی کہ چندر موہنی اس سے محبت نہیں کرتی۔ اس نے کہا:

''چندر موہنی کو مجھ سے محبت نہیں ہے؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے کامنی!! ضرور اس میں کوئی وجہ ہے۔''

کامنی: ''وجہ مجھے معلوم ہے۔''

سکھد یو: ''تجھے معلوم ہے تو بتا۔''

کامنی: ''تم نے سنا ہو گا بھیا!! جب راجکماری مہا گرو دھرم پال جی سے ملنے گئی تھی تو راستہ میں ڈاکو مل گئے تھے اور دو جوان ترکوں نے آ کر ڈاکوؤں سے بچایا تھا۔''

سکھد یو: ''ہاں میں نے سنا تھا۔ اس وقت تُو بھی راجکماری کے ساتھ تھی؟''

کامنی: ''ہاں۔ راجکماری ان دونوں ترکوں میں سے ایک کی بہت زیادہ تعریف کرتی تھی۔ اس کا

نام شاید ہارون تھا۔ وہ اس سے مہا گرو کے استھان پر ملی بھی تھی۔''

یہ بات سن کر سکھدیو کو جوش وغصہ آگیا۔ اس نے کہا:

''تو یہ کہو کہ راجکماری ایک ملیچھ سے محبت کرنے لگی ہے!''

کامنی: ''ہاں، میرا خیال ایسا ہی ہے۔''

سکھدیو: ''تو نے بھی تو اس ترک کو دیکھا تھا؟ کیا وہ اتنا خوبصورت تھا کہ راجکماری اسے چاہنے لگی؟''

کامنی: ''بھیا!! ایک تو ترک ہوتے ہی خوبصورت ہیں اور ہارون تو بڑا گورا چٹا اور سجیلا نوجوان ہے۔''

سکھدیو: ''میں سمجھ گیا! لیکن وہ ترک مہا گرو کے پاس کیوں آئے تھے؟''

کامنی: ''اسے تو ایشور ہی جانے۔ مگر سنا تھا وہ سیاحت کرتے پھر رہے تھے۔''

سکھدیو: ''مجھے اس میں کوئی راز معلوم ہوتا ہے۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ مہا گرو نے سرِ دربار مہاراجہ سے راجکماری کی شادی کے التواء کی درخواست کی تھی۔ میں آج ہی ان سے مل کر سب کچھ معلوم کرلوں گا۔ لیکن مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شادی کو ہمیشہ کے لئے ٹالا گیا ہے۔ یہ بات انہلواڑہ کے خاندان کے لئے بڑی سبکی کی ہے۔ کل پورن ماشی (۱) جس روز چاند پورا ہوتا جاتا ہے، رات کے وقت دیوتا سومنات جی کو غسل دیا جائے گا۔ تُو یہ پتہ لگا کہ راجکماری بھی سومنات جی کے درشن کو جائے گی یا نہیں۔''

کامنی: ''اس سے کیا ہوگا بھیا!!''

سکھدیو: ''میں چندر موہنی کو راستہ سے اُڑا لے جانے کی کوشش کروں گا۔''

کامنی: ''لیکن اگر مہاراج کو یہ بات معلوم ہوگئی تو خون کے دریا بہہ جائیں گے بھیا!!''

سکھدیو: ''تو چنتا (فکر) نہ کر۔ چونکہ سلطان محمود کے سومنات پر حملہ آور ہونے کی خبر ہے اس لئے مہاراجہ کچھ بھی نہ کرسکیں گے۔ چپ ہو کر رہ جائیں گے۔ آخر راجکماری میری منگیتر ہی تو ہے اگر میں اسے اڑا لے جاؤں تو کسی کو کچھ کہنے کا حق بھی نہیں ہے۔''

کامنی: ''میں یہ بات معلوم کرکے تمہیں کل خبر دوں گی۔''

کامنی چلی گئی۔ سکھدیو بھی کچھ سوچتا ہوا روانہ ہوگیا۔

ا۔ یوں تو دیوتا سومنات یعنی سومنات کے بت کو رات کے وقت روزانہ گنگا کے تازہ پانی سے غسل دیا جاتا تھا لیکن پورنماشی یعنی ہر چاند کی تیرہ تاریخ کو بڑا غسل ہوتا تھا۔ اس تاریخ کو ہزاروں آدمی اس بت کی زیارت کو آتے تھے۔ (تاریخ فرشتہ جلد اول، صفحہ ۴۷)

باب ۵

ملامت وسرزنش

دھرمپال کا اہل سومنات نہ صرف اس وجہ سے عزت واحترام کرتے تھے کہ وہ راجکماری کے گرو تھے بلکہ انہیں خدارسیدہ سادھو بھی سمجھا جاتا تھا۔ عوام کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کی دعا خالی نہیں جاتی۔ ان کی دانش مندی کا بھی شہرہ تھا۔ اس قدر فاضل وفرزانہ سمجھے جاتے تھے کہ مہاراجہ سومنات اہم معاملات میں ان سے مشورے لیتے اور ان مشوروں پر عمل کیا کرتے تھے۔

جب سے راجکماری فارغ التحصیل ہوگئی تھی۔ اس وقت سے دھرمپال نے جنگلوں میں رہنا شروع کردیا تھا۔

وہ سومنات میں یا تو مہاراجہ کے طلب کرنے پر آتے تھے یا چاندگرہن کے روز آکر سومنات کے سب سے بڑے غسل میں شریک ہوجاتے تھے۔

ہم یہ بیان کر آئے ہیں کہ سومنات کو روزانہ گنگا کے پانی سے رات کے وقت غسل دیا جاتا تھا اور یہ گنگا کا پانی چھ سومیل کے فاصلہ سے چوکیاں بنی ہوئی تھیں۔ جن میں برہمن رہتے تھے اور ہر چوکی کے برہمن ایک چوکی سے دوسری چوکی تک پانی پہنچایا کرتے تھے۔ ان برہمنوں کو مہاراجہ بڑی بڑی تنخواہیں دیتے تھے۔

گنگا سے سومنات تک جس قدر بستیاں اور آبادیاں تھیں ان کے باشندے بھی ان پانی لانے والے برہمنوں کو بڑی بڑی رقمیں دان دیا کرتے تھے۔ وہ انہیں سومنات کے بھگت یا پجاری خاص سمجھ کر ان کی عزت اور خدمت کرتے تھے۔

روزانہ معمولی غسل ہوتا تھا اور مہینہ میں ایک مرتبہ چاند کی تیرہ تاریخ کو بڑا غسل دیا جاتا تھا اور سال بھر میں چاندگرہن کی رات کو سب سے بڑا غسل دیا جاتا تھا۔

چاندگرہن کے موقعہ پر سومنات میں عظیم الشان میلہ لگتا تھا اور یہ میلہ ایک ماہ تک رہتا تھا۔

ہندوستان کے طول وعرض سے لوگ میلہ کی شرکت اور سومنات بت کی زیارت کے لئے جوق در جوق آتے تھے۔

سومنات سے لوگوں کی عقیدت کا یہ حال تھا کہ عام لوگوں کے علاوہ بڑے بڑے رئیس، زمیندار، ساہوکار، رانا اور راجہ تک پیدل چل کر آتے تھے۔ اور اپنی حیثیت کے مطابق مندر پر چڑھاوا چڑھاتے تھے۔ ہر مہینہ کی تیرہ تاریخ کو ہزاروں روپے نقد اور ہزاروں روپے سونا چاندی، ہیرے اور جواہرات چڑھتے تھے اور چاند گرہن کے موقعہ پر لاکھوں روپے نقد اور لاکھوں روپے کا سیم وزر اور جواہرات چڑھائے جاتے تھے۔

سومنات کے پنڈے یا پجاری دو ہزار تھے۔ اس چڑھاوا میں سے مہاراجہ انہیں تنخواہیں دیتا تھا اور جس قدر چڑھاوا آتا تھا۔ اس کا چوتھائی یا پانچواں حصہ تمام پنڈوں پر تقسیم کر دیتا تھا۔ اس آمدنی کی وجہ سے تمام پجاری نہایت مال دار ہو گئے تھے۔

سومنات کا مہاراجہ مندر کا متولی کہلاتا تھا۔ اس کی اس قدر عزت کی جاتی تھی کہ کوئی شخص بھی جو اس کے سامنے پہنچ جائے۔ اسے سجدہ کئے بغیر نہ رہتا تھا۔ راجہ اور رانا تک اس کے سامنے سر جھکا دیتے تھے۔

سومنات میں یاتریوں (زائروں) کی آمد کا اس بات سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ تین سو حجام محض یاتریوں کی حجامت بنانے پر مامور تھے۔ ان میں سے ایک نائی بھی سومنات والوں کا سر نہ مونڈتا تھا اور ان حجاموں کو کبھی فرصت نہ ملتی تھی۔ صبح سے شام تک مصروف رہتے تھے اور چونکہ ان کی آمدنی کافی تھی۔ اس لئے بڑے مال دار تھے۔

چونکہ سومنات کے ماہانہ غسل میں صرف ایک دن باقی رہ گیا تھا۔ اس لئے یاتری (زائرین) بھاری تعداد میں جمع ہو گئے تھے اور تمام پنڈے اور سارے برہمن غسل کے اہتمام میں مصروف ہو گئے تھے۔

دھرمپال جب آتے تھے تو شاہی محل کے ایک گوشہ میں مقیم ہوتے تھے۔ لیکن ان کی نشست زیادہ تر اس مندر کے ایک قطعہ میں رہتی تھی۔ جس میں ایک بت معلق تھا اور جسے دیکھنے کے لئے دور دور سے لوگ آتے تھے۔

اس مندر کے باہر سفید استر کاری ہو رہی تھی۔ لیکن اندر کی تمام دیواریں سیاہ تھیں۔ فرش بھی سیاہ تھا اور چھت بھی سیاہ تھی اور ایک کالے رنگ کا بت اس میں معلق رکھا تھا نہ وہ کسی چیز پر رکھا تھا نہ کسی سہارے پر قائم تھا۔

چونکہ یہ ایک حیرت ناک بات تھی کہ بت زمین سے چھ فٹ اونچا چھت سے کافی نیچا۔ مندر کی چاردیواری کے عین وسط میں بلا کسی سہارے کے قائم تھا۔ اس لئے لوگ جوق در جوق اس کی زیارت کرنے آتے تھے اور اسے دیکھ کر حیران ہوتے تھے۔ سادہ لوح ہندو سمجھتے تھے کہ بت اپنی شکتی (طاقت) سے قائم ہے۔ اس لئے اس کی خلوص دل سے پرستش کرتے تھے۔

سکھدیو دھرمپال سے ملنے کے لئے اول اس بت خانہ میں آیا۔ لیکن اسے معلوم ہو گیا کہ دھرمپال وہاں نہیں ہے۔ وہ قصر شاہی میں گیا۔ چونکہ وہ راجکماری کا منگیتر تھا اس لئے راج محل میں جانے میں اس کی روک ٹوک نہ ہوتی تھی۔

جب وہ محل کے اندر داخل ہوا تو اتفاق سے اس نے چندر موہنی کو جاتے ہوئے دیکھا راجکماری کے ساتھ اس کے چند سہیلیاں اور چند کنیزیں تھیں۔

سکھدیو تیزی سے بڑھ کر چندر موہنی کے پاس جا پہنچا۔ اسے دیکھتے ہی سہیلیوں اور کنیزوں نے اس کی تعظیم کے لئے سر جھکا دیئے اور سکھدیو کا سر بلاعزم وارادہ کے خود بخود چندر موہنی کی تعظیم کے لئے جھک گیا۔

اس وقت چندر موہنی پیازی رنگ کی ریشمین ساڑھی میں ملبوس تھی۔ کانوں میں ڈر شاہوار کے گوشوارے پہنے تھی۔ نہایت حسین معلوم ہو رہی تھی۔ وہ کھڑی ہو گئی اور اس کی شان سے نسوائی حسن ٹپکنے لگا۔ سکھدیو پر اس کا رعب حسن اس قدر پڑا کہ چند لمحے تو وہ ساکت وجامد کھڑا اس حور ادا کو دیکھتا ہی رہا۔ آخر اس نے ہکلاتے ہوئے کہا:

''معاف کرنا آپ کی خدمت میں درانہ چلا آیا۔''

چندر موہنی نے ہوشربا نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور ترنم ریز لہجہ میں کہا:

''شاید کوئی ضروری کام ہوگا؟''

سکھدیو نے جلدی سے کہا:

''جی ہاں!! بڑا ضروری۔ میں مہا گرو جی سے ملنے آیا ہوں۔''

چندر موہنی: ''وہ سومنات جی گئے تھے اور ابھی اپنی قیام گاہ پر آئے تھے۔''

سکھدیو: ''کیا آپ تنہائی میں میری دو باتیں سنیں گی؟''

چندر موہنی: ''اس وقت مجھے فرصت نہیں ہے۔''

سکھدیو: ''پھر میں کس وقت حاضر ہوں؟''

چندر موہنی: ''مہا گرو جی سے دریافت کر لیجئے۔''

سکھدیو: ''بہتر ہے۔''

وہ دل برداشتہ ہو کر واپس لوٹا اور چندر موہنی فضا کو منور و معطر کرتی آگے بڑھ گئی۔ سکھدیو جانتا تھا کہ دھرمپال محل کے کس گوشہ میں مقیم ہوتے ہیں۔ وہ تیزی سے چل کر وہاں پہنچا۔ اس وقت دھرمپال کے پاس اس کے خاص چیلوں میں سے تین چیلے بیٹھے تھے۔ سکھدیو نے جا کر انہیں سلام کیا اور جھک کر ان کے قدم چھو کر اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھے۔ دھرمپال نے اسے دعا دی اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ ادب سے ایک طرف بیٹھ گیا۔

دھرمپال نے اس سے پوچھا:

''کس لئے آئے ہو راجکمار؟''

سکھدیو نے بلا کسی تمہید کے جواب دیا:

''میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ سے یہ بات دریافت کروں کہ آپ نے راجکماری کی شادی کا التواء کیوں کرا دیا؟''

دھرمپال: ''اس لئے کہ ملک پر جنگ کے بادل چھا گئے ہیں، کوئی نہیں جانتا کہ یہ طوفان کیا رنگ لائے۔ شادی اور بیاہ امان و سکون کی حالت میں کئے جاتے ہیں۔''

سکھدیو: ''لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی اور بھی مصلحت ہے!''

دھرمپال: ''تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔''

سکھدیو: ''کیا مصلحت ہے؟''

دھرمپال: ''صاف ہی سننا چاہتے ہو تو سنو، راجکماری سے تمہاری شادی نہیں ہو سکتی۔''

سکھدیو کو یہ سن کر بڑا غصہ آیا۔ اس نے کہا: ''کیوں؟''

دھرمپال: ''اس کی وجہ تمہیں چند روز میں خود ہی معلوم ہو جائے گی۔''

سکھدیو: ''مگر میں سمجھتا ہوں کہ مہاراجہ ہمارے خاندان کی توہین کرنے کی جرأت نہ کریں گے۔''

دھرمپال: ''یہ میں بھی جانتا ہوں۔ خاندان انہلواڑہ کی توہین کی جرأت نہیں کی جا سکتی لیکن بعض مجبوریاں ایسی ہوتی ہیں کہ..............''

سکھدیو نے قطع کلام کر کے گستاخانہ لہجہ میں کہا:

''میں ایسی مجبوری کو جانتا ہوں۔ راجکماری کو ہارون نامی ایک ترک سے محبت ہو گئی ہے..........!!''

دھرمپال اس بات کو سن کر زور سے چونکے۔ سکھدیو نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:

"آپ راجکماری کے گرو ہیں۔ شاید سومنات کو ملیچھ سلطان محمود کے ہاتھ سے بچانے کے لئے آپ چندر موہنی کو مسلمانوں کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔"

دھرمپال کو غصہ آ گیا۔ ان کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ انہوں نے غضب ناک لہجہ میں کہا:

"کیا تم جانتے ہو راج کمار کہ تم میری اور مہاراجہ دونوں کی توہین کر رہے ہو؟ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اس توہین کا نتیجہ کیا ہوگا؟"

سکھدیو نے جرأت کر کے کہا:

"میں آپ کے اس اثر و رسوخ کو جانتا ہوں جو آپ کا راجاؤں میں ہے اور یہ کہنے پر تیار ہوں کہ آپ کا ادنیٰ اشارہ خانہ جنگی کرا دے گا۔"

دھرمپال: "تم جانتے ہو تو اپنی زبان بند رکھو۔ تم راجکماری کو بھول جاؤ اور میں اس بات کو بھول جاؤں گا کہ تم نے میری اور مہاراجہ کی توہین کی تھی۔"

سکھدیو نرم پڑ گیا۔ ساتھ ہی اس کی نگاہوں سے چالاکی اور مکاری کی علامتیں ظاہر ہو گئیں۔ اس نے عاجزی کے لہجہ میں کہا:

"مگر............مہا گرو جی!! مجھے راجکماری سے محبت ہے اور اس محبت ہی کی بدولت مجھ سے گستاخی ہوئی ہے۔ معاف فرما دیجئے۔"

دھرمپال: "میں اس ناخوشگوار گفتگو کا تذکرہ کسی سے نہ کروں گا اور اس بات کو میری طرف سے معاف سمجھو۔"

سکھدیو: "میں آپ کا مشکور ہوں۔"

دھرمپال: "تم چندر موہنی سے واقف نہیں ہو راجکمار!! مجھے سنو!! اس کی زندگی کے ساتھ ایک راز وابستہ ہے جس کا انکشاف عنقریب ہونے والا ہے۔ میرا خیال ہے اس راز کے کھلنے پر دنیا حیران رہ جائے گی۔"

سکھدیو نے اس گفتگو پر کوئی توجہ نہیں کی اور اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔

سومنات:

چونکہ رات کے وقت ماہانہ غسل دیا جانے والا تھا اس لئے سومنات کی زیارت کرنے والے نزدیک و دور سے آئے ہوئے تھے۔ کچھ تو ان زائرین کا مجمع ہو گیا تھا، کچھ امدادی لشکر اور آ گیا تھا اس لئے متعلقہ شہر اور مندر میں لوگوں کی گہما گہمی ہو گئی تھی۔ بازار سجائے گئے تھے نیز دوکانیں آراستہ کی گئی

تھیں۔

ہر بازار لوگوں سے بھر گیا تھا۔ عورتیں اور مرد لڑکے اور نوجوان لڑکیاں دوش بدوش آ جا رہے تھے۔ گرہ کٹوں اور اوباش لوگوں کی بن آئی تھی اور انہوں نے نہایت ہوشیاری سے متمول آدمیوں کی جیبوں پر ڈاکے اور عورتوں کے زیور اپنی حکمت عملی سے اتارنے شروع کر دیئے تھے۔ بعض بدمعاش بھیڑ میں گھس کر عورتوں کو چھیڑنے اور پریشان کرنے لگے تھے۔ یہ غنڈہ قسم کے شہری نوجوانوں اور جرائم پیشہ تجربہ کار مجرموں کا حال تھا۔

کوئی راجپوت بھی اس غنڈہ پن میں شریک نہ تھا۔ وہ بعدہ سپاہی اور دھرم وقوم کے فدائی تھے۔ صاف دل اور سادہ مزاج تھے۔ یا تو بے مدعا بازار کی سیر کر رہے تھے یا خرید وفروخت میں مشغول تھے۔

برہمن اُن زائرین کو پھانسنے اور لوٹنے کی کوشش کر رہے تھے جو پہلی مرتبہ سومنات میں آئے تھے اور بھولے اور مال دار تھے۔

وہ لوگ جو بڑی عقیدت سے سومنات بت کی زیارت کرنے اور ماہانہ غسل میں شریک ہونے کے لئے آئے تھے، مندر کے احاطہ میں ٹھہر گئے تھے۔

مندر کا احاطہ نہایت وسیع تھا۔ اس قدر وسیع کہ اس میں بہ یک وقت ایک لاکھ آدمی باآسانی آسکتے تھے اور مندر کے احاطہ کی چار دیواری نہایت بلند اور مضبوط تھی۔

یہ مندر قلعہ کے پیچھے عین سمندر کے کنارہ پر واقع تھا۔ اس کا جنوبی پشتہ سمندر کے پانی میں کھڑا تھا اور اس طرف جو عمارتیں بنی ہوئی تھیں ان کی کھڑکیاں اور جھروکے سمندر کی طرف کھلتے تھے۔

اس طرف عوام الناس کو آنے کی اجازت نہ تھی۔ مہاراجہ سومنات کے خاندان کے مرد، عورتیں، کنیزیں اور راجکماری کی سہیلیاں آتی تھیں۔ کبھی کبھی مہاراجہ کی اجازت سے دوسرے راجاؤں کے خاندانی لوگ بھی آجاتے تھے۔

جب اس طرف کی کھڑکیاں جھروکے کھول دیئے جاتے تھے تو سمندر کا نیلگوں پانی حدِ نگاہ تک پھیلا نظر آتا تھا۔ وہاں تک جہاں سمندر افق سے بغل گیر ہوتا تھا۔ چونکہ نظارہ بے حد دلچسپ ہوتا تھا اس لئے اس طرف آنے والے اس دل کش نظارہ کی دید میں محو ہو جاتے تھے۔

مندر کے مشرق میں گنجان جنگلات کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ اکثر لوگ تیز دھوپ اور گرم ہوا سے بچنے کے لئے ان جنگلات میں ہی ڈیرے جما لیتے تھے اور چند روز کے لئے اس جنگل میں بھی منگل ہو جاتا تھا۔

شام کے وقت سکھد یو اپنے لشکر کے پانچ سو آدمیوں کے ساتھ آ کر جنگل میں گھس گیا اور انہیں درختوں کے پیچھے چھپا کر تنہا درختوں کی گلی نما قطاروں سے گزرنے لگا۔ اس نے اپنی بہن کامنی سے ملنے کا وعدہ یہیں کیا تھا۔

اس گنجان جنگل میں لوگوں کی آمد و رفت کی وجہ سے بہت سی گلیاں سی بن گئیں تھیں۔ سکھد یو ان گلیوں میں چکر کاٹتا رہا۔ چونکہ وہ لوگوں کی نگاہوں سے بچنا بھی چاہتا تھا اس لئے جب کسی گروہ کو آتے ہوئے دیکھتا تو چھوٹے درختوں کے جھنڈ میں گھس جاتا اور اس وقت تک باہر نہ نکلتا جب تک گلی میں آنے والے چلے نہ جاتے۔

اس وقت اس نے بالکل سادہ کپڑے پہن رکھے تھے۔ راجکمار ہونے کی علامت اس کے جسم پر نہ تھی۔ اسے زیادہ دیر تک انتظار نہ کرنا پڑا۔ اس کی بہن کامنی چند لڑکیوں کے ساتھ وہاں آ گئی۔ لڑکیاں پیچھے رہ گئیں اور کامنی بڑھ کر سکھد یو کے پاس آئی۔

سکھد یو نے بے صبری کے انداز میں کہا:

''بہت دیر لگا دی کامنی۔ کیا چندر موہنی مندر میں آ گئی؟''

کامنی نے جواب دیا:

''ہاں آ گئی۔ اس کے ساتھ آنے ہی میں تو مجھے دیر ہو گئی۔''

سکھد یو کے چہرہ سے مسرت کے آثار ظاہر ہوئے۔ اس نے دریافت کیا:

''کس قدر سپاہی اس کے ساتھ آئے ہیں؟''

کامنی نے جواب دیا:

''بہت کم، صرف پچاس ہیں۔''

سکھد یو: ''میرے ساتھ پانچ سو آدمی ہیں۔ لیکن کامنی کیا تو اسے رات کے وقت اس طرف نہیں لا سکتی؟''

اس وقت ان کے قریب ہی دوسری گلی میں کسی کے قدموں کی ہلکی چاپ ہوئی۔ لیکن یہ دونوں گفتگو میں محو تھے۔ انہوں نے نہیں سنا۔ کسی نے انہیں جھانک کر دیکھا۔ دو تیز آنکھیں گھورتی ہوئی نظر آئیں۔

کامنی: ''میں یہ چاہتی ہوں کہ اس معاملہ میں میری شرکت ظاہر نہ ہو۔''

سکھد یو: ''نہیں کامنی، تُو چندر موہنی کو اس طرف لانے کی کوشش کر۔''

کامنی: ''اچھا میں کوشش کروں گی لیکن مجھے امید نہیں کہ وہ رات کے وقت گنجان جنگل کی طرف

آنے کی جرأت کرے۔''

سکھدیو: ''اگر نہ آئی تو میں پھر دوسری تجویز پر عمل کروں گا۔''

کامنی: ''اچھا اب مجھے جانا چاہیے۔''

سکھدیو: ''ہاں جا اور نہایت ہوشیاری سے اس کام کو انجام دے۔''

کامنی چلی گئی۔ سکھدیو بھی گلیوں میں سے نکل کر مندر کی طرف روانہ ہوا۔ اس وقت مندر کی چوٹی اور سنہرے کلس پر آفتاب اپنی آخری طلائی کرنیں ڈال رہا تھا جس سے مندر کے سفید مخروطی مینار پر سنہرا غازہ پھر گیا تھا اور کلس میں آنکھوں کو چکا چوند کرنے والی چمک پیدا ہو گئی تھی۔

جب وہ مندر کے دروازہ میں داخل ہوا تو آفتاب غروب ہو رہا تھا اور پنڈے مندر کے وسیع احاطہ میں روشنی کرتے پھر رہے تھے۔ دو ہزار پنڈے سارے صحن میں بکھرے ہوئے تھے۔ چونکہ پوجا کا وقت قریب آ گیا تھا اس لئے ہر پنڈا عجلت میں تھا۔ مندر کا صحن لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

مندر کی وہ عمارت بھی جس میں سومنات کا بت تھا، نہایت وسیع تھی۔ اس کے کئی درجے تھے اور ہر درجہ نہایت بلند اور کشادہ تھا۔ چھپّن ستونوں پر یہ عمارت ایستادہ تھی اور ہر ستون میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔

سومنات کا بت سب سے آخری درجہ میں تھا۔ وہاں تک باہر کی روشنی نہ جاتی تھی نہ اندر روشنی کی جاتی تھی۔ بلکہ جواہر (۱) اور الماس جو کہ در و دیوار اور چھتوں میں جڑے ہوئے تھے اور لعل و شب چراغ جو قندیلوں میں نصب تھے ان کی جوت اور جگمگاہٹ سے دن رات وہاں کافی روشنی رہتی تھی۔

سومنات کا بت پانچ گز لمبا تھا اور ایک اونچے چبوترہ پر نصب تھا۔ دو گز چبوترہ کے اندر تھا اور تین گز چبوترہ کے باہر۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ایک ہی پتھر کو تراش کر اس بت کو بنایا گیا ہو کیونکہ اس میں کہیں جوڑ نظر نہ آتا تھا۔ (۲) بت کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں اور اس کی دونوں آنکھوں میں دو بڑے لعل اس صنعت سے جوڑے گئے تھے جو بتیاں معلوم ہوتے تھے اور ان سے ایسی تیز چمک نکلتی تھی جو دیکھنے والے کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی تھی۔

اس عمارت کے سب سے پہلے درجہ میں سونے کی بھاری زنجیر لٹک رہی تھی جس کا وزن دو سو من تھا۔ اس زنجیر میں سونے اور چاندی کے سینکڑوں گھنٹے اور گھڑیالیں لٹک رہی تھیں اور باریک سونے کی زنجیروں کا جال ہر درجہ میں تنا ہوا تھا۔ ان زنجیروں میں چھوٹی چھوٹی سینکڑوں سونے کی

۱۔ از تاریخ ہندوستان جلد اول، صفحہ ۲۸۷

۲۔ از شرح تاریخِ ہندوستان و تاریخِ فرشتہ

گھنٹیاں لٹک رہی تھیں۔ یہ تمام زنجیریں موٹی زنجیر میں پیوست تھیں۔ جب پوجا کا وقت ہوتا تھا یا بت کو غسل دیا جاتا تھا تو سوپنڈے مل کر سونے کی بھاری زنجیر کو کھینچتے تھے جس سے تمام گھنٹیاں، گھنٹے اور گھڑیالیں بجنے لگتے تھے اور میلوں تک ان کی پرشور آواز گونج جاتی تھی۔ لوگوں کو اس آواز سے معلوم ہو جاتا تھا کہ پوجا کا وقت آ گیا یا اب بت کو غسل دیا جانے والا ہے۔ چنانچہ جب کسی قدر اندھیرا پھیل گیا اور چاند افقِ مشرق سے نکل کر جھانکنے لگا تو سوپنڈوں نے ملکر موٹی زنجیر کو کھینچنا شروع کیا۔ تمام گھنٹیاں، سارے گھنٹے اور کل گھڑیال بڑے شور کے ساتھ بجنے لگے۔ ان کی پرشور آواز سے تمام مندر اور مندر کا وسیع احاطہ گونج اٹھا۔ قلعہ، جنگل اور سمندر میں دور تک یہ آواز پھیل گئی۔

جو لوگ مندر میں جمع تھے۔ وہ مؤدب کھڑے ہو گئے اور جو باہر تھے وہ دوڑ دوڑ کر احاطہ کے اندر آنے لگے۔ عورتیں، مرد اور بچے بے شمار جمع ہو گئے۔

گھنٹوں اور گھڑیالوں کی آواز گونج رہی تھی۔ لوگ نہایت خاموشی سے کھڑے ہوئے سن رہے تھے۔ اس وقت سب کے منہ اس عمارت کی طرف تھے جس کے اندر سومنات کا بت تھا۔ چونکہ سب اس کے عقیدت کیش تھے اس لیے سب کے دلوں میں عقیدت کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔

چاند بتدریج بلند ہو رہا تھا اور جوں جوں اس کی ترچھی شعاعیں سیدھی ہوتی جاتی تھیں مندر کے صحن میں چاندنی کی سفید نورانی چادر بچھتی جاتی تھی۔

جو لوگ مندر کی خاص عمارت سے دور تھے انہیں افسوس ہو رہا تھا کہ صبح ہی سے کیوں نہ آ گئے جس سے سومنات کے درشن بھی ہو جاتے اور اس کے غسل کا پانی بھی مل جاتا۔

ہندو اس پانی کو بڑا متبرک سمجھتے تھے جو سومنات کا غسل ہونے پر نالیوں میں بہہ کر آتا تھا۔ اس پانی کا ایک قطرہ بھی ضائع نہ ہونے دیا جاتا تھا۔ اس کی ایک ایک بوند عقیدت مند ہندو چاندی اور دوسری دھاتوں کی لٹیوں میں بھر لیتے تھے۔ لیکن انہیں اس پانی کے حاصل کرنے میں بڑی جدوجہد کرنی پڑتی تھی اور پنڈوں کو دان (خیرات) کی صورت میں کثیر رقمیں بھی دینی ہوتی تھیں۔

پنڈے زور زور سے زنجیروں کو کھینچ رہے تھے۔ گھنٹوں اور گھنٹیوں کی آواز گونج رہی تھی۔ عوام الناس کو معلوم ہو گیا تھا کہ سومنات کو غسل دیا جانے والا ہے۔ جس روز سومنات کو غسل نہ دیا جاتا تھا اس روز دن چھپتے ہی اس کی پوجا شروع ہو جاتی تھی۔ لیکن جس روز غسل دیا جاتا تھا اس روز پوجا کے وقت یعنی دن چھپتے ہی غسل کا اہتمام ہوتا تھا اور غسل سے فراغت کے بعد پوجا ہوتی تھی۔

گھنٹوں کی پرشور آواز گونج رہی تھی کہ دفعتاً سومنات کی جے کا نعرہ بلند ہوا۔ لوگ ابھرا ابھر کر نعرہ لگانے والوں کو دیکھنے لگے۔

باب ٦

نظارۂ غسل

اس وقت چاند کافی بلند ہو چکا تھا۔ مندر کے تمام صحن میں چاندنی نے سفید چادر بچھا دی تھی۔ آسمان سے زمین تک نور کی بارش ہو رہی تھی۔ مندر کی سفید مخروطی لاٹ چاندنی میں ایسی معلوم ہو رہی تھی جیسے دودھ میں نہا رہی ہو۔

تمام زائرین پر چاندنی بکھر رہی تھی۔ چونکہ سب نے سفید یا رنگ دار اچھے کپڑے پہن رکھے تھے اس لئے ان کے لباس بھی چاندنی میں نہا رہے تھے۔ خصوصاً عورتوں اور نوخیز لڑکیوں کے لباس اور قیمتی زیورات جگمگا رہے تھے۔ ان کی صورتیں بھی دلفریب معلوم ہو رہی تھیں۔

اس وقت چندر موہنی اپنی قیام گاہ سے مندر میں داخل ہونے کے لئے چل پڑی تھی۔ اس کے ساتھ اس کی پری جمال سہیلیوں اور چنچل کنیزوں کا لشکر تھا۔ کئی سپاہی ہجوم کو چیر کر راستہ بناتے ہوئے آگے جا رہے تھے۔

جس شخص کو معلوم ہو جاتا کہ راجکماری آ رہی ہے وہ خود ہی دب جاتا اور جب راجکماری قریب آتی تو وہ اس کی تعظیم کے لئے جھک جاتا۔ عورتیں اور لڑکیاں اسے پرنام (سلام) کرتیں۔

اس وقت چندر موہنی سیاہ ریشمی ساڑھی میں ملبوس تھی جس کے حاشیوں پر سنہری بیل لگی ہوئی تھی۔ جواہرات کے ہار پہنے تھی۔ کانوں میں آبدار موتیوں کے گوشوارے تھے۔ جواہرات کی ضو نے چاندنی میں مل کر اس قدر چمک پیدا کر دی تھی جس سے اس کے آتشیں رخسار چمکنے لگے تھے اور آسمانی چاند کے سامنے زمین پر بھی ایک چاند چلتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

اس کی سہیلیاں بھی نہایت خوبصورت پوشاکیں اور آبدار موتیوں کے زیورات پہنے چاند کے ٹکڑے معلوم ہو رہی تھیں۔ خصوصاً کامنی نہایت ہی حسین و جمیل نظر آ رہی تھی۔

کنیزیں بھی بہ حیثیت اچھا لباس پہنے تھیں اور وہ بھی کافی خوبصورت معلوم ہو رہی تھیں جیسے

پریاں چلی جا رہی ہوں۔ لوگ اس وقت تک مصروف نظارہ رہتے تھے جب تک وہ یا ان کے لباس نظر آتے رہتے تھے۔

لوگ چندر موہنی کو دیکھنے کے لئے ہمہ تن شوق بن جاتے تھے لیکن جب وہ سامنے آتی تھی تو ان کی نگاہیں کچھ رعبِ حسن اور کچھ رعبِ امارت سے خود بخود جھک جاتی تھیں اور وہ پیکرِ نور اُن کے پاس نہایت آہستگی اور سبک خرامی سے گزر جاتی تھی۔

جس وقت چندر موہنی بت کو دیکھنے کے لئے اندر داخل ہوئی اسی وقت سومنات کی جے کا نعرہ بلند ہوا تھا۔ یہ نعرہ ان برہمنوں نے لگایا تھا جو اپنے کندھوں پر گنگا جل لئے چلے آ رہے تھے۔ یہ تقریباً ڈیڑھ سو برہمن تھے۔ ہر برہمن کے کندھے پر چھوٹی سی بہنگی رکھی تھی جس میں دو دو چاندی کی صراحیاں تھیں اور ان صراحیوں میں گنگا کا پانی تھا۔

ان برہمنوں کو آتے ہوئے دیکھتے ہی لوگوں نے ان کے لئے راستہ چھوڑ دیا اور وہ تیزی سے چل کر صحن کو عبور کر کے مندر کے اندر داخل ہوئے۔

پانی لینے کے لئے مہا پجاری چاندی کی کھڑانویں پہن کر پنڈوں کی فوج کے ساتھ آگے بڑھ آیا۔ پنڈوں نے ہاتھوں ہاتھ پانی لیا اور سومنات کی طرف بڑھے۔

اب زنجیر کھینچنی بند کر دی گئی اور گھنٹوں کی پُر شور آواز بند ہو گئی۔ لوگوں نے سمجھ لیا کہ اب غسل کا اہتمام شروع ہو گیا ہے۔

پنڈوں نے چاندی کے بڑے کلسوں (گھڑوں) میں پانی چھان چھان کر بھرنا شروع کیا۔ اس وقت پچھلے بڑے ہال میں سے تقریباً تین سو سازندے اپنے اپنے ساز لے کر آ گئے اور سب سے پہلے درجہ میں نہایت ادب سے بیٹھ کر ساز بجانے لگے۔

ان تمام سازوں کی ہم آہنگی سے عجب سرور انگیز آواز بلند ہوئی جس نے سننے والوں کو مسحور کر دیا۔

کچھ دیر تک باجے بجتے رہے اور لوگ ان کی لے کے سرحدِ کیف میں غرق رہے۔ جب دفعتاً انہوں نے سازوں کو بجانا بند کر دیا تو ایک مرتبہ پھر خاموشی چھا گئی۔

اس خاموشی کے عالم میں پانچ سو نو عمر دوشیزہ پری جمال لڑکیاں اس ہال سے برآمد ہوئیں جس سے سازندے آئے تھے۔

یہ تمام لڑکیاں نہایت خوشنما لباس اور آبدار جواہرات کے زیورات پہنے تھیں۔ چونکہ سب خوبرو تھیں، اس لباس اور ان زیورات میں اور بھی خوبصورت معلوم ہو رہی تھیں۔

یہ پری جمال لڑکیاں سومنات مندر کی داسیاں تھیں۔ ان میں زیادہ خوش جمال دوشیزائیں امیر گھرانوں کی لڑکیاں تھیں جب کہ بعض مہ پارہ راجکماریاں تھیں۔

جو لڑکی کسی مندر کی داسی بنالی جاتی تھی وہ شادی نہیں کرسکتی تھی۔ مذہبی قانون انہیں ازدواجی زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ ان میں جو نیک اور صاحبِ عصمت ہوتی تھیں وہ تو اپنے جذبات پر قابو پا کر جوانی دیوانی کے پرآشوب عالم کو نیک نامی کے ساتھ گزار دیتی تھیں اور جب وہ عمر کی پختگی کو پہنچتی تھیں اور حسن وشباب کی رَوان پر سے گزر جاتی تھی تو وہ جوگنیں بن جاتی تھیں۔ لیکن جو جوانی کے جذبات کی رَو میں بہہ جاتی تھیں، وہ کسی پنڈے یا سازندے سے تعلق پیدا کر کے گناہ و عصیاں کے بحرِ عمیق میں گر جاتی تھیں اور جب گناہ کا ثمر ظاہر ہوتا تھا تو یا تو خودکشی کر لیتی تھیں یا کسی کے ساتھ بھاگ جاتی تھیں۔ کبھی کبھی مندر کے پشت کی طرف سمندر میں نوجوان لڑکیوں کی لاش تیرتی نظر آتی تھی جسے نہایت خاموشی سے نکال کر جلا دیا جاتا تھا۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ تمام داسیوں کے ہر قسم کے اخراجات مندر سے ادا کئے جاتے تھے، عمدہ لباس اور قیمتی زیورات ان کے لئے مہیا کئے جاتے تھے۔

سومنات مندر کے متعلق دو ہزار گاؤں وقف تھے۔ ان مواضعات کی آمدنی زیادہ تر پنڈوں، سازندوں اور داسیوں پر ہی صرف کی جاتی تھی یا ان برہمنوں کو بھی اس میں سے بھاری تنخواہیں دی جاتی تھیں جو روزانہ چھ سو میل سے گنگا کا پانی سومنات کے غسل کے لئے لاتے تھے۔

داسیوں نے آتے ہی گروہ گروہ ہو کر ناچنا شروع کر دیا۔ سازندوں نے پھر ساز بجانے شروع کئے۔ پھر ان کی پُرکیف آواز فضا میں ترنم پیدا کرنے لگی۔

داسیوں کو بہترین قسم کے ناچ سکھائے جاتے تھے۔ انہوں نے اپنے ناچ سے دیکھنے والوں کو حیران کر دیا۔

ناچنے کے بعد انہوں نے گانا شروع کیا۔ سب خوش آواز اور فن موسیقی سے ماہر تھیں۔ ایسے لہجے میں گانا شروع کیا جسے سن کو لوگ سن ہو کر رہ گئے۔ فضا میں ترنم ہی ترنم پھیل گیا۔ کیف وسرور کی بارش ہونے لگی۔ در و دیوار سے نغمے پھوٹ نکلے اور سامعین کی روحیں موسیقی کے سمندر میں بہہ گئیں۔

ان کے گیت کا مفہوم یہ تھا:

''اے وہ، جس کی عبادت کے لئے سمندر (۱) رات کو ابھرتا ہے، جس کے پوتر استھان میں

۱۔ ہندوؤں کا یہ عقیدہ تھا کہ سمندر میں جوار بھاٹا (مدوجزر) نہیں بلکہ سمندر رات کے وقت جوشِ عقیدت سے ابھر کر سومنات کی پرستش کرتا ہے۔ (تاریخ ہندوستان جلد اول صفحہ ۲۸۷)

مُردوں کی روحیں جون بدلنے کی اجازت لینے آتی ہیں۔ جس کی طرف آسمان سے چاند سورج اور تارے جھانکتے ہیں، نہایت ہی مبارک ہے اور وہ جو اس مہادیوتا کی زیارت کرنے کے لئے آتے ہیں وہ روشنی لے کے شاد کام واپس جاتے ہیں۔

''وہ جو حسنِ عقیدت سے تیرے چرنوں (قدموں) میں سر جھکاتے ہیں وہ بھی مبارک ہیں۔ آج کیسی خوشگوار رات ہے۔ پورن ماشی کا چاند پوری آب و تاب سے نکلا ہوا نور کی بارش کر رہا ہے۔

''آسمان سے زمین تک نور بکھرا ہوا ہے۔ تیرے سیوکوں (خادموں)، عقیدت مندوں اور پجاریوں پر نور برسا رہا ہے۔ وہ بھی نہایت ہی مبارک ہیں۔

''ہم تجھے غسل دینے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ گنگا جل میں تجھے اشنان کرائیں گے، تُو ہماری تمنائیں پوری کر۔ ہمارے دکھوں کو مٹا، غموں کو ہٹا، خوشی سے نہال کر، ہم پر مسرت و شادنی کی بارش کر۔''

یہ گیت گا کر تمام داسیاں سر جھکا جھکا کر کھڑی ہو گئیں۔

اب پنڈوں کی فوج آگے بڑھی اور انہوں نے غیر مفہوم زبان میں کچھ پڑھنا شروع کیا۔ مہا پجاری بھی ان کے درمیان میں آنکھیں بند کئے پڑھ رہا تھا۔ تمام پنڈوں کی داڑھیاں لمبی اور گنجان تھیں۔ چونکہ وہ مختلف عمروں کے تھے اس لیے داڑھیوں کے رنگ بھی مختلف تھے۔ کسی کی سیاہ داڑھی تھی، کسی کی کھچری اور کسی کی سفید۔

چندر موہنی سہیلیوں اور کنیزوں کے جھرمٹ میں ایک طرف کھڑی دیکھ رہی تھی۔ اگر چہ اس کمرہ میں جس میں سومنات کا بت تھا بالکل ہی روشنی کا انتظام نہ تھا لیکن جواہرات اور لعلوں کی ضو سے اس قدر روشنی ہو رہی تھی کہ دن سا نکلا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

پنڈوں نے تھوڑی دیر گنگنا کر چاندی کے کلسے اٹھائے۔ کئی پنڈے اس چبوترہ پر چڑھ گئے جس پر سومنات کھڑا تھا اور انہوں نے باقاعدہ اسے غسل دینا شروع کیا۔

پانی لینے کے لئے کش مکش شروع ہوئی۔ آدمی پر آدمی گرنے لگا۔ ادھر پنڈوں نے پانی پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ لوگوں نے ان کی خوشامدیں کرنی اور انہیں خیرات کے بہانہ سے رشوتیں دینی شروع کیں۔

تھوڑی دیر بعد میں غسل ہو گیا اور مہا پجاری نے ناقوس پھونکا۔ ناقوس کی آواز سنتے ہی تمام لوگ سیدھے کھڑے ہو گئے اور جب ناقوس بند ہوا تو جو شخص جس جگہ عمارت کے اندر یا صحن میں کھڑا تھا

وہیں سجدہ میں گر گیا۔ اس طرح سومنات کی عبادت بھی ختم ہوئی اور اب لوگ مندر میں سے نکل نکل کر اپنی اپنی قیام گاہوں کی طرف جانے لگے۔

تائیدِ غیبی:

چونکہ مندر کے اندر تقریباً ساٹھ ہزار آدمی تھے اس لئے انہیں واپس جانے میں کافی وقت لگ گیا۔

جب کچھ بھیڑ کم ہوئی تب چندر موہنی کے مہا پجاری نے اس کی چاندسی پیشانی پر تلک لگایا۔ راجکماری نے اپنے گلے سے ایک موتیوں کا ہار اتار کر مہا پجاری کی نذر کیا۔ اس ہار کی قیمت اس دور کے مطابق چار پانچ ہزار روپے سے کم نہ تھی۔

مہا پجاری نے ہار لے کر اسے دعا دی اور اس کے ضوفشاں چہرہ کی طرف ٹکٹکی لگا دی۔

چندر موہنی نے اسے تیز نظروں سے اپنے رخِ تاباں کی طرف گھورتے ہوئے دیکھا۔ وہ شرما گئی۔ اس کے بعد کامنی بڑھی۔

مہا پجاری نے اس کی پیشانی پر بھی تِلک لگایا۔ اس نے بھی موتیوں کی ایک مالا بھینٹ میں دی۔

کامنی کے بعد چندر موہنی کی تمام سہیلیوں نے مہا پجاری سے تِلک لگوایا اور ان میں سے ہر ایک نے اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ دیا۔

اس ایک ہی دن میں مجموعی طور پر مہا پجاری کو دس بارہ ہزار روپے کی مالیت کا سامان مل گیا۔ کنیزوں کے پنڈوں نے ٹیکے لگائے اور انہیں بھی دان کے طور پر کچھ نہ کچھ مل گیا۔

اب چندر موہنی چلی۔ جب وہ صحن میں آئی تب کامنی نے سرگوشی کے لہجہ میں چندر موہنی سے کہا:

''کیا آپ اس جنگل تک تنہا چلنے کی جرأت کر سکتی ہیں؟''

چندر موہنی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

''کیا اس وقت؟''

کامنی: ''ہاں اس وقت۔''

چندر موہنی: ''کس لیے؟''

کامنی: ''ایک جوگن آپ سے ملنا چاہتی ہے۔''

چندر موہنی نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا:

''جوگن مجھ سے ملنا چاہتی ہے؟؟''

فوراً ہی اسے خیال ہوا کہ کہیں شوبھا دیوی تو نہیں آ گئی ہے۔

وہ شوبھا دیوی سے ملنا چاہتی تھی۔ اس سے یہ بات معلوم کرنے کے لئے کہ اگر وہ راجکماری نہیں ہے تو پھر کون ہے۔

جب سے شوبھا دیوی نے اسے بتایا تھا کہ وہ راجکماری نہیں ہے اس وقت سے اس کے دل میں یہ بات معلوم کرنے کی خلش پیدا ہو گئی تھی کہ وہ پھر کون ہے اور کیوں سومنات کے مہاراجہ نے اسے اپنی بیٹی بنا کر پرورش کیا ہے۔

کامنی کو اس بات کا علم نہ تھا کہ وہ شوبھا دیوی جوگن سے ملنے کے لئے بے چین ہے۔ اس نے جوگن کے ملنے کا بہانہ اس لئے کیا تھا کہ اسے معلوم تھا کہ چندر موہنی جوگنوں سے عقیدت رکھتی ہے۔ وہ اس سے ملنے کے لئے جنگل میں جانے پر رضامند ہو جائے گی۔

لیکن جب چندر موہنی نے حیرت ناک لہجہ میں اس سے دریافت کیا کہ جوگن مجھ سے ملنا چاہتی ہے؟؟ تو اسے شک ہوا کہ ضرور کسی جوگن سے چندر موہنی کے رازدارانہ تعلقات ہیں۔ اس نے کہا:

''میں شام کے وقت بے مدعا جنگل کی طرف جا نکلی تھی۔ اس خیال سے کہ اس جنگل میں ایسے سادھو اور ایسی جوگنیں مل جاتی ہیں جو ہر وقت پرماتما (خدا) کی یاد میں محو و مصروف رہتی ہیں، شاید ان میں سے کوئی مجھے بھی مل جائے ....''

چندر موہنی نے مسکرا کر کہا:

''اور اسی سے اپنی شادی کے متعلق کچھ دریافت کر سکے!''

کامنی شرما گئی۔ وہ حسین بھی تھی اور معصوم بھی معلوم ہوتی تھی۔ اس کی بھولی صورت دیکھ کر کوئی بھی یہ بات نہ سمجھ سکتا تھا کہ وہ چالاک بھی ہے۔

کامنی نے اپنی شرمیلی نظریں اٹھا کر کہا:

''کامنی!! کوئی نہیں جانتا کہ کیا ہونے والا ہے۔ جب سے سلطان محمود کے حملہ کی خبر سنی ہے دل کچھ بے چین رہتا ہے۔''

کامنی: ''بے چینی اور پریشانی کی تو کوئی بات نہیں ہے۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں راج کماری جی کہ سومنات جی کے فدائیوں کا کس قدر لشکر جمع ہو گیا ہے۔ میرے خیال میں تو جب اس ملیچھ راجہ (سلطان

محمود) کو اس لشکر کی فراہمی کا حال معلوم ہوگا تو وہ یہاں آنے کی جرأت ہی نہ کرے گا۔''

چندر موہنی: ''میں بھی اس خیال سے اپنے دل کو تسلی دینا چاہتی ہوں لیکن نہیں ہوتی۔ مہاراجہ اور مہارانی بھی سخت متفکر اور بہت زیادہ پریشان ہیں۔''

کامنی: ''میں جانتی ہوں۔ پریشان ساری ہی قوم ہے لیکن کیا سومنات جی اپنے سیوکوں اور پجاریوں کی مدد نہ کریں گے۔ کیا سلطان محمود اس قلعہ اور اس شہر کو بھی فتح کرلے گا؟''

چندر موہنی: ''اگر کچھ ڈھارس ہوتی ہے تو ایک اِسی بات سے لیکن.......... خیر جو ہونا ہے ہو کر رہے گا۔ ہاں تو تُو اس جنگل میں گئی اور..........''

کامنی نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا:

''میں غلطی سے ایک گلی کے اندر گھس گئی۔ اس کے دونوں طرف بے شمار درختوں کی قطاریں تھیں۔ اگرچہ اس وقت آفتاب نکلا ہوا تھا لیکن وہاں اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ مجھے خوف معلوم ہوا اور میں واپس لوٹی۔ مگر حسنِ اتفاق سے دوسری گلی میں ہولی اور جب مجھے معلوم ہوا کہ میں راستہ بھول گئی ہوں تو سخت پریشان ہوئی۔''

چندر موہنی: ''اس جنگل میں کوئی رہتا ہی نہیں ہے۔ کامنی پھر ایسا گنجان اور تاریک جنگل ہے کہ خدا کی پناہ۔''

کامنی: ''لیکن کچھ ایسا دل کش بھی ہے کہ اسے دیکھتے ہی چلے جانے کو جی چاہتا ہے۔''

چندر موہنی: ''اچھا جب تو پریشان ہوئی تب کیا ہوا؟''

کامنی: ''فوراً ہی مجھے ایک جوگن مل گئی۔ شاید اس نے میرے چہرہ سے میری پریشانی کا حال معلوم کرلیا۔ اس نے مجھے تسلی دی اور کہا:

''تمہیں گھبرانا اور پریشان نہیں ہونا چاہیے۔'' اس جنگل کے چپہ چپہ پر خدارسیدہ سادھو اور جوگنیں بکھری پڑی ہیں۔ وہ مجھے قریبی راستہ سے جنگل سے باہر نکال لائی اور رخصت ہوتے وقت کہنے لگی کہ راجکماری سے کہنا کہ وہ آج ہی اپنے فائدہ کے واسطے مجھ سے یہاں آکر ملیں۔ میں انہیں ایک بات بتاؤں گی جسے سن کر انہیں سخت حیرت ہوگی۔''

چندر موہنی: ''میں چلوں گی۔''

کامنی: ''تو چلئے لیکن تنہا۔''

چندر موہنی نے سہیلیوں اور کنیزوں سے کہا:

''تم قیام گاہ پر چل کر میرا انتظار کرو، میں ابھی آتی ہوں۔''

تمام لڑکیاں چلی گئیں اور یہ دونوں مندر کے اس دروازہ کی طرف روانہ ہوئیں جو جنگل کی جانب تھا۔ دروازہ کے قریب پہنچ کر کامنی نے کہا:

''صدر دروازہ سے تو جانا ٹھیک نہیں ہے۔ آؤ چھوٹے دروازہ سے نکل چلیں۔''

اس مندر کے ایک طرف سمندر تھا اور تین طرف عالی شان دروازے تھے لیکن تینوں طرف دروازے چھوٹے چھوٹے بھی تھے۔ چنانچہ یہ دونوں لڑکیاں ایک چھوٹے فروش دروازہ سے نکل کر جنگل کی طرف روانہ ہو گئیں۔

ہر طرف چاندنی تجلی ریز تھی۔ ہر چیز نور میں نہا رہی تھی۔ ہوا ساکن تھی اور اس لئے درخت خاموش کھڑے تھے۔

جنگل مندر سے کچھ زیادہ دور نہ تھا۔ وہ بہت جلد جنگل میں داخل ہو گئیں۔ یہاں اندھیرا تھا۔ نور پاش چاندنی کو گنجان درختوں میں شاخوں اور پتوں نے اوپر ہی روک لیا تھا۔

لیکن جہاں درخت کثرت سے نہ تھے وہاں چاندنی پھیلی ہوئی تھی اور قدرے روشنی تھی۔ اس وقت جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔ چندر موہنی کو خوف معلوم ہوا۔ اس نے کہا: ''واپس چلو کامنی!!''

یہ دونوں چند ہی قدم چلی تھیں کہ درختوں میں کچھ کھٹکا ہوا اور یہ دونوں کھڑی ہو کر خوف زدہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

یہاں درخت کم تھے اور چاندنی پتوں اور شاخوں سے چھن چھن کر گر رہی تھی۔ دفعتاً ایک دراز قد سیاہ پوش قریب کی جھاڑی سے نکل کر ان دونوں کے پاس آیا اور یہ دونوں اسے دیکھ کر کانپ گئیں۔

آنے والے نے پاس آ کر کہا:

''راجکماری!! شکر ہے تم آ گئیں۔''

دونوں نے فوراً ہی شناخت کر لیا۔ وہ سکھدیو تھا۔ چندر موہنی نے کامنی کی طرف دیکھا۔ وہ شرمسار معلوم ہو رہی تھی۔

چندر موہنی نے جرأت کر کے کہا:

''ہاں میں آئی ہوں مگر تم سے ملنے کے لئے نہیں۔''

سکھدیو: ''میں جانتا ہوں۔ مجھ غریب سے ملنے کے لئے تم کیوں آتیں۔ یہ تو میرا جذبۂ دل تمہیں یہاں کھینچ لایا ہے۔''

چندر موہنی: ''میں ایک جوگن سے ملنے آئی ہوں..................''

سکھد یو: ''لیکن خوش قسمتی سے مجھ سے ملاقات ہوگئی۔اب تمہیں انہلواڑہ چلنا ہوگا۔''

چندر موہنی: ہرگز نہیں، میں ہرگز وہاں نہ جاؤں گی۔''

اس نے جوش اور غصہ کے لہجہ میں کہا:

سکھد یو: ''میں جانتا ہوں تم خوشی سے ہرگز میرے ساتھ چلنے پر رضامند نہ ہوگی۔اسی لئے میں نے یہ جال پھیلایا اور تم اس جال میں پھنس گئیں۔''

چندر موہنی اب تک یہ بات نہ سمجھی تھی کہ کامنی اسے دھوکہ دے کر یہاں لائی ہے لیکن اب اس کی سمجھ میں آگیا۔اس نے کامنی سے مخاطب ہوکر کہا:

''کیوں کامنی!! تم مجھے اس جال میں پھنسانے کے لئے لائی تھیں؟''

کامنی نے کوئی جواب نہ دیا۔سکھد یو نے کہا:

''نہیں کامنی اس سازش میں شریک نہیں ہے۔''

چندر موہنی: ''لیکن اس کی خاموشی اس کے اعترافِ قصور کی شہادت دے رہی ہے۔''

سکھد یو: ''میں فضول باتوں میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔تم میرے ساتھ خوشی سے چلتی ہو یا نہیں؟''

چندر موہنی: ''سنو سکھد یو میں تمہارے ساتھ نہیں جاسکتی اور اگر تم نے حماقت کی تو اس کا خمیازہ بھگتو گے۔انہلواڑہ تباہ ہوجائے گا۔یہ وقت خانہ جنگی کا نہیں ہے۔''

سکھد یو: ''میں پہلے ہی جانتا تھا کہ تم آسانی سے نہ مانو گی۔''

یہ کہتے ہی وہ چندر موہنی کی طرف بڑھا۔معصوم راجکماری کانپ گئی لیکن فوراً ہی اس کا خوف دور ہوگیا۔جسم میں نئی قوت محسوس ہوئی اور وہ مقابلہ کے لئے تیار ہوگئی۔

سکھد یو نے اس کے پاس آکر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے اٹھانا چاہا کہ دفعتاً قریب کی جھاڑیوں میں کچھ کھٹکا ہوا اور ایک آواز آئی: ''خبردار..................!!''

سکھد یو نے جلدی سے مڑ کر دیکھا۔کامنی اور چندر موہنی کی نگاہیں بھی اٹھ گئیں۔شوبھا دیوی جوگن ترشول ہاتھ میں لئے اسی طرف آرہی تھی۔اس کے چہرہ سے جوش وجلال ظاہر تھا۔

چندر موہنی نے اسے دیکھتے ہی چلا کر کہا:

''ماتا شوبھا دیوی!! مجھے اس راکشس (ظالم) سے بچاؤ۔''

شوبھا دیوی سکھد یو اور چندر موہنی کے درمیان آکھڑی ہوئی اس نے کہا:

''بیٹی !! نہ گھبراؤ۔ میری موجودگی میں یہ تمہیں آزار پہنچانے کی جرأت نہیں کرسکتا۔''

سکھدیو نے جوش میں آکر کہا:

''ماتا تم میرے معاملہ میں دخل نہ دو۔''

شوبھا دیوی نے سنجیدگی سے کہا:

''میں ہرگز بھی نہ بولتی اگر تم یہ نازیبا حرکت نہ کرتے۔ تم نے شام کے وقت اس سازش کا جال پھیلایا۔ اتفاق سے مجھے معلوم ہوگیا۔ میں نے انتظام کرلیا۔ سکھدیو بہتر یہی ہے کہ تم چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔ میں چندر موہنی سے وعدہ لے لوں گی کہ وہ اس واقعہ کا تذکرہ کسی سے نہ کرے گی۔''

سکھدیو: ''لیکن اگر میں آپ کا کہنا نہ مانوں تو!''

شوبھا دیوی: ''تم اور تمہاری بہن کامنی دونوں گرفتار کر کے مہاراجہ کے حضور میں پیش کردیئے جاؤ گے۔''

سکھدیو: ''گویا تمہارے ساتھ اور آدمی بھی ہیں۔''

شوبھا دیوی: ''ہاں اور وہ میرے اشارہ کے منتظر ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ تم بدنام ہو۔ جب تم اپنی بہن کامنی سے شام کے وقت باتیں کررہے تھے اتفاق سے میں قریب تھی اور میں نے تمہاری سازش معلوم کرلی تھی۔''

سکھدیو کچھ سوچنے لگا۔ شوبھا دیوی نے کہا: ''سوچنے کا وقت نہیں ہے یا تو تم چپ چاپ رخصت ہوجاؤ یا گرفتاری کے لئے تیار ہوجاؤ۔''

سکھدیو: ''لیکن چندر موہنی؟''

شوبھا دیوی: ''وہ بالکل خاموش رہے گی۔ بیٹی چندر موہنی !! اقرار کرو کہ تم اس واقعہ کا ذکر کسی سے نہ کرو گی۔''

چندر موہنی: ''میں اقرار کرتی ہوں۔''

سکھدیو: ''اور کامنی ....؟''

چندر موہنی: ''وہ بدستور میری سہیلی رہے گی۔''

سکھدیو چلا گیا۔ شوبھا دیوی، چندر موہنی اور کامنی کو ساتھ لے کر چلی اور مندر کے دروازہ پر پہنچ کر بولی:

''میں کل ہی یہاں آئی ہوں۔ راجکماری !! ایک دو دن میں تم سے ملوں گی۔''

یہ کہہ کر وہ واپس لوٹ گئی چندر موہنی اور کامنی مندر کے اندر چلی گئیں۔

باب ۷

صعوباتِ سفر

غازی سلطان محمود کے لشکر کی نقل وحرکت پر ہندوستان کے تمام راجاؤں کی نظر تھی۔ جب سے یہ شیر دل مجاہد حدودِ ہندوستان میں داخل ہوئے تھے اسی وقت سے ان کی اوران کے سرفروش لشکر کی ہندوستان میں آمد کی دھوم مچ گئی تھی۔

چونکہ اس سے قبل وہ پندرہ حملے کر چکے تھے اور جس طرف ان کے لشکر کا رخ ہو گیا تھا ہندوستان کے بہادران کے سامنے سے شکست کھا کر بھاگ گئے تھے اس لئے عام ہندوؤں کے دلوں پران کی ہیبت چھا گئی تھی۔

جب سلطانی لشکر ملتان سے اجمیر شریف کی طرف روانہ ہوا تو ان راجاؤں نے اطمینان کا سانس لیا جو دوسری نواح میں تھے۔

لیکن سومنات کے مہاراجہ نے ہندوستان کے طول وعرض میں یہ خبر پہنچا دی تھی کہ غازی سلطان محمود کا طوفانی حملہ سومنات پر ہی ہونیوالا ہے اس لئے عام راجہ اور سارے ہندو نہایت مضطرب اور پریشان ہو گئے تھے۔

سومنات ان کا کعبہ تھا۔ ہر ہندو کے دل میں اس مقام کی عزت وعظمت تھی۔ اسے بچانے کے لئے ہندوؤں میں عام شورش پھیل گئی اور بڑے بڑے بہادر اور جیالے راجپوت سروں پر کفن باندھ کر اور زعفرانی لباس پہن کر سومنات کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہندوؤں میں یہ قاعدہ تھا کہ جب وہ کسی جنگ کے موقعہ پر زعفرانی لباس پہن لیتے تھے۔ تو اس کا یہ مطلب ہوتا تھا کہ انہوں نے عہد کر لیا ہے کہ وہ یا تو فتح کر کے رہیں گے یا میدان جنگ میں مر جائیں گے۔

جو لوگ زعفرانی لباس پہن لیتے عوام ان کی بڑی عزت کرنے لگتے تھے۔ غرض ہندوستان کے ہر گوشہ سے جنگجو راجپوت سومنات پر سرفروشی کرنے کے لئے روانہ ہو رہے تھے۔

غازی سلطان محمود کو اُن کی اِن تیاریوں کی مطلق بھی خبر نہ تھی۔ ان کے ساتھ صرف تیس ہزار مجاہدین تھے لیکن یہ وہ لوگ تھے جو جانیں دینا اور جانیں لینا ہی جانتے تھے۔ میدان جنگ کو بازیچۂ اطفال سمجھتے تھے۔ جن کی زندگی سرفروشی کرتے گزر گئی تھی۔ جن کی تلواروں کی دھاک دشمنانِ اسلام کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ان سرفروش مجاہدوں نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس ریگستان میں قدم رکھ دیا تھا جو ملتان اور اجمیر شریف کے درمیان واقع تھا۔

جوں جوں وہ بڑھتے رہے خشک ہواؤں اور خشک میدانوں نے انہیں پریشان کرنا شروع کر دیا۔ جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی ریت کے تودے یا ریت کا سمندر بہتا ہوا نظر آتا تھا۔

آفتاب اس قدر تیزی سے چمکتا تھا اور دھوپ اس قدر سخت ہو جاتی تھی کہ تھوڑا ہی سا دن چڑھنے کے بعد سفر ناقابلِ برداشت ہو جاتا تھا۔ اوپر سے سورج کی تپش اور نیچے سے تپتا ہوا ریتلا میدان دس بیس قدم چلنا ہی دوبھر کر دیتے تھے۔ اس پر ستم بالائے ستم گرم ہوا کے تیز و تند جھونکے تھے۔

ان سرفروشان اسلام نے ایسا گلشنِ زار کاہے کو دیکھا تھا۔ انہیں اس سفر میں سخت تکلیف ہو رہی تھی۔ صبح آٹھ بجے سے لے کر رات کو آٹھ بجے تک آگ برستی رہتی تھی۔ کچھ رات گئے ٹھنڈ ہونے لگتی تھی اور کسی قدر چین نصیب ہوتا تھا۔

مرد تو خیر اِن صعوبتوں کو جوں توں برداشت کر رہے تھے لیکن عورتیں اور سیم تن لڑکیاں پھولوں کی طرح مرجھائی جاتی تھیں۔ اگرچہ ان کے آرام و راحت کا بہت کچھ خیال رکھا جاتا تھا۔ ان کی سواریوں پر دبیز پردے ڈال دیئے جاتے تھے تاکہ گرم ہوا اور دھوپ کی تیزی سے محفوظ رہیں لیکن گرمی انہیں پریشان کرتی تھی۔ ہر وقت پنکھے جھلتے رہتے پھر بھی پسینہ میں ڈوبی رہتی تھیں۔

لیکن باوجود ان تکلیفوں کے ان میں سے کسی کے لب سے شکایت کا کلمہ یا ناشکرگزاری کا کوئی لفظ نہ نکلتا تھا۔ نہایت صبر و استقلال سے منزلیں طے کر رہے تھے۔

ایک وہ مسلمان تھے جو جہاد کے اس قدر دلدادہ تھے کہ کسی تکلیف کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ سخت سے سخت صعوبتیں برداشت کر لیتے تھے۔ ایک ہم مسلمان ہیں کہ جہاد کا تو ذکر ہی کیا۔ اگر یہ بات بھی معلوم ہو جائے کہ اسلام اور مسلمانوں کی وجہ سے شاید قید و بند کی نوبت آ جائے تو اپنے بھائی مسلمانوں کو کچلوا دیں، پسوا دیں اور خود دور کھڑے تماشہ دیکھتے رہیں۔

کہاں گئے وہ لوگ جو حقیقت میں مسلمان تھے؟ آج بھی ہم ان کے کارنامے پڑھ کے اور سن کر غرقِ حیرت ہو جاتے ہیں۔

سچ یہ ہے کہ انہیں لوگوں سے شانِ اسلام تھی اور وہی پکے مسلمان تھے۔ ہم نام کے مسلمان

رہ گئے ہیں۔ بھلا جو لوگ نماز نہ پڑھیں، روزے نہ رکھیں، مسلمانوں کو اپنا بھائی نہ سمجھیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری نہ کریں کیا وہ مسلمان کہلانے کے مستحق ہیں؟

مسلمانو!! مسلمان بن جاؤ۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ آج تم دنیا کے قدموں پر گرتے ہو کل کو دنیا تمہارے قدموں پر آ پڑے گی۔

غازی سلطان محمود نے یہ دانشمندی کی تھی کہ تیس ہزار اونٹوں پر پانی، چارہ اور رسد لادلی تھی۔ اس خشک ریگستان میں کہیں گھاس کا تنکا بھی نہ تھا۔ پانی اور دوسری چیزوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

چونکہ سفر طویل تھا۔ اس لئے پانی نہایت احتیاط سے خرچ کیا جارہا تھا اور کیفیت یہ تھی کہ ادھر پانی پیا اور ادھر فوراً ہی پھر پیاس معلوم ہونے لگی۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ تین سو پچاس میل کا سفر تھا۔ لُو، گرمی اور ریت منزلیں طے نہ کرنے دیتے تھے۔ مشکل سے پندرہ میل روزانہ چلتے تھے۔ اس رفتار سے کم سے کم تیئس دن میں سفر طے ہوسکتا تھا۔ تیس ہزار سپاہی تھے اور ان کے لئے تیس ہزار ہی اونٹوں پر پانی بھرا تھا۔ گویا ایک سپاہی کے حصے میں ایک اونٹ کا پانی آیا تھا۔ پھر.......... گھوڑوں، اونٹوں اور دوسرے جانوروں کے لئے بھی وہی پانی تھا۔ اسی میں وضو وغیرہ کرنا، کھانا پکانا اور پینا غرض تمام کام کرتے تھے۔

اتنا تھوڑا سا پانی سولہ دنوں کے لئے کیسے کفایت کرتا؟ لیکن وہ زندگی قائم رکھنے کے لئے پانی پیتے تھے۔ جانتے تھے کہ جتنا بھی پانی پئیں گے پسینہ آ کر خارج ہوجائے گا اور پیاس لگنے لگے گی اس لئے صرف اتنا پانی پیتے تھے جس سے ہونٹوں کی خشکی دور ہوجائے اور حلق تر کرلیا جائے۔

اسی سفر میں جانور اور انسان سب ہی دبلے اور کمزور ہوگئے۔ لیکن مسلمانوں کی روحانی قوت بڑھ گئی اور ضبط و برداشت کی طاقت اس قدر آ گئی کہ سارا سارا دن بغیر پانی پیے گزر جاتا تھا۔

روزہ میں بھی یہی حکمت ہے کہ اس سے روحانی قوتیں بڑھ جاتی ہے۔

غازی سلطان محمود ہر نماز کے بعد دعا مانگتے:

''یا پروردگار!! میں نے مسلمانوں کو تیرا نام لے کر اس ریگ زار میں لا ڈالا ہے۔ انہیں ہلاک کر کے دنیا و آخرت میں مجھے روسیاہ نہ کرنا۔ غلطی میری ہے میں انہیں نادانستگی میں اس بے آب و گیاہ ملک میں لایا۔ اگر قصور کیا ہے تو میں نے، تُو سزا بھی مجھے ہی دے۔ ان مسلمانوں کو بچالے اور میرے ساتھ جو تو بہتر سمجھتا ہے وہ کرنا۔ یا اللہ العالمین!! تو خوب جانتا ہے کہ میری نیت خالص ہے۔ محض جہاد کے ثواب کے لئے اپنے عیش و آرام کو چھوڑ کر وطن سے دور دشمنوں کے ملک میں آیا ہوں۔ اے ارحم الرّحمین!! تیرے لطف و کرم کے بھروسہ پر، ہم پر مہربانی فرما!!''

برہان اور ہارون دونوں کافی کمزور ہو گئے تھے لیکن نوجوان تھے۔ جسموں میں اسلامی خون بہہ رہا تھا دلوں میں امنگ تھی۔ طبیعتوں میں جوش تھا۔ اس لئے نحیف وزار ہونے پر بھی وہی دم خم تھے جو پہلے تھے۔

اتفاق سے ایک روز برہان اس طرف نکل گیا جس طرف عورتیں تھیں۔ اس نے انیسہ کو دیکھا۔ اس کے احمری ہونٹوں پر خشکی سے سفید پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ گلِ تر جیسے شاداب رخسار پھولوں کی طرح مرجھا گئے تھے۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے۔ برہان کو اس کی یہ کیفیت دیکھ کر سخت رنج وقلق ہوا۔ اس نے کہا:

''انیسہ تم کس قدر بدل گئی ہو۔''

انیسہ نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

''اور تم جیسے بدلے ہی نہیں!''

برہان: ''میری بات رہنے دو۔ میں صنف قوی میں ہوں اور تم صنف.......... نازک ہو، کاش تم ساتھ نہ آتیں!''

انیسہ: ''اگر نہ آتی تو پیاس کی شدت کی تکلیف کا احساس کیسے ہوتا؟ پانی کی قدر کیسے جانتی؟''

برہان: ''کیا تمہارے پاس پانی نہیں رہا۔''

انیسہ: ''ہاں، آج صبح ختم ہو گیا ہے۔''

برہان: ''اوہ!! اور ابھی تو سفر بہت کچھ باقی ہے۔''

انیسہ: ''اللہ تعالیٰ مددگار ہے۔''

برہان: ''ٹھہرو میرے پاس کچھ پانی ہے میں لاتا ہوں۔''

انیسہ: ''اور تم کیا کرو گے۔''

برہان: ''میری زندگی سے تمہاری زندگی زیادہ قیمتی ہے۔ تم فکر نہ کرو۔''

یہ کہتے ہی وہ لوٹا اور جس قدر بھی اس کے پاس پانی تھا سب انیسہ کو جا دیا۔ انیسہ نے اسے ایسی شکر گزار نظروں سے دیکھا جس کی اسے کسی حالت میں بھی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ واپس لوٹ آیا اور سالم دن پیاسا رہا۔

دوسرے روز دور کچھ سبزہ نظر آیا۔ کچھ ہرے بھرے درخت بھی دیکھے۔ سمندر کے سفر کرنے والوں کو خشکی دیکھ کر وہ خوشی نہیں ہو سکتی جو ان نیم مردہ لوگوں کو سبزہ دیکھ کر ہوئی۔

انہوں نے اپنی رفتار بڑھا دی اور بہت جلد ریگستان سے نکل کر سبزہ زار میں آ گئے۔ یہاں

انہیں امن ملا۔ دھوپ کی تپش کم ہوگئی۔ پانی بھی مل گیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

اگلے روز وہ اجمیر شریف کے نواح میں پہنچ گئے۔ چونکہ وہ سب حد درجہ نحیف ہو گئے تھے اس لئے ستانے کے لئے اسی جگہ مقیم ہو گئے۔ جس ریگستان کو وہ طے کر کے آئے تھے اس کے مقابلے میں یہ سرزمین جنت زار تھی۔

شاندار کوچ:

اسلامی لشکر ستا کر تازہ دم ہو گیا۔ سپاہیوں کے چہروں پر رونق آ گئی اور ان کی سابقہ چستی پھر عود کر آئی۔ عورتیں اور لڑکیاں بھی شاداب پھولوں کی طرح تر و تازہ ہو گئیں۔

اس لق و دق اور کف دست میدان کو طے کرنے میں نہ کوئی انسان فوت ہوا اور نہ کوئی جانور مرا۔ سب صحیح و سالم اس وادیٔ موت سے نکل آئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہوئی تھی۔

غازی سلطان محمود نے ماہ ستمبر ۴۱۵ھ/۱۰۲۴ء کو غزنی سے کوچ کیا تھا اور ماہ اکتوبر ۱۰۲۴ء میں ملتان میں اتر گئے تھے۔ پھر نومبر کے آخر میں نواحِ اجمیر شریف میں جا پہنچے تھے۔

سلطان محمود نے اپنے تمام چھوٹے بڑے افسروں سے دریافت کر لیا کہ کوئی سپاہی بیمار یا کمزور تو نہیں رہ گیا ہے۔ جب انہیں یہ اطمینان ہو گیا کہ سب تندرست اور چاق و چوبند ہو گئے ہیں تب انہوں نے لشکر کو کوچ کی تیاری کا حکم دیا۔

مجاہدین نے تیاری شروع کر دی۔ ایک روز عصر کے وقت سلطان محمود نے خاص خاص افسروں کو اپنے خیمہ پر طلب کیا اور ان سے کہا:

''اب وہ سرزمین شروع ہوگئی ہے جس کے چپہ چپہ پر دشمنوں کے گروہ بکھرے ہوئے ہیں۔ ہر دستہ اور ہر سپاہی کو پوری احتیاط رکھنی چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ لشکر کے ساتھ ساتھ دشمن کی جمعیت رہے گی اور ہماری ذرا سی غفلت سے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گی۔ اس لئے سپاہیوں کو منتشر نہ ہونے دینا اور دشمنوں کی حرکت پر نگاہ رکھنا چونکہ سومنات ہندوؤں کا کعبہ اور مرجع خلائق ہے اس لئے اسے بچانے کے لئے ممکن ہے تمام ہندوستان ٹوٹ پڑے۔ یہ مہم دوسری مہموں کی طرح معمولی نہیں ہے بلکہ یہ وہ معرکہ ہے جو قیامت تک یادگارِ زمانہ رہے گا۔

''ہر سپاہی اور ہر افسر کو بڑے استقلال، بڑے جوش اور بڑی دلیری سے کام لینا چاہیے۔ میں نے لشکر کی تقسیم و ترتیب اس طرح سے کر دی ہے کہ ہراول میں ہارون اور برہان رہیں گے۔ میمنہ میں التونتاش، میسرہ میں امیر علی خویشاوند، ساقہ میں حاجب رہیں گے اور قلب میں خود میں رہوں گا۔

اگر اس ترتیب میں کسی ترمیم کی ضرورت ہو تو بتاؤ۔''

تمام افسروں نے کہا:

''نہایت مناسب ترتیب ہے اس میں ترمیم کی گنجائش نہیں ہے۔''

سلطان محمود: ''ہارون!! میں نے تمہیں ہراول میں اس لئے مقرر کیا ہے کہ تم اس نواح کے ہندوؤں کی زبان سمجھتے اور بول لیتے ہو۔ تمہیں چاہیے کہ جو قلعہ یا شہر آئے اس کے قلعہ دار کو سمجھاؤ کہ وہ ہماری مزاحمت نہ کرے۔ لشکر کو بہ عافیت گزر جانے دے۔ اگر کوئی اس بات کو نہ مانے تو اس پر فوراً حملہ کر دو اور راستہ کے کانٹے کی طرح اٹھا کر پھینک دو۔''

ہارون نے ادب سے کہا: ''عالی جاہ!! ایسا ہی ہوگا۔''

سلطان: ''لشکر کے ساتھ جس قدر عورتیں ہیں سب کو ایک ساتھ جمع کر دو اور وہ قلبِ لشکر میں رہیں۔ پانچ صد سواران عورتوں کی حفاظت و نگرانی کے لئے علیحدہ کر دیئے گئے ہیں۔''

سلطان کی ہر تدبیر معقول تھی۔ عورتوں کو قلب میں رکھنا اور ان کی حفاظت کے لئے جداگانہ لشکر متعین کر دینا عین دانشمندی تھی۔

اس مشورہ کے بعد یہ مجلس برخاست ہوگئی اور مغرب کی نماز پڑھ کر سپاہی کھانا تیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔

برہان اس وقت تنہا خیموں کی قطاروں کے درمیان سے گزر رہا تھا۔ اسلامی لشکر دور تک خیمہ زن تھا۔ میلوں کے گرد و نواح میں خیموں کا شہر بسا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

اگرچہ لشکر گاہ میں روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا لیکن چونکہ تمام سپاہی کھانا تیار کر رہے تھے اس لئے ہر خیمہ کے سامنے آگ روشن ہو رہی تھی اور اس روشنی میں لشکر گاہ حدِ انتہا تک نظر آ رہا تھا۔

سلطان محمود چاہتے تھے کہ لشکر کو پھیلے ہوئے دیکھ کر دشمن ان کی صحیح تعداد کا پتہ نہ لگا سکے۔ بلکہ دھوکہ میں رہے اسی لئے انہوں نے دور تک لشکر کو پھیلا دیا تھا اور تمام افسروں کو یہ ہدایت کر دی تھی کہ جس جگہ بھی جا کر قیام کریں نہایت کشادہ طور پر خیمے نصب کریں اور اپنے دستہ کے کچھ سپاہیوں کو لشکر کی حفاظت پر مامور کر دیں۔ دشمنوں کی طرف سے کسی وقت اور کسی حالت میں بھی غافل نہ رہیں۔

برہان چلا آ رہا تھا کہ اسے ہلکے قدموں کی چاپ معلوم ہوئی۔ اس نے پلٹ کر اپنی پشت کی طرف دیکھا۔

اس وقت چاند نکل آیا تھا اور چاندنی نے لشکر گاہ پر سفید نورانی چادر پھیلا دی تھی۔ برہان نے ایک لڑکی کو اپنے پیچھے آتے دیکھا۔ اس نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ وہ انیسہ تھی۔

برہان کھڑا ہوگیا۔انیسہ نے قریب آکر شوخی کے لہجہ میں کہا:

''اوہو،آپ ہیں!''

برہان کو خیال ہوا کہ شاید وہ کسی اور کی تلاش میں تھی اس لئے اس خیال سے اس کا قلب مجروح ہوگیا۔اس نے کہا:

''تم شاید کسی کی تلاش میں تھیں۔''

انیسہ: ''نہیں میں کسی کی تلاش میں نہ تھی مگرتم کس کی تلاش میں جارہے ہو؟''

برہان: ''میں تمہاری تلاش میں آیا تھا۔''

انیسہ ہنس پڑی۔اس وقت اس کی صورت چاندنی میں جگمگا رہی تھی۔آنکھوں سے بجلیاں خارج ہورہی تھیں۔اس نے کہا:

''میں خوب جانتی ہوں آپ کو!!''

برہان: ''شوخ انیسہ ....''

انیسہ: ''شریر برہان..................''

برہان: ''مجھے تم جو بھی خطاب دووہ قابل فخر ہے۔''

انیسہ: ''آخر کہاں جارہے تھے آپ؟''

برہان: ''اللہ تعالیٰ گواہ ہے۔میں تم سے ملنے کے لئے اس طرف آیا تھا۔''

انیسہ نے بھولی صورت بنا کر دریافت کیا:''کیوں؟''

برہان: ''جب تک تمہیں دیکھ نہیں لیتا دل کو بے چینی رہتی ہے۔''

انیسہ: ''جی درست ہے۔''

برہان: ''تمہیں یقین نہیں آیا؟ کیوں یقین آنے لگا،تم صنم ہو۔وہ صنم جس کی ہندو پوجا کرتے ہیں۔''

انیسہ نے مسکرا کر کہا:

''برہان کس قدر تعجب کی بات ہے کہ ہندو پتھروں کے بتوں کو پوجتے ہیں۔''

برہان: ''وہ احمق ہیں۔انہیں تو تمہاری پرستش کرنی چاہیے۔''

انیسہ نے شرما کر کہا:

''اب چل نکلے نہ آپ۔''

برہان: ''انیسہ !!تم پتھر کے بت سے بھی زیادہ سنگدل ہو۔''

انیسہ: ''یہ اپنی اپنی سمجھ ہے۔''

برہان: ''تم جانتی ہی نہیں محبت کیا ہے!''

انیسہ: ''اللہ تعالیٰ کسی کو اس پھیر میں نہ ڈالے۔''

برہان: ''جفا کیش!''

انیسہ نے ہنس کر کہا:

''اچھا سلام..........''

وہ چلی۔ برہان نے آواز دے کر کہا:

''اک ذرا ٹھہرو انیسہ !!''

انیسہ نے رک کر کہا:

''فرمایئے !!''

برہان نے اس کے پاس پہنچ کر کہا:

''آخر یہ بے مروتی کب تک رہے گی؟''

انیسہ: ''دیکھو شاید کوئی آ رہا ہے۔''

یہ کہتے ہی اس نے ایک زقند بھری اور بجلی کی طرح غائب ہو گئی۔ برہان چند لمحے کھڑا دیکھتا رہا پھر آگے روانہ ہو گیا۔

اسے انیسہ سے محبت تھی۔ بہت زیادہ محبت۔ وہ چاہتا تھا کہ انیسہ اس سے گھنٹوں نہیں بلکہ دنوں تک باتیں کیے جائے۔

اس سے اگلے ہی روز ہراول نے کوچ کر دیا۔ برہان اور ہارون پانچ ہزار لشکر کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

اس لشکر کے بھی انہوں نے دو ٹکڑے کر لئے تین ہزار ہارون نے اپنے تحت میں رکھا اور دو ہزار برہان کی سرکردگی میں دے دیا اور دونوں پانچ میل کے فاصلہ سے آگے پیچھے روانہ ہوئے۔

ہراول کے بعد دوسرے دن التونتاش اور امیر علی خویشاوند پانچ پانچ ہزار لشکر لے کر میمنہ اور میسرہ میں چل پڑے۔ ان دونوں نے بھی اپنے لشکر کو پانچ پانچ ٹکڑے کر دیئے گویا ایک ایک ہزار کے دستے بنا دیئے اور ہر دستہ دوسرے دستہ سے ایک میل کے فاصلہ سے روانہ ہوا۔ اس طرح یہ دونوں لشکر شاہی لشکر کے دونوں بازوؤں پر پانچ میل دوری میں پھیل گئے۔

سلطان محمود نے اپنے ساتھ قلب میں دس ہزار فوج رکھی۔ اس میں سے پانچ سو سوار عورتوں

کی حفاظت پر مقرر کر دیئے۔ پانچ سو سوار لشکر کی نگرانی پر متعین کیے اور بقیہ نو ہزار کو نو حصوں میں تقسیم کر دیا اور ان کو دستوں کے تین گروہ بنا کر ایک ایک میل کے آگے پیچھے روانہ کر دیئے۔ اس طرح شاہی لشکر تین میل کے فاصلہ میں پھیل گیا جس کے دونوں بازوؤں پر چند میل کی دوری پر التونتاش اور امیر علی جا رہے تھے، جو پانچ پانچ میل آگے پیچھے پھیلے ہوئے تھے۔ صاحب میر علی بھی پانچ ہزار سواروں کے ساتھ اتنی دور میں پھیل پھیل کر روانہ ہوا جس سے میمنہ، میسرہ اور قلب تینوں لشکروں کی حفاظت ہو سکے اور پیچھے سے دشمن آ کر کسی دستہ پر اچانک حملہ نہ کر سکے۔

غازی سلطان محمود اور ان کے ہوشمند افسروں کی دانش مندی سے تھوڑا سا لشکر آٹھ دس میل کی دوری میں پھیل گیا۔ جس سے دیکھنے والوں کو لشکر کی تعداد اصل سے چوگنی معلوم ہونے لگی۔

سب سے پہلے ہراول اجمیر شریف میں پہنچا۔ اجمیر شریف کے راجہ کو یہ بات پہلے ہی معلوم ہو گئی تھی کہ سلطان محمود کا لشکر طوفان کی صورت میں بڑھا چلا آ رہا ہے اور چونکہ مخبروں نے بیان کیا تھا کہ لشکر بے حد و بے شمار ہے اس لئے وہ مقابلہ کی جرأت نہ کر سکا بلکہ اس پر کچھ ایسی ہیبت چھائی کہ دارالسلطنت کو چھوڑ کر پہاڑوں میں گھس کر پناہ گزین ہوا۔

ہارون جب اجمیر شریف کے قلعہ میں داخل ہوا تو وہاں چڑیا بھی نہ تھی۔ تمام باشندے بھی بھاگ گئے تھے۔ تمام قلعہ ویران پڑا ہوا تھا۔ مسلمانوں کو ان کے بھاگ جانے سے بڑا افسوس ہوا۔ لیکن ساتھ ہی یہ خوشی بھی ہوئی کہ دشمنوں پر ان کا رعب اس قدر طاری ہو گیا ہے کہ وہ مزاحمت کرنے اور سد راہ ہونے کی جرأت نہیں کرتے۔ ہارون نے اجمیر شریف میں داخلہ اور راجہ کے بھاگ جانے کی اطلاع تمام سرداروں اور خود ظل اللہ سلطان محمود تک پہنچا دی۔

سب کو اس خبر کے سننے سے خوشی ہوئی۔ ہارون نے ایک روز اجمیر شریف میں قیام کیا اور دوسرے روز آگے روانہ ہو گیا۔ کئی روز سفر کرنے کے بعد تاراگڑھ پہنچا۔

تاراگڑھ کا قلعہ بھی نہایت بلند، وسیع اور مضبوط تھا۔ لیکن وہاں بھی مزاحمت کے آثار نظر نہ آئے اور ہارون اسے بھی چھوڑ کر حدودِ گجرات میں داخل ہو گیا۔ اسے راستہ میں کئی قلعے اور شہر ملے لیکن کہیں بھی کوئی ان کا سد راہ نہ ہوا۔ آخر وہ انہلواڑہ کے قریب جا پہنچے۔

چونکہ انہلواڑہ کا راجہ بڑا راجہ تھا اس لئے یہ خیال کر لیا گیا کہ وہ ضرور مزاحمت کرے گا اور مقابلہ پر آئے گا۔ ہارون انہلواڑہ کے قریب مقیم ہو گیا اور اس نے راجہ کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ ایک روز قیام کر کے دوسرے دن وہ پچاس جانبازوں کو لے کر مہاراجہ انہلواڑہ سے گفتگو کرنے کے لئے روانہ ہو گیا۔

باب ۸

گرفتاری

چونکہ ہارون کے ساتھ تھوڑا لشکر تھا اس لئے پرم دیو مہاراجہ انہلواڑہ نے اس کی ذرہ کے برابر بھی پرواہ نہ کی۔ یہاں تک کہ قلعے کے پھاٹک بھی بند نہ کرائے۔

انہلواڑہ کا قلعہ نہایت مضبوط، بڑا کشادہ اور بہت ہی اونچا تھا۔ اس کی فصیل پر راجپوت چڑھ گئے تھے اور وہ مسلمانوں کو دعوتِ جنگ دے رہے تھے۔ دروازوں پر پہرہ تھا۔

ہارون قلعہ کے اندر داخل ہوا۔ اس نے پہلی ہی نظر میں دیکھ لیا کہ قلعہ آسانی سے فتح ہونے والا نہیں۔ مضبوط بھی ہے اور لوگوں سے بھرا ہوا بھی ہے۔

راجپوت سپاہی مسلمانوں کو دیکھ کر اکڑ گئے تھے۔ نہایت شان سے ہتھیار لگائے ادھر ادھر آجا رہے تھے۔

ہارون اور اس کے ساتھی شیرانِ اسلام راجپوت سپاہیوں کو دیکھتے ہوئے بڑھے چلے گئے۔ چونکہ اس نواح کے ہندوؤں نے مسلمانوں کو نہ دیکھا تھا اس لئے عوام الناس بھی انہیں دیکھنے کے لئے امنڈ آئے تھے۔ تمام راستے ہندو مردوں اور عورتوں سے بھر گئے تھے۔ وہ ترکوں کو حیرت اور خوف بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

مسلمان نہایت بیباکی سے راہبروں کے ساتھ چل رہے تھے۔ دربار کو قصر شاہی کے نیچے سے راستہ جاتا تھا۔ شاہی عورتیں محل کے برآمدوں میں کھڑی ہوئی تھیں۔ ان میں کامنی بھی تھی اور اس کی والدہ مہارانی بھی تھی۔

کامنی نے پہلے بھی ہارون کو دیکھا تھا، وہ اسے دیکھتے ہی پہچان گئی۔ اس نے اپنی والدہ سے کہا:

''ماتا جی!!! اس ترک نے چندر موہنی کو ڈاکوؤں کے ہاتھوں سے بچایا تھا۔''

اس کی والدہ نے کہا:

"یہ تو بالکل نوجوان ہے۔ کیسا نڈر اور بے باک ہے۔ ہماری قوم کے سورماؤں کا اس کے دل پر بالکل بھی اثر نہیں پڑا ہے۔"

ایک اور عورت نے کہا:

"اور کیسا وجیہہ اور شاندار ہے۔ اس کے کپڑے تو دیکھو کیسے عجیب ہیں۔"

مہارانی: "مہا گرو کہتے تھے کہ سیر کے لئے آیا تھا۔ مگر یہ ضرور جاسوس بن کر آیا تھا۔"

اس عرصہ میں ہارون قصرِ شاہی سے گزر کر دربار کے دروازہ پر پہنچ گیا تھا۔ یہاں ہزاروں راجپوت قطار در قطار اپنے چوڑے کھانڈے کندھوں پر رکھے اور لوہے کی بڑی بڑی سیاہ ڈھالیں پشت پر ڈالے کھڑے تھے۔

چونکہ ہارون اور اس کے ساتھیوں کو دربار میں داخلہ کی اجازت مل چکی تھی اس لئے وہ در آنہ دربار میں داخل ہوا۔

دربار کا کمرہ نہایت وسیع اور کشادہ تھا۔ اس کی چھت بہت سے اونچے اونچے ستونوں پر استادہ تھی۔ درباری نیم برہنہ تھے اور انہوں نے زیورات سے عریاں جسم کو ڈھکنے کی بے سود کی کوشش کی تھی۔ وہ سب پورے ہتھیاروں سے مسلح تھے۔

پرم دیو کا سنگھاسن (تخت گاہ) کمرہ کی سطح سے تقریباً بارہ فٹ بلند تھا۔ گویا وہ اپنے درباریوں سے بارہ فٹ کی اونچائی پر ایک کشتی نما تخت پر نہایت عمدہ قسم کے ریشم کی دھوتی پہنے ہوئے تھا۔ باقی جسم ننگا تھا لیکن اس نے کثرت سے چھوٹے بڑے موتیوں اور جواہرات کے ہار پہن رکھے تھے جو مرصع تھے اور تاج اس قسم کا تھا کہ اس میں سے بال نظر آ رہے تھے۔

پرم دیو ادھیڑ عمر کا تھا لیکن نہایت قوی الجثہ تھا۔ اس کے چہرہ سے ذہانت اور شجاعت ٹپکتی تھی۔ اس کے قریب ہی ایک چاندی کی کرسی پر اس کا بیٹا سکھدیو بھی بیٹھا تھا۔

ہارون بڑھ کر راجہ کے قریب پہنچا۔ اس کے ساتھی اس کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ پرم دیو نے ایک مترجم پہلے سے بلا لیا تھا جو سنگھاسن کے نیچے کھڑا ہوا تھا۔

ہارون یا کسی مسلمان نے بھی راجہ کو سلام نہیں کیا۔ پرم دیو نے مترجم سے کہا:

"ان وحشی مسلمانوں سے پوچھ کہ یہ کیوں میرے پاس آئے ہیں۔"

(قارئینِ کرام!! آپ یہ سمجھ لیں کہ راجہ مترجم کے ذریعہ سے گفتگو کر رہا تھا۔)

ہارون نے جواب دیا:

''ہم اس لئے آئے ہیں کہ آپ کو متنبہ کر دیں کہ ہمارے شہنشاہ کا ارادہ سومنات پر حملہ کرنے کا ہے۔ ہم جس ملک اور جس شہر میں سے گزرے کسی نے ہماری مزاحمت نہیں کی۔ آپ بھی نہ کریں اور ہمیں بعافیت اپنی قلمرو میں سے گزر جانے دیں۔''

راجہ نے طنزاً کہا:

''اب تک تم جن قلعوں کے سامنے سے ہو کر آئے ہو ان کے فرمانروا بزدل اور پست ہمت تھے لیکن میں ان جیسا نہیں ہوں۔ میرے دل میں سومنات جی کی عزت وعظمت ہے۔ میں تمہیں ہرگز اپنی قلمرو میں سے گزرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔''

ہارون نے بیباکی سے بغیر جھجک کے کہا:

''تب آپ لڑنے کے لئے تیار ہو جائیے۔ لیکن اس بات کو سوچ لیجئے کہ آپ لاہور کے راجہ جے پال سے زیادہ قوت نہیں رکھتے ہیں۔ بھٹنیر کے راجہ بے رائے سے زیادہ لشکر نہیں رکھتے ہیں۔ میسور کے راجہ سکھپال کے برابر عظمت نہیں رکھتے ہو۔ نارائن کے راجہ سے زیادہ غیور نہیں ہو۔ نندونہ کے پہاڑی راجہ اندر بھیم سے زیادہ بہادر آپ کے لشکر میں کوئی نہیں ہے۔ تھانیسر کے راجہ سے زیادہ آپ کا جاہ و جلال نہیں ہے۔ کشمیر راجہ بن مینی سے زیادہ آپ کا ملک دشوار گزار نہیں ہے۔ برن (بلند شہر) کے راجہ بروت اور مہابن (متھرا) کے راجہ کل چند سے زیادہ آپ کے پاس مضبوط قلعے نہیں ہیں۔

''ہم نے ان تمام راجاؤں پر فتح حاصل کر لی ہے، ان کا غرور خاک میں ملا دیا ہے۔ ان کے ملکوں اور قلعوں پر قبضہ کر کے انہیں اپنا باجگزار بنالیا ہے۔ آپ کیوں اپنے ملک کی تباہی کے درپے ہیں؟ جنگ سے صلح بہتر ہے۔ پھر ہم آپ سے آپ کا ملک نہیں مانگتے۔ خراج طلب نہیں کرتے صرف راستہ چاہتے ہیں۔ اس ذرا سی بات پر جھگڑا مول نہ لیجئے۔''

ہارون نے جتنے ممالک اور جتنے راجاؤں کا ذکر کیا، غازی سلطان محمود نے ان سب ملکوں اور راجاؤں پر یورشیں کر کے انہیں ہزیمت دی تھی اور وہ سب سلطان محمود کے حلقہ بگوش ہو کر خراج ادا کرنے لگے تھے۔

دراصل جلالت پناہ ظل اللہ سلطان محمود نے ہندوستان میں رہنے اور اپنی عظیم الشان سلطنت قائم کرنے کی نہ کبھی کوشش کی نہ ارادہ کیا۔ ورنہ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک تمام ہندوستان فتح کر کے ایسی مستحکم حکومت کر لیتے جس کی نظیر دنیا میں نہیں!

اس وقت جتنے بھی بڑے بڑے راجہ اور مہاراجہ تھے، سلطان محمود نے ان سب کو فتح کر کے

اپنی عظمت وقوت کا جھنڈا ہندوستان میں گاڑھ دیا۔

پرم دیو ہارون کی گفتگو سن کر نہایت برہم ہوا۔ اس نے کہا:

''تم نے جن راجاؤں کا ذکر کیا وہ سب کجد لے، بے ہمت اور بے غیرت تھے۔ انہوں نے شکست کھائی اور تمہارے سلطان محمود کی اطاعت اختیار کر لی لیکن انہلواڑہ کا راجہ ایسا نہیں ہے! تمہارا کیا نام ہے؟''

ہارون: ''میرا نام ہارون ہے۔''

پرم دیو: ''میں تمہاری گستاخانہ جرأت کی معافی دیتا ہوں۔ جاؤ اپنے سلطان محمود سے کہہ دو کہ راستہ نہیں دیا جاسکتا۔ اگر اس میں ہمت وجرأت ہے تو راستہ.........حاصل کر لے۔''

ہارون: ''انشاء اللہ تعالیٰ راستہ حاصل کیا جائے گا۔ جب آپ شیرانِ اسلام کو دیکھیں گے تو ممکن ہے خود ہی راستہ سے ہٹ جائیں۔''

یہ کہہ کر ہارون دربار سے باہر نکل آیا۔ وہ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ سکھدیو اس کے پاس آیا۔

اس کے ساتھ بھی ایک مترجم تھا۔ اس نے مترجم کے ذریعہ سے کہا:

''کیا آپ تھوڑی دیر ٹھہر کر میری چند باتیں سنیں گے۔''

ہارون نے اسے راجہ پرم دیو کے پاس بیٹھے دیکھا تھا۔ وہ سمجھے شاید راجہ نے اسے بھیجا ہے۔

انہوں نے کہا: ''کہیے!''

سکھدیو: ''میں علیحدگی میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

ہارون: ''چلیئے، مگر آپ کون ہیں؟''

سکھدیو: ''میں راجکمار ہوں۔ آپ اپنے آدمیوں کو رخصت کر دیں اور مجھ سے گفتگو کرنے کے بعد تشریف لے جائیں۔''

ہارون: ''معاف کیجیے میں اپنے آدمیوں کو رخصت نہیں کر سکتا۔''

سکھدیو: ''آپ مجھ پر اعتماد نہیں کرتے؟ میں چندر موہنی کا قاصد ہوں اور اس کا پیغام پہنچانا چاہتا ہوں۔''

ہارون کو معلوم نہ تھا کہ سکھدیو کی چندر موہنی سے شادی ہونے والی ہے اور وہ اس کا رقیب ہے۔ چندر موہنی کا نام اور اس کے پیغام کا ذکر سن کر وہ اس کے چکمہ میں آ گیا۔ اس نے اپنے ہمراہیوں کو رخصت کر دیا اور سکھدیو کے پاس آ گیا۔

سکھدیو اس سے نرمی کے ساتھ گفتگو کرتا ہوا روانہ ہوا۔ جب وہ قصر شاہی کے نیچے پہنچا تو

دفعتاً بہت سے راجپوتوں نے اچانک حملہ کر کے ہارون کو گرفتار کرلیا۔ کامنی جھروکہ میں سے یہ کاروائی دیکھ رہی تھی۔ جب ہارون کو جکڑ دیا گیا تب سکھد یو نے قہقہہ لگا کر کہا:

''تم میرے رقیب ہو ہارون!! چندر موہنی میری منگیتر ہے۔ میں نے تمہیں گرفتار اور قتل کر ڈالنے کا ارادہ کرلیا تھا اور تم کو گرفتار کرلیا ہے۔ اب قتل کر ڈالنا باقی ہے۔''

ہارون غضب ناک ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ اس نے پر جوش لہجہ میں کہا:

''دغاباز، کمینے!! تجھے اس دغابازی کی سزا ضرور ملے گی۔''

سکھد یو نے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور وہ ہارون کو لے کر چلے گئے۔

غم ربا خبر:

سکھد یو اور کامنی نے مل کر جو جال چندر موہنی کو پھانس کر اڑا لے جانے کا پھیلایا تھا، اسے شو بھا دیوی نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ سکھد یو کو سخت ناکامی ہوئی تھی اور انہلواڑہ چلا گیا تھا۔

اگر چہ چندر موہنی نے کامنی کو بدستور سہیلیوں کے زمرہ میں رکھنے کا اقرار کرلیا تھا لیکن کامنی کو کچھ ایسی شرم دامن گیر ہو گئی تھی اور وہ راجکماری سے کچھ ایسی آنکھیں چرانے لگی تھی کہ اس سے سومنات میں نہ رہا گیا اور چند روز کے بعد ہی وہ بھی چندر موہنی کی والدہ سے اجازت لے کر اپنے باپ پرم دیو کے پاس انہلواڑہ چلی گئی۔

چندر موہنی کو اس بات کا افسوس تھا کہ کامنی جیسی بھولی اور نیک دل لڑکی سازش کا شکار ہو گئی۔ پھر بھی اس نے اپنی کسی بات یا حرکت سے اس پر بے اطمینانی یا خفگی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

چندر موہنی اس قدر نیک، معصوم اور بھولی تھی کہ اسے کامنی کے چلے جانے کا بھی افسوس ہوا لیکن اس نے اسے بلانے کی کوئی کوشش نہیں کی اور اب وہ شو بھا دیوی کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔

اس کے دل کو یہ بات لگی ہوئی تھی کہ وہ جلد سے جلد یہ بات معلوم کرے کہ اگر وہ سومنات کے مہاراجہ کی لڑکی نہیں ہے تو کون ہے، کس کی لڑکی ہے؟ اس کے والدین کون ہیں، کہاں رہتے ہیں؟ سومنات کے مہاراجہ نے اسے کیوں پرورش کیا، وہ کیسے راجکماری بن گئی؟

وہ خوب جانتی تھی کہ شو بھا دیوی غلط وعدہ نہیں کرتی ہے۔ اس نے چند روز میں آنے کا وعدہ کیا تھا اور وہ اس کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔

اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ایک روز جب کہ کچھ تھوڑا ہی سا دن چڑھا تھا اور چندر موہنی

غسل اور پوجا پاٹ سے فارغ ہو کر باغیچہ میں سیر کر رہی تھی، شوبھا دیوی آ گئی۔

چندر موہنی کے دل میں اس کا بڑا احترام تھا۔ اس نے اس کے پاس پہنچ کر اس کے قدم چھوئے۔ شوبھا دیوی نے اسے دعا دی۔

اس وقت بھی چندر موہنی کے ساتھ اس کی کئی سہیلیاں اور کنیزیں تھیں اور چونکہ شوبھا دیوی کی سب عزت کرتی تھیں اس لئے چندر موہنی کی طرح سب نے اس کے پیر چھوئے اور اس نے سب کو دعا دی۔

چندر موہنی نے دریافت کیا:

''آپ مہابن ہو آئیں ماتا جی؟''

شوبھا دیوی نے جواب دیا:

''نہیں، میں 'گوکل' بھی نہ جا سکی مجھے راستے ہی میں معلوم ہو گیا تھا کہ سلطان محمود طوفانِ برق و باد کی طرح آ رہا ہے۔ میں فوراً ہی واپس لوٹ آئی اور راجکماری میں تم سے تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔''

یہ سنتے ہی تمام سہیلیاں اور ساری کنیزیں ہٹ کر دور جا کر کھڑی ہوئیں۔ چندر موہنی نے کہا:

''ماتا جی آپ تو کہتی تھیں کہ میں راجکماری نہیں ہوں!''

شوبھا دیوی: ''میں اب بھی یہی کہتی ہوں، مجھے معلوم ہے کہ تم اپنے والدین کا حال معلوم کرنے کے لئے بہت بے چین ہو..................''

چندر موہنی نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا:

''ہاں، میں بہت بے چین ہوں۔ پرماتما کے لیے یہ پردہ اٹھایئے اور بتایئے میں کون ہوں؟''

شوبھا دیوی: ''چندر موہنی!!! ابھی اس راز کا پردہ اٹھانے کا وقت نہیں آیا ہے۔ کچھ دن تمہیں اور صبر سے کام لینا ہو گا مگر وہ وقت بہت قریب آ رہا ہے جب تو اس راز سے آگاہ ہو جائے گی۔ اس وقت میں کئی خبریں تمہیں سنانے کے لئے آئی ہوں۔ میرا خیال ہے کسی خبر کو تو سن کر غمگین اور آزردہ ہو گی اور کسی خبر کو سن کر حیران و ششدر رہ جائے گی۔ تمہیں واقعات و حالات سنانے سے پہلے مجھے کچھ پوچھنا ہے۔''

چندر موہنی شوبھا دیوی کو حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا:

''پوچھیئے!!!''

شوبھا دیوی: ''میں اس وقت پوچھوں گی جب تم یہ اقرار کرلو گی کہ میرے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دو گی۔''

چندر موہنی کو اور بھی حیرت ہوئی۔ وہ حیران کن نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ شوبھا دیوی نے کہا:

''اس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ چندر موہنی مجھے کچھ ایسی باتیں معلوم ہوئی ہیں جس کا تعلق خاص تمہاری ذات سے ہے۔ مجھے اپنی ماتا (والدہ) ہی سمجھو اور جو کچھ میں پوچھوں اس کا صحیح صحیح جواب دو۔ اس بات کا اطمینان رکھو کہ میں نہ کسی سے اس کا ذکر کروں گی نہ تمہارے متعلق کوئی برا خیال قائم کروں گی بلکہ تمہاری منشاء کے مطابق وہ کروں گی جو تم چاہتی ہو۔''

چندر موہنی کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ شوبھا دیوی ایسے کیا سوالات کرنے والی ہے جو اس نے اتنی بڑی تمہید اٹھائی۔ اس نے کہا:

''میں آپ کے سوالوں کا صحیح صحیح جواب دوں گی۔''

شوبھا دیوی: ''مجھے یہی توقع ہے۔ تم سے سوالات کرنے سے پہلے میں تمہیں یہ بتا دینا چاہتی ہوں کہ سلطان محمود غزنوی سومنات پر محض تمہاری وجہ سے حملہ آور ہوا ہے۔''

یہ سن کر چندر موہنی کی آنکھیں فرطِ حیرت سے پھٹی رہ گئیں.................. اس نے انتہائی استعجاب سے دریافت کیا: ''میری وجہ سے.................؟''

شوبھا دیوی نے سنجیدگی سے کہا: ''ہاں تمہاری وجہ سے.................''

چندر موہنی: ''یہ مسلمان بادشاہ کس قدر برے ہوتے ہیں.................''

شوبھا دیوی: ''سلطان محمود برے بادشاہوں میں نہیں ہیں۔ نہ بدنظر ہیں نہ انہوں نے تمہارے حسن و جمال کی تعریف سنی ہے نہ تم سے محبت کرتے ہیں۔ ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے۔''

چندر موہنی: ''پھر وہ میری وجہ سے کیوں حملہ آور ہوئے ہیں؟''

شوبھا دیوی: ''یہ بھی ایک راز ہے اور سلطان محمود کے یہاں آنے پر کھل جائے گا۔''

چندر موہنی: ''ماتا جی!! آپ سب کچھ جانتے ہوئے بھی مجھے کچھ کیوں نہیں بتاتی ہیں؟''

شوبھا دیوی: ''میری بیٹی!!! ابھی میرے منہ پر قفل لگا ہوا ہے۔''

چندر موہنی: ''یہ تالا کس نے لگایا ہے کیا ایشور نے؟''

شوبھا دیوی: ''ہاں ایشور نے۔ میری بچی راز جوئی کی کوشش کر کے اپنے دل کو تکلیف نہ دو۔ ہاں اب میں تم سے سوالات کرتی ہوں۔ پہلی بات یہ بتاؤ جب تم گرو مہاراج سے ملنے گئی تھی تو تمہیں وہاں کوئی

ترک ملا تھا؟''

چندر موہنی: ''ایک نہیں دو ترک ملے تھے اور انہوں نے مجھے اور میری سہیلیوں اور کنیزوں کو ڈاکوؤں کے ہاتھوں سے بچایا تھا۔''

شوبھا دیوی: ''ان دونوں ترکوں میں سے ایک کا نام ہارون تھا؟''

چندر موہنی: ''ہاں یہی نام تھا۔''

شوبھا دیوی نے ایسی تیز نظروں سے دیکھا جو چندر موہنی کو اپنے دل میں اترتی اور رازوں کا جائزہ لیتی معلوم ہوئیں۔

شوبھا دیوی نے پوچھا: ''تمہیں ہارون سے محبت ہوگئی ہے؟''

چندر موہنی چونک پڑی۔ وہ تذبذب میں پڑگئی۔ جواب ہی نہ دے سکی۔ شوبھا دیوی برابر تیز نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے نرمی سے کہا: ''جواب دو بیٹی۔''

چندر موہنی نے کہا: ''میں ننگِ خاندان ہوں ماتا جی!!''

شوبھا دیوی: ''یہ میری بات کا جواب نہیں، تم نے اقرار کیا ہے کہ میری باتوں کا صحیح جواب دوگی۔''

چندر موہنی: ''اور میں اس اقرار پر قائم ہوں۔''

شوبھا دیوی: ''تو صحیح جواب دو۔''

چندر موہنی: ''یہ سچ ہے ماتا جی!! افسوس مجھے ایک ملیچھ سے..................''

شوبھا دیوی: ''ہاں اگر چہ یہ ایک بری بات ہے لیکن محبت اندھی ہوتی ہے خیر کچھ مضائقہ نہیں۔ اب یہ بتاؤ کیا تمہارے دل میں سکھدیو کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے؟''

چندر موہنی: ''بالکل نہیں۔''

شوبھا دیوی: ''اب سنو، سکھدیو نے ہارون کو اپنا رقیب سمجھ کر دھوکہ سے گرفتار کر لیا ہے اور اسے قتل کر ڈالنے کی فکر میں ہے۔''

چندر موہنی کی گویا جان نکل گئی۔ وہ پیکر رنج وغم بن کر شوبھا دیوی کو دیکھنے لگی۔ اس کا چہرہ حسرت و درد میں ڈوب گیا۔ شوبھا دیوی نے تسلی دہ لہجہ میں کہا:

''غم نہ کر چندر موہنی!! ایشور اس کی حفاظت کرے گا۔ سلطان محمود آندھی اور گھٹا کی طرح بڑھا چلا آرہا ہے، وہ انہلواڑہ میں آ گیا ہے۔ ہارون سے اسے بڑی محبت ہے۔ اگر سکھدیو نے حماقت کر کے ہارون کو ذرا بھی تکلیف دی تو مسلمان اس قلعہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ زن وفرزند کو قتل کر ڈالیں گے۔ اطمینان رکھو بیٹی!! ہارون کا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔''

چندر موہنی نے غم ربا لہجہ میں کہا: ''لیکن ماتا جی آپ سکھدیو کو نہیں جانتیں وہ نہایت ہی بد باطن اور کینہ پرور ہے۔ مجھے اس کی طرف سے اندیشہ ہے۔''

شوبھا دیوی: ''اندیشہ نہ کرو میری بچی!! میں انہلواڑہ جا رہی ہوں۔ تمہاری خاطر سے ہارون کو بچانے کی کوشش کروں گی۔''

چندر موہنی نے شکر گزار نظروں سے دیکھ کر کہا:

''آپ مجھ پر کس قدر مہربان ہو۔ میں زندگی بھر آپ کا احسان نہ بھولوں گی۔''

شوبھا دیوی: ''جب تم پر راز ظاہر ہو جائے گا اور حقیقت منکشف ہو جائے گی۔ تو چندر موہنی تو............ مگر نہیں میں قبل از وقت کچھ کہنا نہیں چاہتی۔''

چندر موہنی: ''آپ کی باتوں سے میرے دل میں اور آتشِ اشتیاق بھڑک اٹھتی ہے کاش میری اصل حقیقت سے مجھے خبردار کر دیتیں۔''

شوبھا دیوی: ''ابھی صبر کرو چندر موہنی!! حقیقت کا پردہ اپنے وقت پر خود ہی کھل جائے گا۔''

چندر موہنی نے آزردہ خاطر ہو کر کہا: ''آپ کی مرضی..................''

شوبھا دیوی پگھل گئی۔ اس نے کہا: ''تم ملول ہو گئی بیٹی!! اچھا میں تمہیں اصل حقیقت سے آگاہ کئے دیتی ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ............''

''حقیقت کے اظہار میں کوئی شرط نہیں ہونی چاہیے۔''

ایک آواز آئی۔ شوبھا دیوی اور چندر موہنی دونوں نے بیک وقت نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ انہیں مہا گرو دھر مپال آتے ہوئے نظر آئے۔ دونوں نے بڑھ کر قدم چھوئے۔ انہوں نے دونوں کو آشیرباد دی۔ شوبھا دیوی نے ندامت خیز نگاہوں سے دھر مپال کو دیکھ کر کہا:

''معاف فرمایئے۔ میں چندر موہنی کی آزردگی نہ دیکھ سکی اور..................اس پر حقیقت کا انکشاف کرنے کو تیار ہو گئی۔''

دھرمپال: ''وعدہ بھی کوئی چیز ہے۔ عہد شکنی سب سے بڑا گناہ ہے۔''

شوبھا دیوی: ''پرماتما میری کمزوری کو معاف کرے۔''

دھرمپال: ''چلو چندر موہنی انواس (قصر شاہی) میں چلو۔ حقیقت کا انکشاف اسی وقت خوب ہے جب اس سے مسرت و انبساط حاصل ہو۔ اگر کلفت پہنچنے کا خوف ہو تو راز کا پردہ نہ اٹھانا ہی بہتر ہے۔''

چندر موہنی کچھ نہ بولی۔ وہ دھرمپال کے ساتھ چل پڑی۔ شوبھا دیوی بھی ایک طرف روانہ ہو گئی۔

باب ۹

فرار

ہارون کے ساتھ جو مجاہدین گئے تھے وہ قلعے سے باہر آ کر اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔
دفعتاً انہوں نے فصیل پر راجپوتوں کو شور کرتے ہوئے سنا۔ ساتھ ہی قلعہ کا پھاٹک بند ہو گیا۔
اُن مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ ہندوؤں نے دغابازی کی اور ہارون کو دھوکہ سے قید کر لیا ہے۔
انہیں ان کی اس نیچ حرکت پر بڑا طیش وغصہ آیا اور انہوں نے پلٹ کر قلعہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔
چنانچہ جوں ہی وہ پلٹے فوراً ہی راجپوتوں نے تیروں کی باڑھ ماری.......... جسے انہوں اپنی چوڑی چوڑی ڈھالوں پر روکا۔

چونکہ ہارون کو واپس آنے میں دیر ہو گئی تھی اس لئے برہان کچھ سپاہیوں کے ساتھ وہاں آ گیا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ ہارون قلعہ کے اندر رہ گیا ہے تو اسے رنج وقلق ہوا لیکن اس کے ساتھ سپاہیوں کی تعداد بہت ہی کم تھی اس لئے اس نے قلعہ پر دھاوا کرنا مناسب نہ سمجھا اور مجاہدین کو لے کر واپس لوٹ آیا۔

اسلامی لشکر میں آتے ہی اس نے کئی سوار دوڑا کر التونتاش امیر علی خویشاوند اور خود سلطان محمود کو اس واقعہ کی اطلاع دے دی۔ انہوں نے غضب ناک ہو کر حکم دیا کہ فوراً انہلواڑہ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا جائے۔

یہ سلطانی حکم تمام افسروں کے پاس پہنچ گیا اور ہر افسر نے تیزی سے قلعہ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

پرم دیو نے بہت سے جاسوس راجپوت سلطانی لشکر کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیج دیئے تھے۔ چونکہ راجپوتوں کی صورتیں الگ تھیں، حلیے الگ تھے نیز پوشش الگ تھیں اس لئے وہ سلطانی لشکر میں شامل نہیں ہو سکتے تھے دور ہی سے پہچان لئے جاتے تھے۔ مسلمانوں نے ایسے کئی

راجپوتوں کو گرفتار کر لیا جو جاسوسی کرنے آئے تھے۔

ان جاسوسوں کی زبانی مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ پرم دیو نے بیس ہزار لشکر سومنات کی مدد کے لیے بھیج دیا ہے اور تیس ہزار راجپوت انہلواڑہ میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ اس کا ایک قلعہ جنوب کی سمت میں سمندر کے اندر ایک قطعہ زمین پر اور ہے جس کا نام گندابہ ہے، بیس ہزار لشکر اس کا وہاں ہے۔ اگر وہ چاہے تو ایک ہفتہ کے اندر اس لشکر کو بھی بلوا سکا ہے۔

کچھ جاسوس ایسے بھی تھے جو مسلمانوں کی نظروں سے بچے اور چھپے رہے اور لشکر سے دور رہ کر اسلامی لشکر کی نقل و حرکت اور اس کی تعداد معلوم کر کے واپس لوٹ گئے۔

ان جاسوسوں نے یہ بات دیکھ لی تھی کہ لشکرِ اسلامیہ میلوں کے طول و عرض میں پھیلا ہوا ہے وہ اس کی تعداد تگنی سمجھ بیٹھے اور پرم دیو کو جا کر بتایا کہ پندرہ میل کے طول اور دس میل کے عرض میں اسلامی لشکر پھیلا ہوا ہے۔ سپاہی ایک لاکھ سے کم نہیں معلوم ہوتے۔

مسلمانوں کی اتنی بھاری تعداد سن کر پرم دیو کے ہوش جاتے رہے۔ اسے یقین ہو گیا کہ مسلمان انہلواڑہ کا قلعہ ضرور فتح کر لیں گے۔ اس پر کچھ ایسی ہیبت چھائی کہ اس نے دن میں منادی کرا دی کہ رات کے وقت سب لوگ قلعہ سے نکل جائیں اور قلعہ خالی کر دیں۔ سپاہیوں کو بھی کوچ کرنے کا حکم دیا گیا۔

قلعہ کے لوگ نہایت سراسیمہ ہوئے۔ انہوں نے بڑی تیزی سے تیاری شروع کر دی لیکن صرف چند گھنٹوں کے اندر ہر شخص کا اپنا تمام سامان باندھ کر لے جانا صرف دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا اس لئے لوگوں نے ضروری اور قیمتی سامان باندھا اور غیر ضروری یا وزنی اسباب چھوڑ دیا۔

پرم دیو نے تمام بیش بہا چیزیں دن میں ہی چھکڑوں اور دوسری بار برداریوں میں بار کرا دیں۔ تمام فوجی گاڑیاں، ہاتھی، خچر اور گھوڑے دیئے گئے اور انہلواڑہ کو ایسا کر دیا گیا جیسے وہ عرصہ سے غیر آباد ہو۔

جب کہ لوگ گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں سامان کی فراہمی اور باندھنے جوڑنے میں مصروف تھے اس وقت سکھدیو کو خیال ہوا کہ کیوں وہ ہارون کو تہ خانہ میں بند چھوڑ جائے؟ کیوں نہ اسے قتل کر کے اس کا قصہ ہی پاک کر ڈالے۔ اس نے دو ہی روز قبل ہارون کو گرفتار کر کے ایسے تہ خانہ میں قید کر دیا تھا جس میں ہوا اور روشنی کا گزر نہ ہوتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اس قبر نما تاریک قید خانہ میں بھوکا اور پیاسا ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے۔ لیکن دو ہی روز میں صورت حال بدل گئی تھی۔ اس وقت قلعہ چھوڑنے کا کسی کو خیال بھی نہ تھا لیکن اب اسے چھوڑنے اور خالی کرنے کا انتظام ہو رہا تھا۔ اس لئے

سکھد یو نے یہی مناسب سمجھا کہ ہارون کا کام ہی تمام کر ڈالے۔

چنانچہ اس نے ایک افسر کو بھیج کر ہارون کو طلب کیا۔ یہ افسر وہی تھا جس نے اس کے حکم سے ہارون کو دھوکہ سے گرفتار کیا تھا۔ وہ چند سپاہیوں کو لے کر روانہ ہوا اور تہ خانہ پر پہنچ کر قیدی کے محافظوں کو حکم دیا کہ وہ قیدی کو باہر نکالیں لیکن اسے یہ معلوم کر کے سخت حیرت ہوئی کہ قیدی نا معلوم طور پر غائب ہو گیا ہے اور صبح ہی سے اس کی تلاش کی جا رہی ہے۔

افسر کو یہ بات سن کر نہایت ہی حیرت ہوئی۔ یہ تہ خانہ وہ تھا کہ جہاں خونی یا ڈاکو یا اس قسم کے دوسرے بڑے مجرم رکھے جاتے تھے اور آج تک کبھی کوئی مجرم فرار یا غائب نہیں ہوا تھا۔ اس نے کہا:

''نہایت حیرت کی بات ہے کہ قیدی غائب ہو گیا ہے لیکن اب تمہیں سکھد یو کے غصہ سے کون بچا سکتا ہے۔ وہ یقیناً تم سب کو قتل کرا دے گا۔''

محافظوں نے عاجز آ کر رونا دھونا شروع کر دیا۔ افسر نے کہا:

''تمہاری التجاؤں اور گریہ وزاری سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ میں مجبور ہوں کہ تمہیں گرفتار کر کے لے چلوں۔''

چنانچہ اس نے تمام محافظوں کو، جو دس تھے، حراست میں لے لیا اور سکھد یو کے پاس لا کر کہا:

''راجکمار جی!! ان محافظوں کی غفلت سے قیدی فرار یا غائب ہو گیا ہے۔ میں ان بدبختوں کو گرفتار کر کے آپ کے حضور میں لے آیا ہوں۔''

سکھد یو کو کمال حیرت ہوئی اور جب حیرت دور ہوئی تو اس پر غصہ نے قبضہ کر لیا۔ اس نے پُر غضب نگاہوں سے محافظوں کو دیکھ کر کہا:

''کمینو، نمک حرامو!! تم نے اس قیدی کو چھوڑ دیا جو میری روحانی تکلیف کا باعث تھا؟ کیوں تم نے ایسا کیا؟''

تمام محافظ سپاہی اس کے پیروں میں گر گئے اور سر رگڑ رگڑ کہنے لگے:

''حضور ہم بالکل بے قصور ہیں۔ سومنات جی کی سوگند ہم نے اسے رہا نہیں کیا۔ ایشور ہی جانتا ہے وہ کیسے غائب ہو گیا۔''

سکھد یو: ''تم نے تہ خانہ کو اچھی طرح دیکھا ہے؟ کہیں وہ وہیں چھپا ہوا نہ ہو۔''

ایک محافظ: ''حضور ہم نے تہ خانہ کا چپہ چپہ دیکھ ڈالا ہے، وہ وہاں نہیں ہے۔ تعجب یہ ہے کہ اسے بھاری

اور مضبوط زنجیر میں جکڑ ڈالا گیا تھا۔ زنجیر کھلی ہوئی ملی اور وہ غائب ہو گیا۔"

سکھدیو: "گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ جن تھا یا جن اسے چھڑا کر لے گئے۔"

دوسرا محافظ: "ان داتا!! وہ انسان تھا۔ ہماری ہی طرح کا انسان لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ غائب ہو چکا ہے۔"

سکھدیو: "میں اس بات کو نہیں مان سکتا۔ ضرور تم لالچ کا شکار ہو گئے ہو گے۔ تم نے بھاری رشوت لے کر اسے چھوڑ دیا۔ اگر اصل حال تم ظاہر کر دو تو میں شاید تمہارے ساتھ کچھ رعایت کر سکوں۔ ورنہ سمجھ لو کہ میرا نام سکھدیو ہے اور میں مجرموں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کیا کرتا۔"

تمام محافظوں نے رو رو کر کہا:

"ان داتا!! ہم بے قصور ہیں۔ ہم نے رشوت نہیں لی۔ ہم نے اسے نہیں چھوڑا۔ وہ غائب ہو گیا۔ آپ ہماری بات کا وشواس (یقین) کریں۔"

سکھدیو نے طیش میں آ کر ان کے قتل کر ڈالنے کا حکم دیا۔

محافظوں کی روح نکل گئی۔ انہوں نے رو رو کر جان بخشی کی التجا کی لیکن شنوائی نہیں ہوئی اور ان سب کو ایک ایک کر کے قتل کر دیا گیا۔

سکھدیو نہایت خونخوار قسم کا انسان تھا۔ بے رحم اور سفاک بھی تھا۔ انسانوں کو مٹی کا کھلونا سمجھتا تھا۔ بدنصیب مقتولوں کی لاشیں ان کے وارثوں کے سپرد کر دی گئیں اور انہیں ہدایت کر دی کہ وہ متوفیوں کی موت پر ایک آنسو بھی نہ بہائیں۔

لیکن سکھدیو کو حیرت ضرور تھی کہ ہارون گیا کہاں! وہ خوب جانتا تھا کہ اگر محافظ اسے چھوڑ دیتے تو وہ دروازہ ہی کے ذریعہ سے باہر جا سکتا تھا اور دروازہ کے پہرہ دار اسے ہرگز بھی قلعہ سے نہ نکلنے دیتے۔

انہلواڑہ کے چار عالی شان دروازے تھے اور چاروں پر ہمہ وقت سنگین پہرہ رہتا تھا۔ وہ چاروں دروازوں پر پہنچا اور ان کے پہرہ داروں سے ہارون کے متعلق تحقیقات کی۔ سب نے اسے دیکھنے تک سے انکار کر دیا۔ اب اسے خود اپنے اوپر غصہ آیا کہ اس نے گرفتار کرتے ہی ہارون کو قتل کیوں نہ کر دیا، قید ہی کیوں کیا۔

اس غم و غصہ میں رات ہو گئی۔ ابتدائے رات ہی میں پرم دیو کا حکم کوچ کرنے کے لئے ہو گیا لیکن یہ تاکید کر دی گئی کہ مطلق شور و غل نہ کیا جائے۔ نہایت خاموشی اور بڑی احتیاط سے لوگ روانہ ہوں۔

چنانچہ ہر شخص چپ چاپ روانہ ہونے لگا۔ پہلے عام لوگ چلے پھر لشکر روانہ ہوا اور آدھی رات سے قبل ہی قلعہ خالی کر دیا گیا۔

حیرتناک ملاقات:

غازی سلطان محمود غزنوی کا لشکر انہلواڑہ سے ایک میل کے فاصلہ پر فروکش تھا اور چونکہ میمنہ اور میسرہ وغیرہ جس طرح مقرر کر دیئے گئے تھے اسی طرح ہر دستہ جداگانہ تھا، اس لئے کئی میل کے طول و عرض میں مجاہدینِ اسلام چھاؤنی بنائے پڑے تھے۔

جس رات کو پرم دیو انہلواڑہ سے نکل کر بھاگا ہے اس رات کو برہان ہراول کے دستہ کی گرداوری کر رہا تھا۔ اسے اپنے دوست ہارون کے قید ہو جانے کا بڑا رنج اور صدمہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح قلعہ میں داخل ہو کر اپنے دوست کو چھڑا لائے۔ چنانچہ پچھلی رات میں وہ بڑھ کر قلعہ کے قریب پہنچ گیا۔

رات اندھیری تھی۔ ایسی اندھیری کہ چند قدم کے فاصلہ کی بھی کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ ہر طرف سیاہ چادر سی تنی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ آسمان پر تارے بکھرے ہوئے تھے اور اس کثرت سے کہ سارا آسمان ان سے بھر گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سیاہ آبنوسی طشت میں جواہرات انڈیل دیئے گئے ہوں۔

سردی کا موسم شروع ہو گیا تھا۔ اگرچہ ہوا بند تھی لیکن خفیف جھونکے اب بھی چل رہے تھے اور بعض مرتبہ جسم میں کپکپی پیدا کر دیتے تھے۔

اندھیرے میں قلعہ سیاہ پہاڑی معلوم ہو رہا تھا۔ ہر طرف سکون و خاموشی کا تسلط تھا۔ جنگل بھیانک معلوم ہو رہا تھا۔ قلعہ کی فصیل پر کسی قسم کی روشنی تھی نہ وہاں سے کسی پہرہ والے کی آواز آ رہی تھی۔ برہان نے اپنے سپاہیوں سے کہا:

”قلعہ والے خاموش ہیں۔ معلوم ہوتا ہے سب غفلت کی نیند پڑے سو رہے ہیں۔ اگر اس وقت اندھیرے میں ہم قلعہ میں رسائی حاصل کر لیں تو............“

ایک سپاہی نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا:

”لیکن ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ کیا آپ بھول گئے کہ سلطان کا یہ حکم ہے کہ بغیر ان کے حکم کوئی شخص قلعہ کے قریب جانے کی بھی کوشش نہ کرے۔“

برہان فوراً رک کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا:

''افسوس میں اس حکم کو بھول گیا تھا۔ بڑی نافرمانی کی، میں تمہارا مشکور ہوں تم نے یاد دلایا۔ ہارون کی محبت مجھے یہاں تک کھینچ لائی اور شاید اس محبت ہی نے میرے دل سے سلطانی حکم بھلا دیا۔ اللہ تعالیٰ معاف کرے۔ آؤ واپس چلیں۔''

مسلمان اپنے افسروں کے بڑے اطاعت گزار تھے۔ حکم کی تعمیل میں اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال دیتے تھے۔ مثلاً دشوار گزار پہاڑوں پر چڑھ جاتے تھے۔ عمیق وعریض دریاؤں میں پھاند پڑتے تھے۔ بے شمار دشمنوں سے نبرد آزما ہو جاتے تھے۔ سر بفلک قلعوں کی فصیلوں پر چڑھنے لگتے تھے۔ غرض جس وقت اور جو حکم دیا جاتا تھا فوراً اُس کی تعمیل کرتے تھے۔ نافرمانی کو تو وہ جانتے ہی نہ تھے۔ اگر کبھی سہواً کوئی نافرمانی ہو جاتی تھی تو انہیں بڑا افسوس ہوتا تھا۔ مدت تک پچھتاتے رہتے تھے۔

آج ہم ہیں، نام کے مسلمان۔ ارے ہم تو اللہ تعالیٰ کے اور اس کے محبوب تاجدارِ مدینہ کے سچے اور پکے اطاعت گزار نہ بن سکے، حاکم یا افسر کی اطاعت گزاری کا کیا کہنا۔ اور اگر مطلب کے لئے حاکم یا افسر کی اطاعت کی بھی تو کیا فائدہ! جب تک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت نہ کریں گے حاکم یا افسر کی اطاعت فائدہ نہ دے گی۔ کیونکہ پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم ہے بعد میں حاکم یا افسر یا امیر کی اطاعت کا حکم آیا ہے۔ دونوں پر عمل کرنے میں نجات ہے۔ حاکم یا افسر یا امیر بھی وہ جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے پیارے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والا ہو۔

چنانچہ برہان کو بھی حد درجہ افسوس ہوا۔ وہ آہستہ آہستہ واپس لوٹا۔ اس کے ساتھ سو سوار تھے۔ سب تاریکی کے سیاہ پردوں کو چاک کر کے لشکر کی طرف بڑھ رہے تھے۔

دفعتاً انہوں نے کچھ کھٹکا سنا۔ وہ چونک کر ہوشیار ہو گئے۔ برہان نے پوچھا:

''تم نے کھٹکے کی آواز سنی؟''

کئی سپاہیوں نے جواب دیا: ''جی ہاں سنی ہے۔''

برہان: ''شاید کوئی جنگلی جانور قریب معلوم ہوتا ہے۔''

ایک سپاہی: ''کوئی جانور ہے یا انسان لیکن ہے ضرور کوئی۔''

برہان: ''خاموش کھڑے ہو جاؤ اور کان لگا کر سنو۔''

سب چپ چاپ کھڑے ہو گئے اور کان لگا کر سننے لگے۔ خشک پتوں اور گھاس کے چرچرانے کی آواز آ رہی تھی۔ جیسے کوئی دبے قدموں بڑی احتیاط سے آ رہا ہو۔ برہان نے آہستگی سے کہا:

''کوئی انسان ہی ہے جو بڑی احتیاط سے آرہا ہے، شاید تنہا ہے۔''

ایک مجاہد بولا: ''اور ہمارے بہت قریب آگیا ہے۔''

دفعتاً آواز آئی: ''کیا تم مسلمان ہو؟''

برہان نے آواز پہچان لی۔ اس نے جوش و مسرت کے لہجہ میں پکارا:

''ہارون تم ہو............؟ اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے تمہاری آواز پہچان لی ہے۔''

پھر آواز آئی:

''برہان تم ہو؟ میرا بھی یہی خیال تھا!''

برہان فوراً گھوڑے سے کود پڑا اور آواز کی طرف بے تحاشا دوڑتے ہوئے بولا:

''دوست، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے تم آزاد ہو گئے۔ ہم سب تمہاری وجہ سے نہایت پریشان اور بڑے رنجیدہ تھے۔''

سیاہ پردوں کو چاک کر کے ایک آدمی تیزی سے بڑھا اور برہان کے قریب آ کر بڑی گرم جوشی سے اس سے بغلگیر ہوا۔ یہ ہارون ہی تھا۔ برہان نے کہا:

''اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ احسان ہے تم آ گئے۔ اعلیٰ حضرت سلطان المعظم بھی تمہارے قید ہو جانے سے نہایت غمگین اور بہت زیادہ متفکر ہو گئے تھے۔''

ہارون: ''میں جہاں پناہ کی اس ہمدردی کا عمر بھر شکر گزار رہوں گا۔ میرا خیال تھا کہ تم مجھے ڈھونڈنے قلعہ تک آؤ گے۔''

برہان: ''میں اس وقت رات کو ضرور قلعہ میں داخل ہو جاتا اگر عالم پناہ سلطان والا جاہ نے یہ ممانعت نہ کر دی ہوتی کہ کوئی مسلمان قلعہ کے قریب نہ جانے پائے۔''

ہارون نے متاسف نگاہوں سے برہان کو دیکھ کر کہا:

''لیکن تم نے نافرمانی کیوں کی، قلعہ کے قریب کیوں آئے؟''

برہان: ''میں تمہارے خیال میں کچھ ایسا غرق ہوا کہ اس حکم ہی کو بھول گیا۔ گرداوری کرتا ہوا یہاں چلا آیا۔ قلعہ کی فصیلوں پر خاموشی دیکھ کر دل میں امنگ پیدا ہوئی کہ قلعہ کے اندر داخل ہو جاؤں لیکن فوراً ہی ایک سپاہی نے شاہی حکم یاد دلایا اور میں جلدی سے واپس لوٹ آیا۔''

ہارون: ''دوست!!! اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو میں بھی ایسا ہی کرتا۔''

برہان: ''لیکن مجھے یہ تعجب ہے کہ تم دشمن کے چکمہ میں کیسے آ گئے۔''

ہارون: ''میں خود حیران ہوں! بس یہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ ہی کو یہ منظور تھا ورنہ جس وقت انہلواڑہ کے

راجکمار نے مجھے روکا اور مجھ سے گفتگو کرنے کی استدعا کی، میرے دل میں یہ خیال گزرا تھا کہ وہ مجھے دھوکہ دینا چاہتا ہے لیکن قدرت کے اس انتباہ پر بھی میں متنبہ نہ ہوا اور میں نے اپنے ساتھیوں کو رخصت کر دیا۔"

برہان: "سب کو یہی حیرت تھی کہ تم جیسا دانشمند آل اندیش اور دغا و فریب کو سمجھنے والا کیسے دشمنوں کے دھوکہ میں آ گیا۔"

ہارون: "حقیقت یہ ہے برہان کہ محبت اندھا، بہرہ اور کم عقل کر دیتی ہے۔"

برہان نے متعجب ہو کر دریافت کیا:

"کیا انہلواڑہ میں کسی سے محبت ہو گئی ہے تمہیں؟"

ہارون: "نہیں۔ دغاباز راجکمار نے مجھ سے کہا کہ وہ چندر موہنی کا قاصد ہے اور اس کا پیغام سنانا چاہتا ہے۔"

برہان: "چندر موہنی!! کیا سومنات کی راجکماری؟"

ہارون: "ہاں!!"

برہان: "اوہ میں سمجھ گیا۔ وہ دغاباز ضرور راجکماری کو چاہتا ہے۔"

ہارون: "صرف چاہتا ہی نہیں بلکہ چندر موہنی اس کی منگیتر ہے۔"

برہان: "اسی لئے اس نے یہ جال پھیلایا۔ لیکن تم رہا کیسے ہوئے؟"

ہارون: "اسے بھی تائید ایزدی ہی سمجھئے۔"

برہان: "اس میں کیا شک ہے لیکن ہوا کیا؟"

ہارون: "ذرا صبر کرو۔ سلطان والا جاہ کے روبرو تمام حال بیان کروں گا۔"

برہان: "تم سیدھے قلعہ میں سے نکلے چلے آ رہے ہو؟"

ہارون: "جی ہاں!!"

برہان: "دوست کیوں نہ خاموشی سے قلعہ میں داخل ہو جائیں۔"

ہارون: "اب قلعہ میں داخل ہونے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

برہان نے متحیر ہو کر ہارون کو دیکھتے ہوئے کہا:

"کیوں؟"

ہارون: "اس لئے کہ قلعہ خالی پڑا ہے۔ وہاں ایک متنفس بھی باقی نہیں رہا ہے۔"

برہان نے اور بھی متعجب ہو کر پوچھا:

''کیوں؟ اہلِ قلعہ کہاں چلے گئے؟''

ہارون: ''وہ قلعہ خالی کر کے بھاگ گئے۔''

برہان: ''بڑے ہی بزدل تھے!''

اب صبح ہو گئی تھی۔ مشرق کی طرف سے دل کش روشنی نمودار ہو چکی تھی۔ اندھیرا دور ہونے والا اور اجالا پھیلنے والا تھا۔

جب یہ لوگ فردوگاہ کے قریب پہنچے تو صبح کی اذان کی آواز آئی۔ کئی آدمی مل کر اذان دے رہے تھے۔

مجاہدینِ اسلام اذان کی آواز سنتے ہی بیدار ہو کر خیموں سے نکلنے اور ضروریات سے فراغت کرنے کے لئے ادھر ادھر جانے لگے تھے۔

روشنی دم بدم پھیلتی جاتی تھی۔ آسمان نہایت سہانا ہو گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آسمان مسکرا رہا ہو اور اس کے تبسم سے روشنی پھیلتی جاتی ہو۔

چونکہ رات کو شبنم پڑی تھی اس لئے گھاس تر ہو کر شاداب ہو گئی تھی۔ کائنات کے ذرہ ذرہ میں، گلشن کی کلی کلی میں، درختوں کے پتوں میں اور گھاس کے تنکے تنکے میں نئی زندگی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ سب تروتازہ اور دلفریب ہو گئے تھے۔

تمام مسلمانوں نے وضو کیا اور جماعت کے ساتھ صبح کی نماز پڑھنی شروع کی۔ خدائے واحد وجبار کے سامنے پانچ ہزار آدمیوں کا رکوع اور سجدے کرنا نہایت دل کش معلوم ہو رہا تھا۔

نماز کے بعد ہی مسلمانوں کو ہارون کے آنے کی اطلاع ہو گئی۔ سب کو نہایت درجہ مسرت ہوئی۔ سب نے اس کی مع الخیر واپسی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ نماز سے فارغ ہو کر برہان اور ہارون دونوں سلطانی لشکر کی طرف روانہ ہو گئے۔

باب ۱۰

ہارون کی داستانِ رہائی

ہم بیان کر آئے ہیں کہ سلطان محمود قلبِ لشکر میں تھے، ہارون اور برہان کے دستوں سے کئی میل پیچھے۔ چونکہ اس وقت میمنہ اور میسرہ، ہراول اور قلب، سب مقیم تھے، اس لئے مجاہدینِ اسلام بے فکری سے ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ میمنہ والے میسرہ والوں سے اور ہراول والے، قلب والوں سے ملنے کے لیے آجا رہے تھے۔ جس دوری میں لشکرِ اسلام فروکش تھا اتنے حلقہ میں خوب چہل پہل ہو رہی تھی۔

ہارون اور برہان کو سینکڑوں مجاہدین آتے جاتے ملے۔ چونکہ ہارون کی گرفتاری کی خبر تمام لشکر کو ہو گئی تھی اور اس سے ہر شخص واقف تھا اس لئے اسے دیکھنے والے پہلے حیران ہوتے پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے اور بڑھ کر ان کی رہائی پر انہیں مبارکباد دیتے۔

ہارون اپنے مسلمان بھائیوں کی اس اخوت و محبت سے بہت زیادہ متاثر ہو رہے تھے۔ جب وہ فردوگاہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ مسلمان نہایت اطمینان اور بڑی بے خوفی سے اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔ بعض ہتھیار صاف کر رہے ہیں، بعض لباس کی درستی میں مشغول ہیں۔ بعض کھانا تیار کر رہے ہیں اور بعض درختوں کے سایہ میں سبز مخملی فرش پر گروہ در گروہ بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔

اگرچہ وہ دشمنوں کے ملک میں دشمنوں کے سامنے میدانِ جنگ میں موجود تھے۔ انہیں کچھ نہ کچھ بے اطمینانی اور پریشانی ہونی چاہیے تھی لیکن اس کے برعکس وہ نہایت مطمئن تھے۔ ایسے مطمئن جیسے اطمینان اور امن کی جگہ میں محفوظ ہوں۔

ہارون اور برہان انہیں دیکھتے ہوئے بڑھتے رہے یہاں تک کہ لشکر گاہ میں داخل ہوئے۔ یہاں خیموں کا شہر بسا ہوا تھا۔ چھوٹے بڑے خیمے قطار در قطار حدِ نگاہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان خیموں

کی ترتیب اس طرح تھی کہ شمال سے جنوب تک لمبی قطاریں چلی گئی تھیں اور ایک قطار سے دوسری قطار بیس فٹ کے فاصلہ پر تھی۔ اس طرح ہر قطار کے درمیان اس قدر راستہ چھوٹا ہوا تھا کہ چار سوار نہایت آسانی سے بیک وقت گزر سکتے تھے۔

چونکہ سلطان محمود کا خیمہ لشکر کے وسط میں ہوتا تھا اس لئے ان دونوں کو کافی فاصلہ طے کرنا پڑا اور جب یہ اس خیمہ کے سامنے پہنچے جس پر سلطانی علم لہرا رہا تھا تو وہ گھوڑوں سے اتر گئے۔

سلطان محمود کے لئے کئی خیمے نصب کئے جاتے تھے اور وہ مختلف ضروریات کے لیے ہوتے تھے۔ مثلاً کھانا کھانے کا، سونے کا، نشست و برخاست کا، دربارِ خاص کا اور درباریوں اور مشیروں سے گفتگو کرنے کا وغیرہ۔

لیکن ایک خیمہ جو خاص سلطانی خیمہ کہلاتا تھا، اس پر اسلامی پرچم لہراتا رہتا تھا۔ یہی وہ جھنڈا تھا۔ جو اس سے پہلے پندرہ مرتبہ ہندوستان میں آچکا تھا اور ہمیشہ سربلند رہا تھا۔ یہی وہ جھنڈا تھا جسے دیکھ کر دشمنوں کے دلوں میں کپکپی پیدا ہو جاتی تھی اور یہی وہ جھنڈا تھا جسے دیکھ کر مجاہدین کے دلوں میں سرفروشی کا جذبہ پیدا ہو جاتا تھا۔ ہر مسلمان اس جھنڈے کا احترام کرتا تھا۔

اس سلطانی قیام گاہ کے گرد ہر وقت سنگین پہرہ رہتا تھا۔ ڈھائی سو فوجی سپاہی ننگی تلواریں لئے ایک محدود دائرہ میں گھومتے رہتے تھے۔

جوں ہی پہرہ داروں نے ہارون اور برہان کو دیکھا انہوں نے فوجی قاعدہ سے انہیں سلام کیا اور چند سپاہی سلطان محمود سے ان کی باریابی کی اجازت لینے کے لیے چلے گئے۔

جب سلطان محمود کو ہارون کے اچانک آنے کی اطلاع ہوئی تو وہ نہایت خوش ہوئے اور انہوں نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ انہیں ہارون سے کچھ ایسی محبت تھی کہ اس سے ملنے کے شوق میں خیمہ سے باہر نکل آئے۔

ہارون نے بڑھ کر فرزندانہ سعادت سے نہایت ہی ادب سے جھک کر سلام کیا۔ غازی سلطان محمود نے اس کی پشت پر دستِ شفقت پھیرتے ہوئے کہا:

''ہارون!! تیری گرفتاری کی خبر سن کر مجھے بڑا ہی صدمہ ہوا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تُو رہا ہو کر آ گیا۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مجھ پر اور تمام مسلمانوں پر احسان کیا ہے۔''

ہارون: ''جلالت مآب کو اپنے خادموں سے بڑی ہی محبت ہے۔ ظل اللہ کی بڑھی ہوئی شفقت و محبت ہی نے ہر سپاہی اور ہر مجاہد کو وفادار خادم اور جاں نثار بنا دیا ہے۔''

سلطان محمود: ''جب ہم نے تیری گرفتاری کی خبر سنی تو خوف ہوا کہ کہیں برہان دوستی کی آگ میں کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جس سے یہ بھی گرفتار ہو جائے یا اسلامی لشکر کو نقصان پہنچ جائے۔ اس لئے ہم نے اس کے پاس فرمان بھیج دیا تھا کہ ہمارے پہنچنے تک یہ کوئی کاروائی نہ کرے۔''

برہان: ''عالم پناہ کے اس حکم ہی نے مجھے اپنے ارادہ سے باز رکھا ورنہ میں قلعہ پر یورش کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔''

سلطان محمود: ''میں جانتا ہوں کہ دوستوں میں دو حقیقی بھائیوں سے زیادہ محبت ہوتی ہے اور جس طرح بھائی کے لئے بھائی جان دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے اسی طرح دوست کے لیے دوست بھی جان دے دیتا ہے بلکہ بسا اوقات دوست بھائی سے بڑھ کر جانبازی کر دکھاتا ہے۔ خوش قسمت ہے وہ شخص جس کا دنیا میں ایک دوست بھی ہو۔ تم دونوں اس معاملہ میں خوش قسمت ہو۔ آؤ خیمہ کے اندر چلو۔''

سلطان محمود گھوم کر خیمہ کے اندر داخل ہوئے۔ ہارون اور برہان بھی ان کے پیچھے ہی پیکرِ ادب بنے داخل ہو گئے۔

غازی سلطان محمود زرگاؤ مسند پر تکیہ سے سہارا لے کر جا بیٹھے۔ ان کے سامنے یہ دونوں دوست بھی جا بیٹھے۔

تمام خیمہ میں خوشنما اور دبیز قالینوں کا فرش تھا اور خیمہ کی چوبوں پر ہتھیار اور ہندوستان کے نقشے آویزاں تھے۔

سلطان محمود نے کہا:

''ہاں، اب اپنی گرفتاری اور رہائی کے مفصل واقعات بیان کرو ہارون!!''

ہارون: ''پیر و مرشد!! میں پرم دیو کے دربار میں پہنچا اور اسلامی مجاہدین کی روایات کے موجب اسے پیغامِ حق پہنچا دیا۔ جب میں واپس لوٹ رہا تھا تو سکھدیو، پرم دیو کا بیٹا ملا اور مجھے دھوکہ سے لے گیا۔ میں اس کے فریب کو اس وقت سمجھا جب اس نے ناشائستہ گفتگو شروع کی اور فوراً اس کے دغاباز سپاہیوں نے پشت کی طرف سے آ کر مجھے اپنے قابو میں کر لیا۔ میں طیش و غضب سے سرخ ہو گیا لیکن ہاتھ پیر ہلانے کا موقعہ نہ ملا۔

''ان بدبخت اور بے رحم درندوں نے مجھے ایک ایسے تنگ و تاریک تہ خانہ میں قید کر دیا جہاں ہوا اور روشنی کا بالکل بھی گزر نہ تھا۔ جس کا فرش کچھ نم تھا اور عجب قسم کا تعفن آ رہا تھا۔ عالیجاہ میں وہاں ذرا ہی دیر میں پریشان ہو گیا۔ بدبو سے دماغ پھٹا جاتا تھا۔ ہوا نہ ہونے کی وجہ سے دم گھٹنے لگا اور روشنی کی عدم موجودگی کے باعث طبیعت گھبرانے لگی۔

''مجھے خیال تھا کہ عنقریب ہی مجھے قتل کر دیا جائے گا کیونکہ سکھد یو نے قید خانہ میں لے جاتے وقت یہی دھمکی دی تھی۔''

سلطان محمود نہایت توجہ سے ہارون کی داستان سن رہے تھے۔ انہوں نے جوش میں آ کر کہا:

''ہارون!! اگر وہ بد بخت تجھے شہید کر ڈالتے تو اللہ تعالیٰ کی قسم میں ہر ہندو کو مار ڈالتا۔ ہر آبادی کو تاراج اور ویران کر دیتا۔ اب بھی میں ان لوگوں کو کبھی معاف نہیں کروں گا جنہوں نے میرے فرزند ہارون کو تکلیف پہنچائی ہے۔''

ہارون: ''لیکن جہاں پناہ!! میں ایک ہستی سے امن کا وعدہ کر آیا ہوں۔''

سلطان محمود: ''تیرے وعدہ کا احترام کیا جائے گا۔ تُو اپنی داستان جاری رکھ۔''

ہارون: ''نہ معلوم کس وقت چند آدمی مشعلیں لے کر وہاں آئے۔ چونکہ تہ خانہ میں اس درجہ اندھیرا تھا کہ روشنی نام کو بھی نہ آتی تھی۔ اس لئے رات اور دن کا اندازہ نہ ہو سکا۔ مگر ان کے مشعلیں لے کر آنے سے میں سمجھ گیا کہ دن چھپ گیا ہے۔ وہ لوگ میرے لئے کچھ کھانا اور ایک روشن شمع رکھ کر چلے گئے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اب کیا وقت ہے، رات ہے یا ابھی دن نکلا ہوا ہے؟ لیکن وہ میری زبان نہ سمجھتے تھے۔ پاگلوں کی طرح میرے منہ کو تکتے رہے۔ ان میں سے بھی ایک شخص نے کچھ کہا جسے میں نہ سمجھ سکا اور میں بے وقوفوں کی طرح ان کی صورتیں تکتا رہ گیا۔

''جب وہ چلے گئے تو میں نے کھانا دیکھا۔ چھوٹی چھوٹی چندٹکیاں اور ایک گول پیتل کے برتن میں پانی تھا۔ اگر چہ مجھے بے حد بھوک لگی ہوئی تھی لیکن طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ مشرکوں کے ہاتھ کا تیار کیا کھانا کھاؤں جن کو **کل مشرك نجسا** (یعنی تمام مشرک نجس ہیں) کہا گیا ہے۔ میں نے کھانا چھوا بھی نہیں، جوں کا توں رہنے دیا۔

''چونکہ پیاس بھی معلوم ہو رہی تھی، ارادہ ہوا کہ تھوڑا سا پانی پی لوں لیکن پھر خیال آیا کہ پانی بھی تو مشرک ہی لائے ہیں اور مشرکوں کے ہی برتن میں ہے۔ اس خیال سے ہی کراہت آئی اور میں نے پانی بھی نہ پیا۔''

سلطان محمود: ''شاباش ہارون!! شاباش!! تو نے خوب کیا۔ حقیقت میں مشرک نجس ہوتے ہیں۔ وہ کیا جانیں طہارت اور پاکیزگی کو۔ جسمانی گندگی کے علاوہ مشرک ہونے کی وجہ سے ان میں روحانی گندگی بھی ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کو مشرک کے ہاتھ کی کوئی چیز نہیں کھانی چاہیے۔''

ہارون: ''اور اسی خیال سے میں نے کھانے اور پانی کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔''

سلطان محمود: ''اچھا پھر کیا ہوا؟''

ہارون: ''شمع کی روشنی سے اندھیرے کی تکلیف تو دور ہو گئی لیکن باقی تکلیفیں بدستور باقی رہیں۔ میں لیٹ گیا اور نہ معلوم کس وقت نیند آ گئی۔ کچھ کھٹکا ہونے پر آنکھ کھلی۔ دیکھا تو ایک جوگن ایک بڑا تیر ہاتھ میں لئے کھڑی ہے اور اس کے بائیں ہاتھ میں ایک بڑی مشعل ہے۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی ایک اور لڑکی نظر آئی جو جوگن کے پیچھے کھڑی تھی اور جسے میں نے پہلی نظر میں نہیں دیکھا تھا۔ جوگن نے میری زبان میں کہا:

''نوجوان!! راجکماری کامنی تمہارے پاس اس لئے آئی ہے کہ اگر تم ایک وعدہ کرو تو تمہیں رہا کر دے۔''

''میں نے پوچھا: ''مجھ سے کیا اقرار کرانا چاہتی ہو؟''

جوگن بولی: ''تم اس وقت انہلواڑہ کے قلعہ پر حملہ نہ کرو گے اور سلطان کو بھی حملہ کرنے سے روک دو گے۔''

''میں نے اقرار کر لیا۔ جوگن نے میری زنجیریں کھول دیں اور مجھے ساتھ لے کر خفیہ دروازہ سے قلعہ کے باہر آئی۔ کامنی تہ خانہ سے نکلتے ہی ایک طرف چلی گئی تھی۔ میں نہیں کہہ سکتا وہ جوگن کون تھی اور کیوں میری رہائی کے لئے آئی۔''

سلطان محمود: ''اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ جب تو نے انہلواڑہ پر اس مرتبہ حملہ نہ کرنے کا اقرار کیا ہے تو ہم بھی درگزر کرتے ہیں۔ لشکر کو حکم دے دو کہ قلعہ سے بچ کر نکل جائے۔''

ہارون اور برہان دونوں نے سلطان محمود کو سلام کیا اور وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔

غمگین حور:

سومنات میں متعدد راجاؤں کے بھیجے ہوئے لشکر آ گئے تھے اور ابھی تک ان کی آمد کا تانتا لگا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہندوستان کے تمام راجاؤں کی فوجیں سومنات میں جمع ہو جائیں گی۔

جو راجپوت زعفرانی لباس پہن کر آئے تھے ان کی بھی خاصی تعداد تھی۔ عام ہندو ان سرفروشوں کی سب سے زیادہ قدر منزلت کر رہے تھے۔ جس طرف سے ان کے دستے گزرتے تھے لوگ ان کی تعظیم کے لئے جھکتے چلے جاتے تھے۔ بعض خوش عقیدہ ہندو ان کے پیروں کے نیچے کی خاک اٹھا کر اپنی اور اپنے بچوں کی پیشانیوں سے ملتے تھے۔

جب یہ سرفروش مندر میں داخل ہوتے تھے تو ان کے لئے راستہ چھوڑ دیا جاتا تھا۔ سب سے پہلے بت کے درشن انہیں ہی کرائے جاتے تھے۔

ان کے علاوہ اور جس قدر بھی فوجیں آتی تھیں انہیں بھی تمام ہندو نہایت احترام کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

سومنات کا مہاراجہ اس کثیر التعداد لشکر کو دیکھ کر نہایت خوش ہو رہا تھا۔ اب نہ اسے پریشانی رہی تھی نہ کوئی فکر بلکہ نہایت اطمینان ہو گیا تھا اور وہ یہ سمجھنے لگا تھا کہ اس عظیم الشان لشکر سے غازی سلطان محمود کو شکست دے کر اپنی قوت وعظمت کی دھاک مسلمانوں کے دلوں پر بٹھا دے گا۔

اگرچہ اسے اسلامی لشکر کی تعداد معلوم نہ تھی لیکن اس بات کو وہ خوب جانتا تھا کہ غزنی سومنات سے ہزاروں میل کے فاصلہ پر ہے، پھر راستہ نہایت دشوار گزار ہے۔ اس طرح سلطان محمود اپنے ساتھ لشکر نہیں لا سکتا۔

اس کا یہ خیال بالکل صحیح تھا۔ سلطان محمود اپنے ساتھ صرف تیس ہزار سرفروش مجاہدوں کو لے کر آئے تھے اور اس لشکر میں سلطان محمود کا ایک بھی تنخواہ دار سپاہی نہ تھا بلکہ سب نا کارہ تھے جو اپنی خوشی سے جہاد کرنے آئے تھے۔

لیکن نہ معلوم کیا بات تھی کہ باوجود راجپوتوں کے لشکر کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے بھی اوپر ہو جانے کے تمام ہندوؤں میں پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔ خود سومنات کے پجاری پنڈے نامعلوم خوف کی وجہ سے خائف وہراساں تھے۔

وہ زائرین جو ماہانہ غسل میں شریک ہونے کے لئے آئے تھے، مسلمانوں کے حملہ کی خبر سن کر بہت جلد واپس چلے گئے تھے۔

سچ یہ ہے کہ ضیغم اسلام غازی سلطان محمود کی آمد سے ہندو کانپ رہے تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ فتح وظفر انہی کے مقدر میں ہے۔ جس ملک یا قلعہ پر وہ حملہ کرتے ہیں اسے فتح کئے بغیر نہیں چھوڑتے۔ ان کی تشویش اور خوف کی یہی وجہ تھی۔

چونکہ انہلواڑہ کا راجہ پرم دیو نہایت غیور اور بڑا بہادر سمجھا جاتا تھا نیز لشکر بھی اس کے پاس کافی تھا اور اس کی قوت وعظمت کے افسانے مشہور تھے، اس لئے سب کا یہ خیال تھا کہ وہ شیرِ اسلام غازی سلطان محمود کا سدِ راہ ہو گا اور اپنی قلمرو سے ہرگز انہیں نہ گزرنے دے گا۔

لیکن بہت جلد انہیں معلوم ہو گیا کہ ان کی توقعات غلط ثابت ہوئیں۔ پرم دیو بغیر کوئی خونریز مقابلہ کئے انہلواڑہ کو خالی کر کے اپنے سمندری قلعہ گندابہ کی طرف بھاگ گیا ہے اور سلطان محمود بڑھے چلے آرہے ہیں۔

اس خبر سے ہندوؤں میں کھلبلی مچ گئی۔ ان کے دلوں پر مسلمانوں کی ہیبت چھا گئی۔ مہاراجہ

سومنات کو بھی قدرے تشویش ہوئی۔

جب کہ یہ واقعات ہو رہے تھے اس وقت چندر موہنی نہایت متفکر اور مغموم تھی۔ اس کے احمری لبوں پر ہنسی تو ہنسی، مسکراہٹ بھی نہ آتی تھی۔ اس کے چاند سے چہرہ پر اداسی کا ابر سا چھایا رہتا تھا۔

اس کی سہیلیاں اور داسیاں اسے خوش کرنے اور ہنسانے کی کوشش کرتی تھیں لیکن وہ خوش ہوتی تھی نہ ہنستی تھی۔ عرصہ ہوا کامنی اس کے پاس سے چلی گئی تھی۔ جب سے کامنی اسے فریب دے کر جنگل میں لے گئی تھی اور سکھد یو نے وہاں اسے پریشان کیا تھا، اس وقت سے وہ کامنی سے کچھ کشیدہ اور الگ الگ رہنے لگی تھے۔

لیکن یہ عجیب بات تھی کہ وہ دل میں اسے اکثر یاد کر لیا کرتی تھی۔ وہ اکثر خود حیران ہو جاتی تھی کہ کامنی بیوفا اور نا قابلِ اعتماد ہونے کے باوجود بھی کیوں یاد آتی ہے۔

جب سے اس نے شوبھا دیوی سے یہ سنا تھا کہ سکھد یو نے ہارون کو گرفتار کر لیا ہے، اس وقت سے وہ اور بھی غم زدہ اور بے چین رہنے لگی تھی۔

ایک روز جب وہ مہارانی کے سلام کو گئی تو جیسا کہ اس کا قاعدہ تھا کہ وہ روزانہ صبح کے وقت مہارانی اور مہاراجہ دونوں کو سلام کرنے جایا کرتی تھی تو مہارانی نے اس کے چہرہ کی طرف دیکھ کر کہا:

''پُتری، تو بڑی بیاکل (بے چین و غمگین) معلوم ہوتی ہے۔ کیا کارن (وجہ) ہے؟''

چندر موہنی نے سر جھکا کر جواب دیا:

''کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔ نہ معلوم میری طبیعت کیوں پریشان اور مضطرب رہتی ہے۔''

مہارانی: ''اس ملیچھ سلطان محمود کے حملہ نے سب ہی کو پریشانی میں ڈال دیا ہے۔ تیرے پتا جی بیاکل رہتے ہیں۔ میں بھی غمگین رہتی ہوں۔ اب تُو بھی ایسی ہی رہنے لگی؟ میری عزیز بیٹی!! تو فکر نہ کر۔ سومنات جی اس ملیچھ کو ضرور سزا دیں گے۔ تجھے ان ملکی معاملات سے کیا تعلق؟ تُو ہنسی خوشی رہ۔ تجھے آزردہ دیکھ کر مجھے اور تیرے پتا جی......... دونوں کو رنج ہوتا ہے۔''

چندر موہنی: ''میں خوش رہنے کی کوشش کروں گی ماتا جی!!''

مہارانی: ''ہاں میری بچی!! تُو خوش رہا کر۔ تجھے خوش دیکھ کر ہم بھی ذرا خوش ہو لیا کریں گے۔''

چندر موہنی سلام کر کے واپس لوٹ آئی۔ نہ معلوم کیا بات ہوئی اور اسے کیا خیال آیا کہ جب وہ مہارانی کے پاس سے پلٹی تو یکا یک اس کے دل پر ابرِ غم چھا گیا۔ وہ اپنے کمرے میں آنے کی بجائے باغیچہ میں جا نکلی اور ایک سنگ مرمر کی خوشنما بینچ پر بیٹھ کر مغموم نگاہوں سے باغیچہ کے گل پوش تختوں کو

دیکھنے لگی۔

پھول کثرت سے کھل رہے تھے۔ ان کی خوش رنگی سے تمام گلشن میں آگ سی لگی ہوئی تھی۔ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو سے فضا معطر ہو رہی تھی۔ خوشبو کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ ہوا کے خفیف جھونکوں سے سبزہ لہلہا رہا تھا۔ پھولوں کے پودے جھوم رہے تھے اور پھول ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو رہے تھے۔ پھولوں پر دلفریب تتلیاں پھر رہی تھیں۔ نہایت دل فریب سماں اور نہایت دل کش منظر تھا لیکن چندر موہنی اس میں کچھ بھی دلچسپی نہ لے رہی تھی۔ وہ اس وقت حد درجہ غمگین وملول تھی۔

نہ معلوم بیٹھے بیٹھے اسے کیا خیال آیا کہ بے ساختہ اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ وہ اپنے خوب صورت اور سڈول بازوؤں سے منہ چھپا کر بینچ کے تکیہ کے اوپر جھک گئی اور زار و قطار رونے لگی۔ اس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا:

''پرماتما میں کیا کروں؟ میں تو دکھ کے ساگر میں بہے چلی جا رہی ہوں' مجھ پر کرپا کرو.............. آہ پاپی سکھدیو، تُو نے یہ کیا کیا.............. ہارون..............''

اس وقت شدتِ گریہ سے اس کی آواز گلوگیر ہو گئی۔ وہ نہایت بے قراری اور دل گرفتگی کے ساتھ رو رہی تھی کہ کسی نے پیار سے اس کی پشت پر ہاتھ رکھا۔ وہ چونک کر اچھلی اور گھوم کر دیکھا تو دھرمپال کو کھڑے پایا۔

دھرمپال نہایت ہمدردی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ چندر موہنی نے ضبط کرنے اور آنسو پی لینے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئی۔ پرتوِ عارض پر آنسوؤں کی سفید دھاریں بہہ رہی تھیں۔ گویا چاند میں چاندی کا دریا جاری ہو گیا تھا۔

دھرمپال نے تسلی دہ لہجہ میں کہا:

''بیٹی!! تو رو رہی ہے۔ مت رو تسلی رکھ۔ میں تیرے دکھ کی وجہ جانتا ہوں!''

چندر موہنی نے متحیر ہو کر دھرمپال کو دیکھتے ہوئے کہا:

''آپ میرے دکھ کی وجہ جانتے ہیں؟''

دھرمپال: ''ہاں جانتا ہوں۔ اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے۔ سادھوؤں سے کونسی بات چھپی ہوئی ہے۔''

چندر موہنی: ''گرو جی!!''

اس کا دل بھر آیا اور وہ پھر بلک کر رونے لگی۔ دھرمپال اس کے قریب بیٹھ گئے۔ انہوں نے کہا:

''عورت محبت کے ہاتھوں بے بس ہو کر خون کے آنسو روتی ہے اور مرد محبت سے مجبور ہو کر مجنوں بن جاتا ہے۔ راجکماری!! ہارون کے لئے بے چین ہو کر رو رہی ہے؟''

چندر موہنی: ''جب آپ سب کچھ جانتے ہیں تو............''

دھرمپال: ''شرماؤ نہیں، صاف صاف کہو۔''

چندر موہنی: ''کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ ہارون کو سکھد یو نے گرفتار کر لیا ہے۔''

دھرمپال: ''معلوم ہے۔''

چندر موہنی: ''اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ سکھد یو کیسا سنگدل اور بے رحم ہے۔''

دھرمپال: ''جانتا ہوں لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ سکھد یو ہارون کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔''

چندر موہنی: ''اس بات سے میری تسلی نہیں ہو سکتی۔''

دھرمپال: ''مگر تیرا گرو کبھی جھوٹ بات نہیں کہتا۔''

چندر موہنی: ''میں یہ بھی جانتی ہوں۔''

دھرمپال: ''تُو نہیں جانتی چندر موہنی کہ اگر تیری محبت کا راز فاش ہو جائے تو تُو کن مشکلات میں پھنس جائے۔ جو آج تجھ سے محبت کرتے ہیں وہ نفرت کرنے لگیں۔ تجھے قید و بند کی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں۔ ضبط و صبر کر بیٹی!! بے صبری کر کے اپنے پیروں میں آپ ہی کلہاڑی نہ مار۔''

چندر موہنی: ''لیکن دل کو کیسے تسکین ہو؟؟''

دھرمپال: ''تُو چاہتی کیا ہے؟''

چندر موہنی: ''ہارون کی رہائی۔''

دھرمپال: ''وہ رہا ہو جائے گا۔''

چندر موہنی: ''کب؟''

دھرمپال: ''جب ایشور چاہے گا۔''

چندر موہنی: ''میں کیوں آپ کے پاس گئی۔ کیوں اس نے مجھے ڈاکوؤں سے بچایا؟ اور میں اس سے ملی.........گرو جی!! یہ سب کچھ کیوں؟''

وہ پھر رونے لگی۔ دھرمپال نے کہا:

''یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ایشور کو یہی منظور تھا۔''

چندر موہنی: ''پھر ایشور کیوں مجھے تسلی نہیں دیتے؟ میرا دل کیوں تڑپ جاتا ہے؟ کیوں اسے قرار نہیں ہوتا؟ ہارون رہا نہیں ہو سکتا! ہرگز نہیں رہا ہو سکتا!!''

''وہ رہا ہو گیا۔'' ایک آواز آئی۔

چندر موہنی اور دھرمپال دونوں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ شوبھا دیوی آ رہی تھی۔ چندر موہنی کھڑی ہو گئی۔ اس کی جن نرگسی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اب ان میں مسرت کروٹ لے رہی تھی۔ اس کے چہرہ سے غم اور خوشی کی متضاد علامتیں بہ یک وقت ٹپک رہی تھیں۔ اس نے کہا:

''ماتا جی!! کیا یہ سچ ہے؟''

شوبھا دیوی نے قریب آ کر کہا:

''ہاں سچ ہے، کیا میں نے تجھ سے وعدہ نہ کیا تھا؟''

چندر موہنی: ''ہاں کیا تھا۔ کس نے انہیں رہا کرایا؟''

شوبھا دیوی: ''میں نے، کامنی کی مدد سے!''

چندر موہنی: ''کامنی کی مدد سے؟''

شوبھا دیوی: ''ہاں! ہارون اس وقت اپنے لشکر کے ساتھ آ رہا ہے۔''

ابھی اس قدر گفتگو ہوئی تھی کہ عظیم شور بلند ہوا، جیسے اچانک کوئی مصیبت آ ٹوٹی ہو اور سومنات کے لوگ اسے دیکھ کر چلانے لگے ہوں۔

شور دم بدم بڑھتا جاتا تھا۔ یہ تینوں حیران ہو رہے تھے۔ دھرمپال نے کہا:

''کیا بات ہوئی؟ کیوں لوگ چلا رہے ہیں؟ میں جا کر دیکھوں!''

وہ اٹھ کر جھپٹے۔ باغیچہ سے نکل کر قصرِ شاہی کے اس گوشہ کو طے کیا جس میں وہ قیام رکھتے تھے اور جب وہ قصر سے باہر آئے تو انہوں دیکھا کہ ہر شخص پریشان اور متوحش ہے، بلا قصد و ارادہ کے شور کر رہا ہے۔

انہوں نے پہرہ والوں سے شور کی وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر آ گیا ہے۔ انہیں بھی تعجب ہوا۔ وہ دوڑ کر فصیل پر چڑھ گئے انہوں نے دیکھا کہ مجاہدینِ اسلام نہایت شان سے بڑھے چلے آ رہے ہیں اور اسلامی علم بڑے رعب و داب سے لہرا رہا ہے۔

باب ۱۱

شیرانِ اسلام کی آمد

اسلامی لشکر کے آنے سے پہلے ہی وہ تمام راجپوتی فوجیں جو سومنات کو مسلمانوں سے بچانے کے لئے آئی تھیں اور قلعہ کے میدان میں پھیلی ہوئی تھیں، سمٹ کر قلعہ کے اندر داخل ہو گئیں تھیں۔

چونکہ قلعہ نہایت ہی وسیع تھا اور اس کی فصیلیں بھی نہایت طویل وعریض تھیں، اس لئے تمام فوجیں اس میں سما گئی تھیں۔

مسلمانوں کے آنے کی خبر بجلی کی سرعت کے ساتھ قلعہ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک، نیز شہر اور سومنات کے مندر تک پہنچ گئی۔

ہندو مسلمانوں کے اس طوفان کے آنے کا جو انتظار عرصہ سے کر رہے تھے، آخر ہوا اور بجلی کی تیزی سے یہ طوفان آ ہی گیا۔

تمام راجپوت اسلامی لشکر کو دیکھنے کے لئے قلعہ کی فصیل پر آ چڑھے۔ عام تماشائیوں کا بھی ہجوم ہو گیا۔ ہر طرف کی فصیل کثرتِ اژدہام سے لبریز ہو گئی تھی۔

فصیل کے ہر جانب کثرت سے برج بنے ہوئے تھے۔ ان برجوں میں متعدد راجہ اور فوجی سردار آ گئے۔ ایک وسیع برج میں خود مہاراجہ اپنے چند مشیروں کے ساتھ آ بیٹھا۔

تمام ہندو، فوجی اور غیر فوجی، راجہ اور مہاراجہ جو سومنات کی امداد و حفاظت کے لئے آئے تھے، مہاراجہ سومنات، رانیاں اور راجکماریاں سب مجاہدینِ اسلام کو دیکھ رہے تھے۔

سب سے پہلے اسلامی لشکر کا ہراول دستہ آیا تھا۔ یہ ہراول ہارون اور برہان کی سرکردگی میں تھا۔ اگرچہ اس دستہ میں کل پانچ ہزار سپاہی تھے جو سب عربی گھوڑوں پر سوار تھے لیکن ہارون نے اس مختصر لشکر کو کچھ اس ترتیب سے پھیلا دیا تھا کہ اس کی صحیح تعداد کا پتہ لگانا مشکل ہو گیا تھا۔

ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے بے شمار سوار میدان کے کناروں کو بھرتے چلے آ رہے ہوں۔
جوں جوں یہ لشکر قلعہ کے قریب آتا جاتا تھا، مسلمانوں کی صورتیں صاف نظر آنے لگی تھیں۔ چونکہ مطلع صاف تھا اور آفتاب نہایت آب و تاب سے تمام میدان میں پھیل رہا تھا، اس لئے مسلمانوں کے ہتھیار شعاعیں پڑنے سے جگمگا رہے تھے۔

اس وقت دھرمپال اس برج میں داخل ہوئے جس میں مہاراجہ سومنات اور ان کے مشیر بیٹھے تھے۔ دھرمپال کو دیکھتے ہی مہاراجہ نے کہا:

''خوب آئے آپ، اس وقت میں آپ کو ہی یاد کر رہا تھا۔ کیا آپ ان ملیچھ سرداروں میں سے کسی کو جانتے ہیں؟''

دھرمپال نے ایک طرف بیٹھتے ہوئے کہا:

''آپ جانتے ہیں کہ میں ایک جہاں گرد سیاح ہوں۔ میں نے کاشی جی (بنارس) اور بندرابن (متھرا) میں سنسکرت وغیرہ پڑھی ہے۔ کشمیر، پشاور، لاہور، ملتان اور خود غزنی بھی ہو آیا ہوں اس لئے سلطان محمود اور ان کے بعض سرداروں سے واقف ہوں۔''

یہ سن کر سب کو حیرت ہوئی کہ مہا گرو دھرمپال غزنی بھی ہو آئے ہیں۔ مہاراجہ نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا:

''کیا آپ غزنی بھی ہو آئے ہیں؟''

دھرمپال نے سنجیدگی سے جواب دیا:

''جی ہاں، کئی مہینہ وہاں رہ آیا ہوں۔ اسی طرح بھیس بدل کر اور مسلمان بن کر جس طرح بہت سے مسلمان ہمارے مقدس شہروں میں ہمارے ہی لباس اور ہمارے ہی مذہب کے نقال بن کر ہم میں رہتے ہیں۔''

دھرمپال کی اس گفتگو کو سن کر تمام مشیر اور خود مہاراجہ بہت زیادہ متحیر ہوئے۔ مہاراجہ نے پوچھا:

''کیا واقعی مسلمان ہمارے بھیس میں ہمارے شہروں میں موجود ہیں اور ہم انہیں شناخت نہیں کر سکتے؟''

دھرمپال نے جواب دیا:

''جی ہاں! کثرت سے موجود ہیں اور بالکل نہیں پہچانے جاتے۔ بہت ممکن ہے سومنات میں بھی ہوں۔ یہ مسلمان بڑے غضب کے بہادر اور نہایت جیالے ہوتے ہیں۔ ان کی باتیں نرالی اور

بعید از فہم و قیاس ہوتی ہیں۔

''چند صدیاں گزر گئیں جب انہوں نے ایران پر حملہ کیا اور دریائے دجلہ میں جو نہایت مہیب اور دنیا کے مشہور دریاؤں میں سے ایک ہے، اپنے گھوڑے ڈال دیئے تو ایرانیوں کا وہ بے شمار لشکر جو دریا کے دوسرے کنارے پر کھڑا تھا اور خوب جانتا تھا کہ اس دریا کو بغیر بادبانی کشتیوں یا جہازوں کے عبور نہیں کیا جا سکتا، مسلمانوں کی یہ جرأت دیکھ کر چلا اٹھا۔ ''دیو آمدند، دیو آمدند'' یعنی دیو آگئے دیو آگئے۔ اور ان کے کنارہ پر پہنچنے سے پہلے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔

''ملکِ شام و مصر کے عیسائی باشندے انہیں جن کہا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے کام حیرتناک ہوتے ہیں۔ ایشوران سے تو سابقہ ہی نہ ڈالے تو اچھا ہے۔''

مہاراجہ: ''آپ نے تو یہ کہہ کر کہ ممکن ہے مسلمان ہمارے بھیس میں ہمارے درمیان میں موجود ہوں مجھے ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔''

دھرمپال: ''اور میں سچ کہہ رہا ہوں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ میں ہی ان میں سے ایک ہوں یا مہا پجاری ہوں یا پنڈوں میں وہ لوگ گھسے ہوئے ہیں!''

مہاراجہ: ''اس طرح تو گویا ہمیں ہر شخص سے مشکوک رہنا اور اس کی نگہداشت کرنا چاہیے۔''

دھرمپال: ''یہ مشکل امر ہے اور ہمیں ہر شخص سے مشکوک بھی نہیں ہونا چاہیے لیکن ہاں، احتیاط ضرور کرنی چاہیے۔''

مہاراجہ: ''آپ نے ٹھیک کہا، ہم سب کو ہشیار اور محتاط رہنا چاہیے۔ اچھا آپ جن لوگوں کو جانتے ہیں انہیں دیکھ کر بتاتے جایئے۔ دیکھئے اب تو اسلامی لشکر بہت قریب آگیا ہے۔ اس کا افسر کون ہے اور کیا یہی مسلمانوں کا تمام لشکر ہے؟''

دھرمپال: ''جی نہیں۔ مسلمان ایک دم بلا کسی اشد ضرورت کے کسی قلعہ پر نہیں آیا کرتے۔ یہ ان کا ہراول معلوم ہوتا ہے۔ لیجیئے میں نے اس افسر کو پہچان لیا۔ وہ جس کے ہاتھ میں علم ہے، اس دستہ کا افسر ہے۔''

سب میدان کی طرف مجاہدینِ اسلام کو دیکھ رہے تھے۔

مہاراجہ نے کہا:

''یہ علمبردار لڑکا اس دستہ کا افسر ہے..........؟''

دھرمپال: ''جی ہاں!! آپ نے پہچانا کون ہے؟''

مہاراجہ: ''نہیں..........''

دھرمپال: ''یہی ہارون ہے جسے سکھدیو نے انہلواڑہ میں قید کر دیا تھا اور جس کی بابت مشہور ہے کہ حیرت انگیز طریقہ سے رہا ہو گیا۔''

ہارون کی گرفتاری اور رہائی کا حال مشہور ہو گیا تھا۔

مہاراجہ نے کہا:

''اچھا یہ ہے وہ نوجوان، بالکل نوعمر معلوم ہوتا ہے۔''

دھرمپال: ''اس کے ساتھ اس کا دوست بھی ہوگا، اس کا نام برہان ہے۔ یہی دونوں میرے پاس آئے تھے سیاحت کے بہانہ سے مگر اس وقت میں انہیں سیاح ہی سمجھا تھا۔''

ہارون کے ہاتھ میں علم تھا، اس کے ساتھ ہی اس کا دوست برہان بھی تھا۔ دونوں نہایت بے خوفی سے مجاہدین کے جلوس میں بڑھے چلے آرہے تھے۔

چندرموہنی بھی اپنی سہیلیوں کے جھرمٹ میں ایک برج میں بیٹھی مسلمانوں کو دیکھ رہی تھی۔ اگرچہ اس طرف سے وہ فاصلہ پر تھے لیکن روزِ روشن ہونے کی وجہ سے صاف نظر آرہے تھے۔ چندرموہنی نے ہارون کو دیکھ لیا۔ اس کے چہرہ پر سرخی بکھر گئی۔ رخسار تیز گلابی رنگ میں ڈوب گئے۔ آنکھوں میں سحر خیز چمک پیدا ہو گئی۔ دل گداز سینہ میں دھڑکنے اور سانس تیز تیز چلنے لگا۔

ابھی ہراول میدان کے کناروں کو بھرتا آگے بڑھتا چلا آرہا تھا کہ دور افق میں سے مسلمانوں کا دوسرا دستہ نمودار ہوا۔ اس دستہ کے ساتھ ہزاروں اونٹ تھے جو اپنی لمبی گردنیں اٹھائے جگالی کرتے نہایت اطمینان سے قدم قدم چلے آرہے تھے۔

جب یہ دستہ قریب آرہا تو دھرمپال نے کہا:

''دیکھئے یہ دستہ التونتاش کی ماتحتی میں ہے۔ سلطان محمود کا یہ سردار نہایت جیالا اور بڑا بہادر ہے۔ ہمت و استقلال سے ہر مہم میں دوسروں پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں بھی علم ہے۔''

چونکہ اس دستہ کے ساتھ کثرت سے اونٹ تھے اس لئے دیر تک آتے اور میدان میں پھیلتے رہے۔ آج صرف یہ دو دستے ہی سومنات کے سامنے آسکے۔ ان کے آنے اور مقیم ہونے میں ہی تمام دن لگ گیا۔

مہاراجہ: ''بس اتنا ہی لشکر ہے مسلمانوں کا؟''

دھرمپال: ''نہیں!!! ابھی تو صرف دو ہی سردار آئے ہیں، باقی لشکر پیچھے ہوگا۔ خود سلطان محمود ابھی تک نہیں آئے۔''

مہاراجہ: ''آپ کے اندازہ میں مسلمانوں کا یہ لشکر کس قدر ہوگا؟''

دھرمپال: ''صحیح تعداد تو بتائی نہیں جاسکتی (قارئین کرام اس فقرہ کو ملحوظ رکھیں) لیکن سنا ہے ہارون اور التونتاش دونوں دس دس ہزاری ہیں اس لئے قیاس کہتا ہے کہ دونوں کے ساتھ بیس ہزار سپاہی ہوں گے۔''

مہاراجہ: ''میرا بھی یہی خیال ہے۔ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے!''

دھرمپال: ''میں سمجھ گیا ہوں۔آپ کا ارادہ شبخون مارنے کا ہے؟''

مہاراجہ: ''ہاں، تھوڑا سا لشکر ہے۔تھکا ہوا ہے رات کو غافل ہو کر سو جائے گا۔ہم آسانی سے اسے پسپا کر دیں گے۔''

دھرمپال: ''آپ شاید واقف نہیں ہیں کہ مسلمان جب جہاد کے لئے گھر سے نکلتا ہے تو جفاکشی پر کمر باندھ لیتا ہے۔راحت و آرام کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے۔ذرا رات ہو جانے دیجئے۔آپ خود دیکھیں گے کہ وہ کس طرح آگ جلا کر شب بیداری کرتے ہیں۔میرے خیال میں وہ خود رات کو قلعہ کے قریب آنے کی کوشش کریں گے۔آپ تو افسروں کو یہ حکم دیں کہ رات کو فصیلوں پر پہرہ کا ایسا انتظام کریں کہ مسلمان اگر قلعہ کے قریب آئیں تو انہیں ہوشیار دیکھ کر واپس لوٹ جائیں۔''

مہاراجہ: ''مناسب ہے۔''

مہاراجہ نے اسی وقت افسروں کو حکم دے دیا کہ وہ فصیل پر رات بھر پہرہ کا انتظام کر دیں اور خود قصرِ شاہی میں چلا گیا۔رات کو راجپوت تمام رات فصیل پر ٹہلتے اور شور کر کے اپنے جاگنے کا اظہار کرتے رہے۔

صبح بہت سویرے جب شفق پھوٹی اور افق میں سحر کی روشنی نمودار ہوئی تو اسلامی لشکر میں صبح کی اذان ہوئی اور مسلمانوں نے جماعت کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی۔

سومنات کے پجاریوں نے بھی اور دنوں سے زیادہ شوق وشغف سے پوجا کا انتظام کیا۔ گھنٹیاں، گھنٹے اور گھڑیال اس شور سے بجائے کہ اسلامی لشکر میں بھی اس کی آواز گونج گئی۔

کچھ دن چڑھے پھر فصیل کے دیدبان راجپوت سپاہیوں نے شور کیا۔پھر ہندوؤں کو معلوم ہو گیا کہ اور اسلامی لشکر آرہا ہے۔وہ پھر بھاگ بھاگ کر فصیلوں اور برجوں میں جا چڑھے۔انہوں نے دیکھا کہ مسلمان کمربستہ ہو رہے ہیں۔مہاراجہ بھی برج میں آگیا تھا۔دھرمپال بھی ان کے پاس آبیٹھے تھے۔رانیاں اور راجکماریاں بھی برجوں میں آگئی تھیں۔مہاراجہ نے دھرمپال سے کہا:

''میرے خیال میں تو تمام اسلامی لشکر یہی ہے اور آج اس کا ارادہ قلعہ پر حملہ کرنے کا

ہے۔"

دھرمپال: "آپ شاید ان کی کمر بندی سے ایسا خیال کر رہے ہیں لیکن یہ بات نہیں ہے۔ میرے خیال میں آج خود سلطان محمود آنے والے ہیں اور مسلمان ان کے استقبال کی تیاریاں کر رہے ہیں۔"

مہاراجہ: "ممکن ہے۔ نہ معلوم یہ سلطان محمود کس دل گردہ کا انسان ہے کہ جو بھی قصد و ارادہ کرتا ہے اُسے پورا کئے بغیر نہیں رہتا۔"

دھرمپال: "آپ کو یاد ہے جب ان کا پہلا قاصد سومنات میں آیا تھا تو میں نے اسی وقت کہہ دیا تھا کہ اس کی بات مان لی جائے۔"

مہاراجہ نے دھرمپال کو حیرت بھری نگاہوں سے دیکھ کر کہا:

"میں اپنی بیٹی چندر موہنی کو اس کے حوالہ کر دیتا؟"

دھرمپال: "اس میں کوئی حرج نہیں تھا۔ وہ چندر موہنی کو ہی حاصل کرنے کے لئے اس قلعہ پر حملہ آور ہوئے ہیں۔"

مہاراجہ: "ہونے دو۔ میں اس کی پرواہ ہی کب کرتا ہوں۔ اسے آنے دو۔ میں وہ سزا دوں گا کہ اگر وہ زندہ رہ گیا تو عمر بھر یاد رکھے گا۔"

دھرمپال: "مگر تمام ارادے اور ساری آرزوئیں پوری نہیں ہوا کرتیں!"

اس وقت شور ہوا۔ راجپوت گلے پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے تھے۔ مہاراجہ اور دھرمپال نے دیکھا افق میں سے مسلمان سواروں کے دستے نکل نکل کر بڑھے آ رہے تھے۔

دھرمپال: "اب سلطانی لشکر آ رہا ہے۔"

مہاراجہ: "اسلامی لشکر کی آمد کس قدر منظم اور شان دار ہوتی ہے۔"

دھرمپال: "مسلمانوں سے زیادہ فوجی قواعد و نظام کوئی نہیں جانتا۔ دیکھئے دستوں پر دستے کس طرح بڑھتے چلے آ رہے ہیں اور ان کی آمد کیسی بھلی معلوم ہو رہی ہے۔"

مہاراجہ: "نہایت قابلِ رشک ہے یہ منظر اور مسلمان کس طرح ان دستوں کا استقبال کر رہے ہیں!"

ہم بیان کر چکے ہیں کہ سلطان محمود نے دس ہزار سپاہیوں کے نو دستے کر دیئے تھے۔ اس وقت ہر دستہ نہایت شان کے ساتھ آ رہا تھا۔

ہارون اور التونتاش کے دستے ان کا پرجوش استقبال کر رہے تھے۔

یہ دستے شام تک آتے رہے۔ راجپوت یہ اندازہ ہی نہ لگا سکے کہ کس قدر لشکر آ چکا ہے۔

تیسرے روز امیر علی خویشاوند اور حاجب علی کے دستے آئے اور اس طرح مسلمانوں کا لشکر

تین روز تک متواتر آتا اور وسیع میدان میں پھیل کر فروکش ہوتا رہا۔

اگرچہ کل تیس ہزار سوار تھے لیکن اونٹوں، گھوڑوں اور سپاہیوں سے قلعہ کے سامنے تمام میدان لبریز ہو گیا جس سے ہندوؤں کو مسلمانوں کی تعداد دگنی معلوم ہونے لگی۔

اُدھر ہندو اس کثرت سے تھے کہ انہوں نے تمام قلعہ، سارا شہر، سومنات کا مندر اور ان کے درمیان میدان بھر رکھے تھے۔

سلطان محمود کے آ جانے کے بعد اہلِ سومنات اس بات کے منتظر رہے کہ اب مسلمان کیا کرتے ہیں۔ مسلمانوں نے بھی کوئی نقل و حرکت نہیں کی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ سستا رہے تھے۔

ایک پُر راز خط:

ایک روز ہارون اور برہان دونوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ برہان کہہ رہا تھا:

''چندر موہنی نے بھی شاید اوروں کی طرح ہمارے آنے کو دیکھا ہو!''

ہارون: ''شاید!!''

برہان: ''لیکن اس کے دل میں اگر تمہارا کچھ خیال ہے تو............''

ہارون نے قطعِ کلام کرتے ہوئے کہا:

''اسے یہاں میرے پاس دوڑا چلا آنا چاہیے تھا؟''

برہان: (مسکرا کر)...... ''محبت میں تو ضرور ایسا ہو جاتا ہے لیکن............''

ہارون: ''عقل کے ناخن لو یہاں برہان............تم ابھی لڑکے ہو۔''

برہان نے لمبا قہقہہ لگا کر کہا:

''اور تم شاید ساٹھ سالہ سن رسیدہ اور سنجیدہ بزرگ ہو!''

ہارون: ''سنا نہیں، بزرگی بہ عقل است نہ بہ بال۔'' غغ

برہان: ''یہ مقولہ تو ہم جیسوں کے لئے کہا گیا ہے تم جیسوں کے لئے نہیں جو ایک غیر مذہب لڑکی کی محبت میں سرشار ہے۔''

برہان: ''ہارون!!! اگر اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور ہم نے فتح پائی اور چندر موہنی گرفتار ہو گئی اور عالم پناہ نے اسے تمہیں دے بھی دیا تو کیا تم اس کے ساتھ شادی کر لو گے؟''

ہارون: ''نہیں؟''

برہان: ''تب کیا لونڈی بنا کر رکھو گے؟''

ہارون: ''اس سے اس کی توہین ہوگی۔''

برہان: ''پھر کیا کرو گے؟''

ہارون: ''اسے آزاد کردوں گا۔''

برہان: ''اور وہ محبت کا دعویٰ!''

ہارون: ''پھر بھی باقی رہے گا۔''

برہان: ''گویا اسے آزاد کر کے اپنے ساتھ رکھو گے! اس کی زندگی بھی تباہ کرو گے اور اپنی بھی؟''

ہارون: ''نہیں میں اسے اپنے ساتھ رہنے پر مجبور نہ کروں گا بلکہ اسے آزادی دے دوں گا کہ وہ جہاں چاہے جائے جس جگہ چاہے رہے۔''

برہان: ''اور تم اپنے مذہب میں شادی کرلو گے۔''

ہارون: ''قیامت تک نہیں۔ برہان تم نہیں جانتے یا نہیں جان سکتے کہ مجھے چندر موہنی سے کس قدر محبت ہوگئی ہے۔ بس یہ سمجھ لو.......... مگر نہیں نہ یہ بات مجھے سمجھانے کی اور نہ تمہیں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہاں صرف ایک بات تم سے کہتا ہوں اور وہ یہ کہ میں عمر بھر شادی نہ کروں گا، مجرد رہوں گا۔''

برہان کو یہ بات سن کر بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے کہا:

''عمر بھر مجرد رہو گے؟''

ہارون نے سنجیدگی سے جواب دیا:

''ہاں عمر بھر۔ یہ میرا اٹل ارادہ ہے۔''

برہان: ''تب تمہارے ناقص العقل ہونے میں کوئی شک ہی نہیں رہا۔''

ہارون: ''اب تم یا دنیا جو کچھ بھی سمجھے مجھے!''

برہان: ''مگر تم ایسا کرو گے ہی کیوں؟''

ہارون: ''اس لئے کہ محبت صرف ایک ہی مرتبہ اور ایک ہی عورت کے ساتھ ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے سمجھئے، چندر موہنی سے محبت ہوگئی ہے اور اتنی شدید محبت جو نا قابل اظہار ہے۔ لیکن وہ مشرک ہے، بت پرست ہے۔ میں اس کے ساتھ شادی نہیں کرسکتا۔''

برہان: ''لیکن اگر اسے بھی تمہارے ساتھ محبت ہوئی تب؟''

ہارون: ''اول تو غیر ممکن ہے کہ وہ صنم پرست سیم تن مجھ سے محبت کرے اور اگر ممکن بھی ہو تب بھی ایسا نہ ہوگا۔''

برہان: ''اگر وہ مسلمان ہو جائے؟''

ہارون: ''ایسی صورت میں بھی اپنے خون میں کسی غیر قوم کا خون شامل کر کے اپنے خاندان کو دوغلا بنانا ہرگز پسند نہ کروں گا۔''

برہان: ''عجب خیال کے آدمی ہو تم۔''

ہارون: ''اور اللہ تعالیٰ مجھے میرے خیال پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔''

اس وقت ایک شاہی سوار گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور ہارون کے خیمہ سے ذرا فاصلہ پر گھوڑا روک کر اتر پڑا۔ برہان اور ہارون دونوں نے اسے دیکھ لیا۔ ہارون نے کہا:

''غالباً اعلیٰ حضرت نے ہم دونوں کو یاد فرمایا ہے۔''

اس عرصہ میں سوار خیمہ کے اندر داخل ہوا اور سلام کر کے بولا:

''آپ کو جہاں پناہ نے یاد فرمایا ہے۔''

ہارون: ''کیا ہم دونوں کو؟''

سوار: ''نہیں صرف آپ کو۔''

برہان: ''میرے دوست مبارک ہو، میرا خیال ہے کہ عالم پناہ تمہیں مہاراجہ سومنات کے پاس قاصد بنا کر بھیجیں گے (مسکراتے ہوئے) اگر ایسا ہو تو اپنی اُن سے ضرور مل کر آنا۔ مجھے..............''

ہارون مسکرانے لگے۔ وہ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور افسری لباس میں ملبوس ہو کر روانہ ہو گئے۔

ہارون کا لشکر سمندر کے کنارہ پر خیمہ زن ہوا تھا۔ چونکہ راجپوتوں نے کشتیوں کی حفاظت کے لئے اس طرف ایک بڑا فوجی دستہ متعین کر دیا تھا اس لئے اس دستہ کے مسلمانوں کو ہر وقت ہوشیار رہنا پڑتا تھا۔

سلطان محمود اس لشکر سے کئی میل کے فاصلہ پر فروکش تھے۔ ہارون تیزی سے چل کر سلطانی لشکر میں داخل ہوئے۔ خیمۂ سلطان کے پاس پہنچ کر گھوڑے سے اترے اور باریابی کی اجازت حاصل کر کے خیمہ کے اندر داخل ہوئے۔

ہارون کو داخل ہوتے سلطان محمود نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ ہارون نے فوراً جھک کر نہایت ادب سے سلام کیا۔ سلطان محمود نے سلام کا جواب دے کر مسکراتے ہوئے کہا:

''تم آ گئے ہارون!! آؤ ہمارے قریب ہو کر بیٹھو۔''

ہارون سلطان محمود کے قریب جا بیٹھے۔ انہوں نے دیکھا کہ سلطان محمود کے سامنے ایک خط کھلا ہوا پڑا ہے لیکن کاغذ کی بدرنگی اور روشنائی کا پھیکا پن بتا رہا تھا کہ یہ خط عرصہ کا لکھا ہوا ہے۔

ہارون غور سے خط کو دیکھ رہے تھے لیکن وہ اتنے فاصلہ پر رکھا ہوا تھا کہ وہ پڑھ نہ سکے۔
سلطان محمود کن انکھیوں سے دیکھ رہے تھے کہ ہارون خط کو بغور دیکھ رہے ہیں۔ چند لمحے توقف کرنے کے بعد سلطان نے کہا:

''ہارون!! جس خط کو آج تم غور سے دیکھنے اور پڑھنے کی کوشش کر رہے ہو یہی خط مجھے اس سرزمین میں لانے کا باعث ہوا ہے۔''

ہارون اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر کانپ گئے۔ یہ بات آدابِ شاہی کے خلاف تھی کہ کسی خط کو غور سے دیکھنے یا پڑھنے کی کوشش کی جاتی۔ انہوں نے معذرت خواہ نگاہوں سے سلطان محمود کو ایک نظر دیکھ کر عذر خواہی کے لہجہ میں کہا:

''عالم پناہ!! مجھ سے سخت غلطی ہوئی کہ میں نے خط بغور دیکھا لیکن میں نے اسے پڑھنے کی کوشش نہیں کی۔''

سلطان محمود: ''خائف نہ ہو ہارون!! ہم نے تمہیں ملامت کرنے کے لئے ایسا نہ کہا تھا۔ ہم خود تمہیں خط دے دیتے اور تم پڑھ کر اس کے نفسِ مضمون سے واقف ہو جاتے لیکن اس میں ایک راز تحریر ہے اور مابدولت مناسب نہیں سمجھتے کہ اس راز کو قبل از وقت ظاہر ہونے دیا جائے۔ ہاں اگر کوئی ایسا وقت آیا تو ضرور ظاہر کر دیا جائے گا۔''

ہارون: ''عالم پناہ ہی ان مصلحتوں کو خوب سمجھتے ہیں۔''

سلطان محمود: ''ہاں، وہ اس لئے کہ ہم ان باتوں سے واقف ہیں جنہیں تم نہیں جانتے۔ اچھا تو ہم کہہ رہے تھے کہ یہی خط ہمیں یہاں لانے کا باعث ہوا ہے!''

ہارون: ''بے شک عالم پناہ نے یہ فرمایا تھا۔''

سلطان محمود: ''چونکہ عام طور پر کسی کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ ہم سومنات پر کیوں حملہ آور ہوئے ہیں۔ اس لئے اب بھی مختلف خیالات ظاہر کئے جا رہے ہیں اور آئندہ بھی کئے جائیں گے۔ معلوم نہیں مؤرخ تاریخوں میں کیا لکھیں گے۔ کوئی ہمیں حریصِ زر کہے گا، کوئی فتوحات حاصل کرنے کا شائق بتائے گا۔ غرض اپنی اپنی سمجھ کے موافق ہر شخص رائے زنی کرے گا لیکن ...... (ٹھنڈا سانس بھر کر) میرا اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں کیوں اتنا دور دراز کا فاصلہ طے کر کے لق و دق میدان کو عبور کر کے ہزاروں مصیبتیں اٹھا کر یہاں آیا ہوں۔''

ہارون: ''اور اللہ تعالیٰ ہی کا جاننا بہتر ہے۔''

سلطان محمود: ''ہاں، اللہ تعالیٰ ہی کا جاننا بہتر ہے۔ ہمیں اسی سے صلہ کی امید ہے۔ وہی جزائے خیر دیتا

ہے۔"

کچھ وقفہ کے بعد سلطان نے پھر کہنا شروع کیا:

"ہارون! ہماری جوانی رخصت ہوگئی ہے، ضعیفی آ گئی ہے۔ صبحِ زندگی کی شام قریب ہے۔ یہ زمانہ گوشہ نشین ہو کر اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے اور سفرِ آخرت کے لئے توشہ تیار کرنے کا ہے لیکن .... میں سمجھتا ہوں کہ جس کام کے لئے میں یہاں آیا، وہ بھی عبادت و ریاضت میں داخل ہے .... تُو اصل تمہید کو سن کر حیران ہو رہا ہے ہارون؟"

ہارون: "عالم پناہ!! اس وقت باتیں ہی کچھ ایسی ارشاد فرما رہے ہیں۔"

سلطان محمود: "ہم نے آج تک اس امر کا کسی سے ذکر نہیں کیا ہے لیکن آج کچھ تجھ سے تذکرہ آ گیا ہے۔ مگر تُو اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔"

ہارون: "اس خانہ زاد سے اعلیٰ حضرت کی اعتماد شکنی کی جرأت ناممکن ہے۔"

سلطان محمود: "ہم اس بات کو خوب جانتے ہیں۔ کیا تم سومنات کے قلعہ میں جانے کی جرأت کر سکو گے؟"

ہارون: "بہ سر و چشم!"

سلطان محمود: "ہم تمہیں قاصد بنا کر اتمامِ حجت کے لئے مہاراجہ سومنات کے پاس بھیجنا چاہتے ہیں۔"

ہارون کے چہرہ پر فرطِ مسرت سے سرخی دوڑ گئی۔ انہوں نے کہا:

"میں حاضر ہوں!"

سلطان محمود نے ایک خط مسند کے نیچے سے نکال کر ہارون کی طرف بڑھایا جسے ہارون نے دوزانو اٹھ کر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں پر لیا اور سر پر رکھ کر ہاتھ پر تھام لیا۔ سلطان محمود نے کہا:

"یہ خط مہاراجہ کو پہنچا دو۔ اگر وہ تم سے زبانی اس کے متعلق کچھ پوچھے تو کہہ دینا کہ مجھے حالات کچھ معلوم نہیں ہیں۔"

ہارون: "بہتر ہے۔"

سلطان محمود: "ایک خط اور بھی تمہیں پہنچانا ہے۔ وہ دھرمپال کو دینا لیکن اس ہوشیاری سے اور احتیاط سے کہ کوئی نہ دیکھے اور کسی کو اس کی خبر نہ ہو۔"

ہارون: "ایسی ہی کوشش کی جائے گی۔"

سلطان محمود نے دوسرا خط بھی مسند کے نیچے سے نکال کر دیا اور ہارون نے حسبِ سابق اسے بھی لے لیا۔ سلطان محمود نے کہا:

''آج ہی روانہ ہو جاؤ۔ مہاراجہ کا جواب آنے تک جنگ نہ کی جائے گی۔''

ہارون سلام کر کے اٹھے اور دونوں خطوط واسکٹ کی جیب میں رکھ کر گھوڑے پر سوار ہو کر واپس لوٹے۔ وہ حیران ہو رہے تھے کہ برہان کا خیال کس قدر صحیح نکلا۔

جب وہ اپنے خیمہ پر پہنچے تو برہان کو منتظر پایا۔ اس نے انہیں دیکھتے ہی کہا:

''کہو، ہے نہ وہی بات؟ قاصد بنا کر سومنات کے قلعہ میں بھیجے جا رہے ہو نا؟''

ہارون: ''تمہارا خیال بالکل درست نکلا برہان!! لیکن تم نے بغیر میرے بتائے کیسے اس بات کو سمجھ لیا؟''

برہان: ''تمہارے مسرت ناک چہرہ کو دیکھ کر! کب جاؤ گے؟''

ہارون: ''اسی وقت!''

برہان: ''کیا تنہا؟''

ہارون: ''ہاں!''

برہان: ''ذرا راجپوتوں سے ہوشیار رہنا، یہ لوگ بڑے کینہ پرور ہوتے ہیں۔''

ہارون: ''اللہ تعالیٰ میری حفاظت کرے گا!''

ہارون نے جلدی جلدی تمام ہتھیار بدن پر لگائے اور برہان کو اللہ حافظ کہہ کر قلعۂ سومنات کی طرف روانہ ہو گئے۔

باب ۱۲

حسین پیغامبر

راجپوت قلعہ سومنات کی فصیل پر ہر وقت گشت کرتے اور اسلامی لشکر کی طرف دیکھتے رہتے تھے۔ جو راجہ مہاراجہ سومنات کی مدد کے لئے آئے تھے وہ اکثر سومنات کے مہاراجہ کے پاس آتے اور جنگ کے متعلق مشورے کیا کرتے۔

یہ بات ان تمام لوگوں کو معلوم تھی کہ سلطان محمود جنگ شروع کرنے سے قبل کوئی پیغام بھیجیں گے کہ یہ بات ان کی عادت میں داخل ہے۔ وہ قاصد کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ چنانچہ کچھ سپاہیوں نے ہارون کو آتے ہوئے دیکھا۔ فوراً اِس کی آمد کی اطلاع افسروں کو کی گئی۔ بہت سے افسر فصیل کے جھروکوں سے جھانک کر دیکھنے لگے۔

ہارون درانا قلعہ کے شمالی پھاٹک پر پہنچ کرر کے اور بلند آواز میں اہلِ سومنات کی زبان میں بولے:

''میں قاصد ہوں اور شاہی پیغام لے کر آیا ہوں!''

ان افسروں نے جو جھانک رہے تھے، ان کی آواز سنی۔ فوراً مہاراجہ کو قاصد کے آنے کی اطلاع کی گئی۔ اتفاق سے اس وقت مہاراجہ کے پاس دھرمپال بیٹھے تھے۔ مہاراجہ نے ان سے کہا:

''کیا آپ پھاٹک تک جانے اور قاصد کو اپنے ہمراہ لانے کی تکلیف گوارا کریں گے؟''

دھرمپال: ''کیوں نہیں!''

مہاراجہ: ''اچھا، تو تشریف لے جایئے۔ میں اس لئے آپ کو بھیج رہا ہوں کہ آپ ان وحشی مسلمانوں کی زبان جانتے ہیں اور لوگوں کے دلوں سے ان کی راز کی باتیں اگلوانے میں مشاق ہیں۔ آپ قاصد سے یہ بات معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ اسلامی لشکر کس قدر ہے۔''

دھرمپال: ''یہ مسلمان بڑے ہوشیار اور پختہ کار ہوتے ہیں۔ ذرا مشکل ہی سے باتوں میں آتے ہیں

لیکن میں کوشش کروں گا۔"

مہاراجہ: "ہاں کوشش کر لیجئے۔ میرا خیال ہے کہ ضرور کچھ نہ کچھ حال آپ کو معلوم ہو جائے گا۔"

دھرمپال اٹھے، چلے اور تنہا پھاٹک پر آئے۔ انہوں نے پھاٹک کے محافظوں سے چھوٹی کھڑکی کھولنے کو کہا۔

فوراً کھڑکی جو قد آدم تھی، کھول دی گئی اور دھرمپال نکلے۔ جوں ہی انہوں نے ہارون کو دیکھا نہایت خوش ہو کر ان کی طرف بڑھتے ہوئے بولے:

"اوہ ہارون تم ہو!"

ہارون نے انہیں سلام کر کے جواب دیا:

"جی ہاں، میں ہی ہوں۔"

وہ گھوڑے سے اترے اور دھرمپال کے پاس آئے۔ انہوں نے جلدی سے خط نکال کر انہیں دیتے ہوئے کہا:

"عالم پناہ نے یہ خط خاص طور پر آپ کو دینے کا حکم دیا تھا۔"

دھرمپال: "آہستہ بولو، لاؤ۔"

انہوں نے خط لے کر جلدی سے چھپا لیا اور بولے:

"کیا اس کا جواب ابھی دینا ہوگا؟"

ہارون: "ہاں، اگر آپ پسند کریں۔"

دھرمپال: "تب تمہیں کچھ دیر انتظار کرنا ہوگا۔"

ہارون: "میں انتظار کروں گا۔"

دھرمپال: "لیکن سلطان محمود نے تمہیں قاصد بنا کر کیوں بھیجا؟"

ہارون: "اس بات کو وہی خوب جانتے ہوں گے۔ شاید یہ بات ہو کہ میں ان لوگوں کی کچھ زبان جانتا ہوں۔"

دھرمپال: "مگر تمہارے لئے یہاں خطرہ ہے۔"

ہارون: "اللہ تعالیٰ مددگار ہے۔ مجھے خطرہ کی پرواہ نہیں ہے۔"

دھرمپال: "شاباش، اچھا آؤ۔ مہاراجہ اسلامی لشکر کی تعداد معلوم کرنا چاہتا ہے۔"

ہارون: "میں لشکر کی صحیح تعداد نہیں جانتا۔"

دھرمپال: "یہ جواب مناسب ہے۔"

ہارون نے گھوڑا پھاٹک سے باندھا اور کھڑکی کے ذریعہ سے اندر قلعہ میں داخل ہوئے۔ قاصد کے آنے کی خبر بجلی کی طرح تمام قلعہ میں دوڑ گئی۔ لوگ قاصد کو دیکھنے کے لئے جمع ہونے لگے۔ ان کا خیال تھا کوئی پختہ کار شخص آیا ہوگا لیکن جب ہارون کو دیکھا تو ان کی نوعمری دیکھ کر بڑے متعجب ہوئے۔

دھرمپال اور ہارون دونوں باتیں کرتے چلے جا رہے تھے کہ ہٹو، بچو کی آواز آئی۔ معلوم ہوا کہ راجکماری چندر موہنی مندر میں سے آ رہی ہے۔ اس خبر کو سن کر ہارون کا دل دھڑکنے لگا۔ یہ دونوں راستہ کے سرے پر چلنے لگے۔

تھوڑی ہی دیر میں کچھ سوار آئے اور ان کے قریب سے نکلے چلے گئے۔ ان کے پیچھے ایک خوشنما رتھ آیا جس میں بہت سے گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ رتھ کے ریشمی پردے پڑے ہوئے تھے۔ جب وہ دھرمپال اور ہارون کے برابر میں پہنچا تو دفعتاً پردے کھنچ گئے۔ رتھ رک گیا اور ایک نہایت ہی شیریں آواز آئی:

''گرو جی مہاراج، آپ ہیں؟''

یہ چندر موہنی تھی جس نے دھرمپال کو مخاطب کیا تھا۔ دھرمپال اور ہارون دونوں کی نگاہیں رتھ کی طرف گئیں۔ پیکرِ حسن چندر موہنی کی چاندسی صورت نظر آئی۔ ہارون کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ دھرمپال ہارون کو ساتھ لے کر رتھ کے پاس آئے اور بولے:

''چندر موہنی شاہی قاصد آیا ہے۔ بیٹی!! تم مندر سے آ رہی ہو؟''

چندر موہنی: ''جی ہاں۔''

اس کی نظر ہارون پر پڑی تو اس کے چہرہ پر خوشی بکھر گئی۔ وہ ہوش ربا چمکیلی نگاہوں پر چھا گئی۔ ہارون بھی اس زرفام کو دیکھ رہے تھے۔ دونوں کی نظریں چار ہوئیں اور دونوں اپنی اپنی جگہ پر لڑکھڑا گئے۔

چندر موہنی نے سنبھل کر برق پاش تبسم کے ساتھ ہارون سے مخاطب ہو کر کہا:

''آپ آئے .... لیکن افسوس جنگ کرنے کے قصد سے، کاش!! امن کے زمانہ میں آتے۔''

ہارون: ''میں اب بھی صلح اور امن کا پیغامبر بن کر آیا ہوں۔''

چندر موہنی: ''تب تو آپ کا آنا مبارک ہے۔''

ہارون: ''مبارک اس لئے بھی ہے کہ خلاف توقع مجھے آپ کی زیارت نصیب ہوگئی۔''

چندر موہنی کا چہرہ چمک اٹھا۔ اس نے کہا:

''میں آپ کا احسان بھولی نہیں ہوں۔''

ہارون: ''آپ میری ایک ادنیٰ خدمت کو سراہ رہی ہیں۔''

چندر موہنی: ''کاش صلح ہو جائے!''

دھرمپال: ''اس کی توقع نہیں ہے۔''

چندر موہنی: ''میرا خیال ہے اگر آپ کوشش کریں تو شاید خونریزی رک جائے۔''

دھرمپال: ''ناممکن ہے۔ جنگ کا دیوتا بھینٹ مانگ رہا ہے۔''

چندر موہنی: ''کوشش تو کیجئے۔''

دھرمپال: ''کوشش ضرور کروں گا۔''

چندر موہنی: ''اچھا تو اب اجازت ہے؟''

دھرمپال: ''اچھا جاؤ۔''

انہوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا۔ چندر موہنی نے عجب نرم نگاہوں سے ہارون کو دیکھا۔ رتھ چلا اور ہارون کو ایسا معلوم ہوا جیسے چاند دفعتاً چھپ گیا اور قلعہ میں اندھیرا پھیل گیا۔ وہ دور تک رتھ کو دیکھتے رہے اور دھرمپال کے ساتھ چلتے رہے۔ آخر مہاراجہ کے روبرو پہنچے۔

مہاراجہ بھی ہارون کو دیکھ کر متعجب ہوئے۔ انہوں نے کہا:

''واہ واہ! یہ کمسن نوجوان پیغامبر بنا کر بھیجا گیا ہے؟''

دھرمپال: ''جی ہاں! یہ لوگ نڈر اور دلیر ہوتے ہیں۔''

مہاراجہ: ''میں اس بات کو مانتا ہوں۔''

ہارون نے خط نکال کر مہاراجہ کو دیا۔ اس نے دھرمپال کو دے کر کہا:

''اس کا ترجمہ کرلائیے۔''

دھرمپال خط لے کر چلے گئے۔ ہارون کو مہاراجہ نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں دھرمپال آئے اور انہوں نے ترجمہ مہاراجہ کے سامنے پیش کیا۔ مہاراجہ پڑھنے لگے۔ جوں جوں وہ پڑھتے جاتے ان کا چہرہ سرخ ہوتا جاتا تھا۔ آنکھیں لال انگارہ بنتی جاتی تھیں۔ آخر خط ختم کر کے انہوں نے کہا:

''ملیچھ سلطان محمود.................. ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔''

دھرمپال: ''ہاں صلح کی شرط نہایت سخت ہے لیکن خونریزی روکنے کی ایک یہی صورت ہے۔''

مہاراجہ نے طیش میں آ کر کہا:

''خونریزی رکے یا نہ رکے لیکن یہ ہرگز نہ ہو گا۔ چندر موہنی کبھی سلطان محمود کے حوالہ نہ کی جائے گی۔ جب تک ایک راجپوت بھی زندہ ہے اس وقت تک یہ ناممکن ہے۔ آپ جواب لکھ دیں۔''

دھرمپال: ''خوب سوچ لیجئے۔''

مہاراجہ: ''سوچ لیا ہے۔ مغرور سلطان محمود کو دندان شکن جواب لکھئے۔''

دھرمپال نے علیحدہ جا کر جواب لکھا اور مہاراجہ کے سامنے پیش کیا۔ مہاراجہ نے پڑھ کر اس پر اپنی مہر لگائی اور بند کر کے ہارون کے حوالہ کر دیا۔

ہارون اٹھے، دھرمپال ان کے ساتھ چلے۔ دونوں قلعہ سے باہر آئے۔ دھرمپال نے جلدی سے ایک خط ہارون کو دے کر کہا:

''یہ میری طرف سے ہے!''

ہارون نے دھرمپال کو سلام کیا۔ گھوڑا پھاٹک سے کھولا اور اس پر سوار ہو کر چلے۔ دھرمپال انہیں دیکھتے رہے۔ جب وہ دور نکل گئے تب وہ قلعہ میں داخل ہوئے اور آہستہ آہستہ چلنے لگے۔

مجلسِ شوریٰ:

جب ہارون سلطانی خیمہ میں داخل ہوئے تو سلطان محمود عصر کی نماز پڑھ چکے تھے۔ ہارون نے سلام کیا اور دونوں خطوط پیش کر دیئے۔ چونکہ دونوں خط ترکی زبان میں تھے اس لئے سلطان محمود نے خود پڑھنے شروع کئے۔ پہلے انہوں نے دھرمپال کا خط پڑھا اور پڑھ کر مسکرائے۔ پھر مہاراجہ کا خط پڑھنا شروع کیا۔ اسے ختم کر کے ان کے چہرہ سے برہمی کے آثار ظاہر ہوئے۔ انہوں نے درشت لہجہ میں کہا:

''کافر......سنگ زادہ!! صلح پر آمادہ نہیں۔ جنگ ہی کرنا چاہتا ہے۔ لشکر کی بہتات پر مغرور ہو گیا ہے۔ اس کا جواب تلوار ہی سے دیا جائے گا۔''

سلطان محمود کو خشم ناک دیکھ کر ہارون خائف ہو رہے تھے۔ سلطان محمود نے دستک دی۔ ایک غلام حاضر ہو کر ادب سے سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ سلطان محمود نے اس کی طرف دیکھ کر کہا:

''التونتاش، امیر علی خویشاوند، حاجب علی اور دوسرے افسروں کو فوراً طلب کرو۔''

غلام نے سرِ اطاعت خم کیا اور چلا گیا۔ سلطان محمود نے ہارون سے مخاطب ہو کر دریافت کیا:

''تم نے کافروں کے لشکر کو دیکھا ہے ہارون، کس قدر ہو گا؟''

ہارون نے جواب دیا:
''عالم پناہ!! میں صحیح اندازہ تو نہیں لگا سکا لیکن یہ ضرور دیکھا ہے کہ تمام قلعہ اور شہر کا درمیانی میدان سپاہیوں سے لبریز ہیں۔''
سلطان محمود: ''دھرمپال نے لکھا کہ راجپوتوں کے لشکر کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے بھی بڑھ گئی ہے۔ قلعہ، شہر، مندر اور ان کے درمیانی میدان اِن سے بھرے پڑے ہیں۔''
ہارون: ''حقیقت یہ ہے کہ ٹڈی دل راجپوت جمع ہو گئے ہیں۔''
سلطان محمود: ''ہونے دو، ہم لشکر کے بل بوتے پر نہیں آئے ہیں، اللہ تعالیٰ کی اعانت کے بھروسہ پر آئے ہیں۔ ہمارا اللہ تعالیٰ ہی پر تکیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہماری مدد کرے گا۔''
ہارون: ''اللہ تعالیٰ کی مدد اور اعلیٰ حضرت کا اقبال ہم مجاہدین کا معاون ہوگا اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہم فتح یاب ہوں گے۔''
سلطان محمود: ''انشاء اللہ تعالیٰ!! اب مغرب کی نماز کا وقت قریب آ گیا ہے۔ تم نماز پڑھ کر یہیں چلے آنا۔''

ہارون نے اٹھتے ہوئے کہا: ''بہتر ہے۔''

اس وقت آفتاب غروب ہونے کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اس کی آخری سنہری شعاعیں سمٹ سمٹ کر غائب ہوتی جاتی تھیں۔ مشرق کی طرف دھندلا پن پھیلنے لگا تھا۔

ایک وسیع میدان میں مسلمان جمع ہو رہے تھے۔ یہ میدان دریائے عمان کے کنارہ پر تھا۔ یہ دریا نہایت فراخ اور گہرا تھا۔ شمال کی طرف سے آ کر قلعہ اور شہر کے درمیان سے ہوتا ہوا سمندر میں جا گرتا تھا۔

راجپوتوں نے اس شاہراہ پر جو قلعہ سے شہر کو جاتی تھی، دریا پر نہایت مضبوط اور اتنا چوڑا پل بنا رکھا تھا جس پر ایک وقت میں آٹھ سوار برابر برابر گزر سکتے تھے۔

چونکہ دریا کبھی سیدھا نہیں بہتا اس لئے عمان بھی پیچ وخم کھا کر بہہ رہا تھا۔ مسلمان اس کے کنارہ پر دور تک پھیلے اور بیٹھے ہوئے وضو کر رہے تھے۔ بہت سے، وضو کرنے والوں کے پیچھے اس انتظار میں آستینیں چڑھائے کھڑے تھے کہ وہ ہٹیں تو وہ بھی وضو کرنے کے لئے بیٹھیں۔

مجاہدینِ اسلام نہایت خاموشی سے وضو کرنے میں مصروف تھے۔ جو وضو کرتے جاتے تھے وہ ہٹ کر میدان میں جمع ہوتے جاتے تھے اور جو وضو کرنے والوں کے پیچھے کھڑے تھے وہ بیٹھ کر وضو کرتے جاتے تھے۔ ہارون نے بھی وضو کیا اور میدان میں آ کر سبز سبز گھاس پر بیٹھ گیا۔ ہزاروں مسلمان

صف در صف بیٹھے ہوئے تھے۔

اب آفتاب بالکل غروب ہو گیا اور پانچ آدمیوں نے مل کر نہایت بلند آہنگی کے ساتھ اذان دینی شروع کی۔ خدائے واحد و بزرگ و برتر کا نام اس کی تعریف و توصیف کے ساتھ پکارا جانے لگا تھا۔ اس نواح کا ذرہ ذرہ حمد و ثناء سے گونج اٹھا۔ مسلمان سر جھکا کر کائنات کے خالق کی تعریف سننے لگے۔

جب اذان ہو رہی تھی اس وقت سلطان محمود لمبے لمبے قدم رکھتے ہوئے آ رہے تھے۔ اذان کے ختم ہوتے ہی سب نے دعا پڑھی اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ قاضی عسا کر مصلے پر پہنچ گئے۔ مسلمانوں نے جلدی جلدی صفیں اس قدر سیدھی کر لیں کہ اگر ایک سرے سے تیر پھینکا جاتا تو دوسرے سے پار ہو جاتا۔

تکبیر کہی گئی اور نماز کی نیت باندھ لی گئی۔ ہزارہا فرزندانِ توحید ہاتھ باندھے، سر جھکائے، نگاہیں سجدہ گاہ پر جمائے کھڑے ہوئے تھے۔ جب وہ رکوع میں گئے تو عجب شانِ عبودیت ظاہر ہونے لگی۔ پھر قیام کر کے جب وہ سجدہ میں پڑے تو خدا کی شانِ کبریائی اور انسانوں کی خاک سازی نمایاں ہو گئی۔ سلام پھیرنے کے بعد مسلمانوں نے سنتیں اور نفل پڑھے اور اپنے اپنے قیام گاہوں کی طرف چل پڑے۔

سلطان محمود اپنے خیمہ پر پہنچے۔ خیمہ میں روشنی کر دی گئی تھی۔ چونکہ سردی چمک آئی تھی اس لئے سلطان محمود نے سموری پوشین پہن لیا۔ ہارون بھی آ گئے اور ادب سے ایک طرف بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ تمام افسر اور سردار آ گئے جنہیں سلطان محمود نے طلب کیا تھا۔ سلطان محمود نے کہا:

''میرے جانباز بہادرو!! میں نے صلح کی کوشش کی لیکن مغرور مہاراجہ نے اسے مسترد کر دیا۔ میں چاہتا ہوں کہ خونریزی نہ ہو مگر راجپوتوں کو اپنی کثرت اور طاقت پر بڑا زعم ہے۔ وہ اس بات کو بھولے ہوئے ہیں کہ میں اس سے پہلے پندرہ حملے کر چکا ہوں اور ان سے زیادہ مغرور و سرکش لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنا حلقہ بگوش بنا چکا ہوں۔ اب جنگ کو زیادہ عرصہ تک ملتوی کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ آپ صاحبان کی کیا رائے ہے؟''

التونتاش: ''میرے خیال میں اب حملہ کی تیاری شروع کرنی چاہیے۔''

امیر علی: ''یہی کیفیت میرے لشکر کے سپاہیوں کی ہے۔''

سلطان محمود: ''لیکن حملہ کا اسلوب کیا ہو؟''

التونتاش: ''پہلا حملہ ہمیں میدان میں بڑھ کر کرنا چاہیئے۔ اگر راجپوتوں کی تعداد اتنی ہی ہے جتنی کہ شہرت ہے تو..............''

سلطان محمود نے قطعِ کلام کرتے ہوئے کہا:

''راجپوتوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہے۔''

التونتاش: ''کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ ہم انہیں بھیڑوں سے زیادہ نہیں سمجھتے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ایک ایک مسلمان دس دس راجپوتوں کے لئے کافی ہے۔''

امیر علی: ''اس تناسب سے تو ہم پہلے بھی کئی معرکوں میں جنگ کر چکے اور کامیاب ہو چکے ہیں۔''

التونتاش: ''میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر ان کی تعداد ڈیڑھ لاکھ ہے تو ممکن ہے وہ جوشِ شجاعت اور کثرت کے زعم میں قلعہ سے باہر نکل آئیں۔''

امیر علی: ''یہ بات ناممکن معلوم ہوتی ہے۔ راجپوت شور وغل تو بہت کرتے ہیں مگر بہادری سے میدان میں نہیں نکلتے۔''

التونتاش: ''اگرچہ یہ بات درست ہے مگر میں نے سنا ہے کہ کچھ راجپوت زعفرانی لباس پہن کر آئے ہیں اور اس لباس والے زندگی پر موت کو ترجیح دیا کرتے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو ممکن ہے یہ زعفرانی لباس والے ہی قلعہ سے باہر میدان میں نکل آئیں۔''

سلطان محمود: ''ہاں یہ بات ممکن ہے مگر فرض کرو کہ وہ قلعہ سے باہر نہ نکلیں تب کیا کرنا چاہیے؟''

التونتاش: ''تب ہمیں اس لشکر پر حملہ کرنا چاہیے جو قلعہ اور شہر کے درمیان میدان میں فروکش ہے۔''

ہارون: ''لیکن آپ شاید اس لشکر کو نظر انداز کر گئے جو سمندر کی طرف پھیلا ہوا ہے اور کشتیوں اور جہازوں کی حفاظت کر رہا ہے۔''

التونتاش: ''میری نگاہوں میں ہر طرف کے راجپوت ہیں۔ انہیں میں نے نظر انداز کیا ہے نہ کر سکتا ہوں۔ اگر اعلیٰ حضرت پسند فرمائیں تو میرا مشورہ یہ ہے کہ قلعہ پر صرف میں اور بھائی امیر علی خویشاوند حملہ کریں۔ سلطانی لشکر ہماری پشت پر مسلح کھڑا رہے۔ جنگ میں بغیر اشد ضرورت کے حصہ نہ لے اور حاجب علی شاہی لشکر سے فاصلہ پر انہلواڑہ کی طرف ناکہ بندی کیے رہیں۔''

حاجب علی: ''اس سے کیا فائدہ ہے؟ اس طرف تو دشمن نہیں ہے!''

التونتاش: ''بے شک اس وقت اس طرف دشمن نہیں ہے لیکن ابھی تک راجپوتوں کی آمد جاری ہے جو بالا ہی بالا دریائے عمان کے کنارہ کنارہ چل کر قلعہ یا شہر میں داخل ہو جاتے ہیں اور ہم بوجہ جنگلات کے ان کی آمد سے ناواقف رہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ جب ہم جنگ میں مصروف ہوں وہ ادھر سے اچانک ہم پر حملہ کر دیں............''

سلطان محمود: ''مآل اندیشی یہی ہے کہ تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی جائے............ حاجب علی اس طرف ہوشیاری سے نگراں رہیں اور کوشش کریں کہ اس طرف سے راجپوتوں کی آمد اور قلعہ کی طرف

روانگی بند ہو جائے۔''

حاجب علی: ''میں اس کا انتظام کر دوں گا۔''

التونتاش: ''اب رہا سمندر کی طرف کا لشکر تو ہارون اور برہان دونوں کو اس طرف سے دشمنوں کو نہ بڑھنے دینا چاہیے۔''

ہارون: ''میں اس میں یہ ترمیم کرنا چاہتا ہوں کہ ہم دشمنوں کے بڑھنے اور حملہ کرنے ہی کا انتظار نہ کریں بلکہ خود بڑھ کر ان پر حملہ آور ہوں۔''

التونتاش: ''میں اس بات کو مناسب نہیں سمجھتا۔''

سلطان محمود: ''مگر ہمارے خیال میں یہ بات نہایت مناسب ہے بلکہ مناسب ہی نہیں اشد ضروری ہے۔اس سے راجپوتوں پر ہمارا رعب چھا جائے گا۔''

التونتاش: ''لیکن میرا خیال ہے کہ اگر اس طرح جنگ ہوئی اور لڑائی کا زور بڑھ گیا تو ممکن ہے ہارون کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔''

ہارون: ''مگر میرا خیال ہے کہ ہمارے اس طرح حملہ آور ہونے سے راجپوتوں میں سراسیمگی اور ابتری پھیل جائے گی۔''

سلطان محمود: ''یہی خیال ہمارا بھی ہے اور اگر ہارون نے بندرگاہ پر قبضہ کر لیا تو ہماری کامیابی ہو گی اور ہمیں سمندر کی طرف سے حملہ کرنے میں بھی آسانی ہو جائے گی۔''

امیر علی: ''یہ رائے نہایت مناسب ہے۔''

التونتاش: ''ہارون!! اگر تم بندرگاہ پر حملہ کرو تو اس خیال کو مدنظر رکھ کر کہ اسے فتح کئے بغیر واپس نہ لوٹو گے۔''

ہارون: ''انشاءاللہ تعالیٰ ایسا ہی ہو گا۔''

سلطان محمود: ''بس تو کل حملہ ہونا چاہیے!''

التونتاش: ''بہت اچھا! اسی وقت لشکر میں اعلان کر دیا جائے۔مجاہدین تو حملہ کی خبر سن کر نہایت خوش ہوں گے۔''

سلطان محمود: ''صبح کی نماز پڑھ کر تمام لشکر نہایت خشوع وخضوع سے فتح کی دعا مانگے اور پورے جوش اور پوری سرگرمی سے حملہ کرے۔''

التونتاش: ''سلطانی فرمان کی تعمیل کی جائے گی۔''

چونکہ مشورہ ختم ہو گیا اس لئے مجلسِ شوریٰ برخاست ہوئی اور سب اٹھ اٹھ کر چلے گئے۔

باب ۱۳

پُرجوش حملہ

عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے جب مجاہدین فراخ میدان میں جمع ہوئے تو نماز کے بعد متعدد لوگوں نے یہ اعلان کر دیا کہ کل حملہ کیا جائے گا۔ مسلمان اس نویدِ روح پرور کو سن کر نہایت مسرور و محظوظ ہوئے۔

انہوں نے واپس آتے ہی ہتھیار صیقل کرنے شروع کر دیئے۔ کچھ رات گئے تک ہتھیار صاف کرتے رہے پھر اپنے دوستوں اور عزیزوں کے خیموں پر جا جا کر انہیں مبارک باد دینے لگے، بالکل اسی طرح جس طرح ہندوستان کے مسلمان عید کا چاند دیکھ کر خوشی مناتے اور ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے پھرا کرتے ہیں۔

اللہ اللہ کیا زمانہ تھا اور کیسے وہ لوگ تھے، جہاد سے انہیں عید جیسی مسرت حاصل ہوتی تھی۔ اگرچہ ہجرتِ نبوی کو تقریباً پانچ صدیاں گزر چکی تھیں لیکن اس وقت تک بھی مسلمانوں میں جہاد کا شوق و شغف تھا۔ لہو و لعب کو برا سمجھتے تھے، عیش و عشرت سے نفرت کرتے تھے۔ جفاکشی ان کا شیوہ تھا۔

سومنات کے وسیع میدان میں گروہ در گروہ مسلمان پھر رہے تھے۔ چاندنی رات تھی۔ چاند نور کی بارش کر رہا تھا۔ آسمان سے زمین تک نور برس رہا تھا۔ کائنات کے ذرہ ذرہ نے نورانی لباس زیب تن کر لیا تھا۔ مجاہدین سفید لباس میں نورانی فرشتوں کی طرح ادھر ادھر چل رہے تھے۔

دیر تک ملنے ملانے کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر نصف شب کے قریب سب سو گئے اور صبح کی اذان سن کر بیدار ہو کر ضروریات سے فراغت کر کے نماز کے لئے جمع ہونے لگے۔

سب نے نہایت انہماک سے نماز پڑھی اور نہایت خشوع و خضوع سے فتح کی دعا مانگتے رہے۔ دعا مانگ کر سب اٹھے اور تیزی سے اپنے اپنے خیمہ میں پہنچ کر مسلح ہوئے اور میدان میں نکل نکل کر صف در صف کھڑے ہونے لگے۔

ہر سپاہی اپنے دستہ میں پہنچ گیا۔ کئی مجاہدین کچھ علیل ہو گئے تھے۔ اگر چہ سلطان محمود نے ان کی علالت کی وجہ سے انہیں اجازت دی تھی کہ وہ میدانِ جنگ میں نہ نکلیں لیکن جہاد کے شوق نے انہیں مجبور کیا اور وہ بھی مسلح ہو کر نکل ہی آئے۔

حاجب علی نے انہلواڑہ کے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی۔ التونتاش اور امیر علی خویشاوندا اپنے اپنے، پانچ پانچ ہزار دستوں کے ساتھ قلعہ سومنات کی طرف بڑھنے لگے۔ سلطان محمود وسطِ میدان میں اپنا لشکر لے کر کھڑے ہو گئے۔ ہارون اور برہان بندرگاہ کی طرف چلے۔ اس طرح مسلمان ہر طرف پھیل گئے اور دیکھنے والوں کو میدان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلے ہوئے نظر آنے لگے۔

قلعہ کی فصیل پر جو راجپوت کھڑے تھے انہوں نے شور مچایا کہ مسلمان حملہ کرنے والے ہیں، مسلمان حملہ کرنے والے ہیں۔

راجپوت یہ آواز سن کر فصیل پر دوڑ کر چڑھ گئے۔ مہاراجہ اور دوسرے سردار بھی شش پہلو برجوں میں جا بیٹھے۔ انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کا سیلاب قلعہ کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔

جب مسلمان قلعہ کے زیادہ قریب آ گئے تو راجپوتوں نے چلا کر کہا:

"وحشی مسلمانو!! تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تمہارا مغرور سلطان ہمارا کچھ نہیں کر سکتا۔ ہم سومنات جی کے سایہ میں ہیں۔ جوں ہی تم قلعہ کے قریب آئے سومنات جی نے تمہیں بھسم کیا۔ زندگی چاہتے ہو تو واپس لوٹ جاؤ۔"

چونکہ مسلمان ان کی زبان سے واقف نہ تھے اس لئے انہوں نے ان کا ایک لفظ بھی نہ سمجھا لیکن چونکہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ ہندو مسلمانوں کو گالیاں دیا کرتے ہیں۔ اس لئے یہی سمجھ گئے کہ وہ گالیاں دے رہے ہیں۔

انہوں نے ان کی باتوں پر کان نہ دھرے بلکہ جس رفتار سے آ رہے تھے آتے رہے۔ جب راجپوتوں نے دیکھا کہ وہ زد پر آ گئے ہیں تو انہوں نے فلاخنوں کے ذریعے سے سنگ باری شروع کر دی۔ نوکیلے پتھروں کے ٹکڑے اولوں کی طرح برسنے لگے۔

مسلمانوں نے بڑی بڑی ڈھالیں سامنے کر دیں اور انہیں اپنے اور گھوڑوں کے سامنے پھیلا دیا جس سے وہ بھی محفوظ رہے اور ان کے بے زبان جانور بھی۔

راجپوت گلے پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے تھے اور نہایت زور سے، بڑی پھرتی اور قوت سے سنگ باری کر رہے تھے۔

اگر چہ مسلمانوں نے ان خاردار سنگریزوں سے بچنے کے لئے ڈھالوں کا قلعہ بنالیا تھا لیکن پتھر اس زور سے آرہے تھے کہ ڈھالیں چٹکنے لگی تھیں اور مجاہدین اور ان کے گھوڑے زخمی ہونے لگے تھے۔

تاہم مسلمانوں نے یہ ظاہر ہی نہ ہونے دیا کہ کفار کی سنگ باری انہیں نقصان پہنچا رہی تھی۔ وہ نہایت استقلال اور بڑی جوانمردی سے برابر بڑھتے چلے جارہے تھے۔

راجپوت ان کی یہ جرأت اور جسارت دیکھ کر کمال حیران ہوئے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ ان کی فلاخنوں سے نکلے ہوئے پتھروں کے ٹکڑے انسانوں کے منہ پھیر دیتے ہیں لیکن وہ مسلمانوں کے منہ نہ پھیر سکے تھے۔ اور تو اور انہیں تھوڑی دیر کے لئے بھی نہ روک سکے تھے۔

رفتہ رفتہ ان کی حیرت خوف سے بدل گئی۔ انہیں خیال ہوا کہ شاید مسلمان انسان نہیں ہیں۔ کوئی غیر مرئی مخلوق ہیں جن پر کوئی حربہ کارگر نہ ہو سکے۔

لیکن حیرت یا خوف کے باعث انہوں نے سنگباری میں کوئی کمی نہ کی بلکہ پہلے سے اور بھی زیادہ پھرتی، چستی اور زور وقوت سے فلاخن اندازی کرنے لگے۔

پتھروں کے ٹکڑے اس کثرت سے برس رہے تھے کہ اکثر آفتاب ان کے پیچھے چھپ جاتا تھا۔

مسلمانوں کی جرأت وہمت واقعی قابلِ داد اور مستحقِ صد ہزار آفرین تھی۔ وہ پتھروں کی بارش میں زخمی ہوتے بڑھ رہے تھے۔

جب وہ قلعہ کے اور قریب پہنچ گئے تو پچھلی صفوں میں سے کچھ لوگ گھوڑوں سے اتر کر اگلی صفوں میں آ گئے اور گھوڑوں کے برابر میں کھڑے ہو کر تاک کر تیروں کی باڑھ ماری۔

پتھروں کی بارش کا اندازہ اس بات سے لگا لیجئے کہ بہت سے تیروں سے پتھر ٹکرا گئے لیکن تیر اس زور وقوت سے چلائے گئے تھے کہ اگر پتھروں نے تیروں کو روک دیا تو تیروں نے پتھروں کو روک کر گرا دیا۔

لیکن پھر بھی کچھ تیر پتھروں کے درمیان میں سے گزر کر فصیل پر پہنچے اور ان راجپوتوں کے سروسینوں میں ترازو ہو گئے جو فصیل کی چہار دیواری سے سر اور سینے نکالے جھانک رہے تھے اور تاک تاک کر پتھر مار رہے تھے۔

متعدد راجپوت خوفناک چیخیں مار کر فصیل پر الٹ کر جا پڑے اور بے آب مچھلی کی طرح تڑپنے لگے۔

اتنے میں کہ راجپوت سنبھلیں اور سمجھیں کہ کس چیز نے انہیں زخمی یا ہلاک کر دیا ہے، تیروں کی دوسری باڑھ آئی اور پھر بہت سے ہندو مجروح ہو کر گرے۔

اب یکے بعد دیگرے تیروں کی باڑھوں پر باڑھیں آنے لگیں اور ہندوؤں کو نقصان پہنچانے لگیں۔ سینکڑوں بہادر راجپوت مجروح ہو گئے۔ سو، پچاس تو ایسے شدید زخمی ہوئے کہ فوراً ہی تڑپ تڑپ کر ٹھنڈے ہو گئے۔

یہ کیفیت دیکھ کر راجپوتوں کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ ان کے جسموں میں آگ سی لگ گئی۔ وہ جوش و غضب میں بھر کر نیچے اترنے لگے۔ ان کے افسروں نے دیکھ کر کہا:

''کہاں جاتے ہو؟''

انہوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا:

''مسلمانوں سے میدان میں مقابلہ کرنے!''

افسروں نے سمجھانے کے طور پر کہا:

''موت کے منہ میں نہ جاؤ۔ تم مسلمانوں کو نہیں جانتے ہو یہیں رہو اور دیکھو کیا کرتے ہیں۔''

وہ مجبور ہو کر واپس لوٹے اور انہوں نے پھر فلاخنیں سنبھال کر سنگ باری شروع کر دی۔

لیکن اب راجپوت مسلمانوں کے تیروں سے ڈرنے لگے تھے کیونکہ جو کوئی اجل رسیدہ ذرا بھی سر ابھارتا تھا، تیر اُس کی پیشانی یا کھوپڑی میں ترازو ہو جاتا تھا اور وہ الٹ کر گر پڑتا اور چلانے لگتا تھا۔

جو مسلمان شدید طور پر زخمی ہوئے تھے وہ نہایت ہوشیاری سے پچھلی صفوں میں پہنچا دیئے گئے تھے اور وہاں جراحوں اور معالجوں نے ان کی مرہم پٹی شروع کر دی تھی۔

مسلمانوں کی تیر افگنی کی وجہ سے راجپوتوں کی حشر انگیز سنگباری میں بڑی حد تک کمی ہو گئی تھی۔ اس سے مسلمانوں کو امن مل گیا تھا اور وہ نہایت اطمینان اور بڑی پھرتی سے تیروں کی باڑھ پر باڑھ مارنے اور قدم بڑھانے لگے تھے۔

راجپوتوں کو یہ خوف ہوا کہ اگر وہ اسی طرح بڑھتے رہے تو فصیل کے نیچے آ جائیں گے اور پھر ان پر کوئی حربہ بھی کارگر نہ ہو سکے گا اس لئے انہوں نے سنگباری موقوف کر کے چوڑے چوڑے کھانڈے جو دو دھارے تھے، پھینکے اور تاک تاک کر مارنے شروع کئے۔

یہ کھانڈے جان لیوا ثابت ہوئے۔ جس چیز پر جا کر پڑتے اسے تنکے کی طرح کاٹ

ڈالتے ۔انہوں نے ڈھالوں میں شگاف ڈال دیئے،گھوڑے یا انسان کے جس عضو پر پڑے اسے کاٹ ڈالا۔ان سے بہت سے گھوڑے زخمی ہوکر الف ہو گئے۔ بہت سے سوار زخمی ہو کر جا پڑے۔

راجپوتوں نے یہ کیفیت دیکھی تو انہوں نے پرشور نعرے لگا لگا کر نہایت تیزی اور قوت سے ان حربوں کو پھینکنا شروع کیا۔مسلمانوں نے صبر واستقلال سے انہیں بھی روکنا شروع کیا اور خود بھی ذرا اور تیزی سے تیروں کی اس طرح بوچھاڑ مارنے لگے کہ راجپوتوں کو چار دیواری کے نیچے جھک کر پناہ لینی پڑی۔

اب مسلمانوں نے میدان صاف دیکھ کر گھوڑوں کو تیزی سے بڑھایا اور فصیل کے نیچے ان کی کئی صفیں جا پہنچیں۔راجپوتوں نے یہ کیفیت دیکھ کر نہایت زور شور سے چلانا شروع کر دیا۔مسلمان سمجھے کہ شاید ان کے لئے کسی طرف سے تازہ مدد آ گئی ہے،وہ ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

پسپائی:

جس وقت التونتاش اور امیر علی خویشاوند نے قلعہ پر دھاوا کیا تھا اس وقت ہارون اور برہان بندرگاہ کی طرف بڑھے تھے۔

ان دونوں کے ساتھ پانچ ہزار جواں مرد سپاہی تھے۔ ہندو جو بندرگاہ اور کشتیوں کی حفاظت کر رہے تھے بیس ہزار سے کم نہ تھے۔

جوں ہی انہوں نے اسلامی لشکر کو اس طرف آتے دیکھا وہ بھی ساحلِ سمندر سے آگے بڑھ آئے اور جلدی جلدی صفیں مرتب کر کے دور تک پھیل گئے۔

انہوں نے آگے پیچھے اپنے لشکر کی دس صفیں قائم کیں اور ہر صف میں دو ہزار سوار رکھے۔ ہارون نے اپنے دستہ کو پانچ صفوں میں ترتیب دیا۔ ہر صف میں ایک ہزار سوار تھے لیکن انہیں اس طرح پھیلا دیا کہ یہ ایک ہزار سوار دشمنوں کے دو ہزار سواروں کے برابر پھیل گئے۔

ان راجپوتوں نے دیکھ لیا کہ مسلمانوں کی تعداد ان سے چوتھائی ہے۔اس لئے ان کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے بڑی بے خوفی سے ہارون کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

ہارون نے اپنا گھوڑا مجاہدینِ اسلام کی صفوں کے سامنے مشرق سے مغرب کی طرف اس لئے دوڑایا کہ وہ دیکھ لیں کہ ہر مسلمان پورے طور پر مسلح اور مستعد ہے یا نہیں۔

مسلمان شیروں کی طرح سینے تانے جنگ کے لئے آمادہ کھڑے تھے۔ ہارون نے صف کے سامنے کھڑے ہو کر بلند آواز میں کہا:

''اسلامی شیرو!! دشمن تمہاری تھوڑی تعداد سمجھ کر تمہاری طرف یلغار کرتا بڑھا چلا آرہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تم اس سے بہت کم ہو لیکن تم مجاہد ہو اور جہاد کا شوق تمہیں کھینچ کر یہاں لایا ہے۔ شہادت سے بڑھ کر مسلمان کی کوئی تمنا نہیں اور جہاد سے بڑھ کر کوئی نیکی اور ثواب کا کام نہیں۔ شہید کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جنت کے دروازے اس پر کھل جاتے ہیں۔ حوریں استقبال کو آجاتی ہیں۔ شہادت قسمت والوں کو ہی نصیب ہوتی ہے اور جو جہاد میں فتح یاب ہوتے ہیں وہ غازی کہلاتے ہیں۔ جنت کے وہ بھی حقدار ہو جاتے ہیں۔ غرض جہاد میں شرکت کرنے سے مسلمان جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ مسلمان خوب جانتا ہے کہ موت کا وقت اور مقام مقرر کر دیا گیا ہے۔ ڈرو، تب بھی اس سے مفر نہیں اور نہ ڈرو تب بھی کچھ نہیں۔ موت مضبوط برجوں میں بھی جا پہنچتی ہے۔ مسلمان موت سے نہیں ڈرتا اور جب موت آنی ہے پھر اس سے ڈرنا ہی کیا؟ جانبازی مسلمان کی خصوصیت ہے نیز جہاد مسلمان کی عبادت ہے۔ خوش قسمتی سے ہندو بڑھے چلے آرہے ہیں دلیرو!! بڑھ کر ان پر پُر جوش حملہ کرو اور ان کی اگلی صفوں کو پچھلی صفوں پر الٹ دو۔ اپنی شمشیرِ خارشگاف کے وہ جوہر دکھاؤ جس کی وجہ تمہاری تلواریں مشہور ہیں اور اپنے قوتِ بازو کا سکہ دشمنوں پر بٹھا دو۔ صبر و استقلال سے کام لو۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''

ہارون نے تقریر ختم کرتے ہی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ تمام مسلمانوں نے اس مبارک نعرہ کی تکرار کی اور ان کی پرشور آواز سے تمام میدان گونج اٹھا۔

ہارون کی تقریر نے مسلمانوں کے دلوں میں جوش و ولولہ کا دریا موجزن کر دیا۔ انہوں نے تلواریں سونت لیں اور نعرہ لگاتے ہی نہایت جوش سے بڑھے۔

ہارون ان سے آگے اسلامی علم ہاتھ میں لئے بڑھ رہے تھے۔ جب وہ علم کو جھٹکا دیتے تھے تو پھریرا عجیب انداز سے لہرانے لگتا تھا۔

ادھر سے راجپوت بڑھے چلے آرہے تھے۔ ادھر سے مسلمانوں نے بڑھنا شروع کیا۔ مسلمانوں کو شمشیر برہنہ آتے دیکھ کر راجپوتوں نے بھی میانوں سے تلواریں کھینچ کر ہاتھوں میں لے لیں۔

مطلع صاف تھا۔ آفتاب نہایت آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ صاف و شفاف تلواریں شعاعیں پڑنے سے چمک رہی تھیں۔

بڑھتے بڑھتے دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرا گئے چونکہ دونوں فریق جوش میں بھرے ہوئے تھے اس لئے زبردست تصادم ہوا اور ٹکر ہوتے ہی تلواریں چلنے اور ڈھالیں بلند ہونے لگیں۔

راجپوتوں نے بڑے جوش سے نہایت سخت حملہ کیا۔ مسلمانوں نے صبر و استقلال سے اپنی لمبی لمبی سیاہ ڈھالوں پر ان کی تلواروں کو روکا اور جلدی سے خود بھی نہایت سختی سے حملہ آور ہوئے۔

راجپوتوں نے بھی ان کی تلواریں اپنی ڈھالوں پر لیں۔ راجپوتوں کی ڈھالیں کسی سفید دھات کی تھیں۔ مسلمانوں کی تلواریں ان مضبوط ڈھالوں پر پڑ کر اچٹ گئیں۔ کسی ڈھال میں خط تک بھی نہ آسکا۔

راجپوت بھی دلیر قوم ہے اور بڑی جنگجو بھی۔ انہوں نے مسلمانوں کی صفیں توڑنے کی کوشش شروع کر دی لیکن مسلمان ڈٹ گئے اور انہوں نے راجپوتوں کو اپنی صفوں میں گھسنے سے روک دیا۔

راجپوت مسلمانوں پر اور مسلمان راجپوتوں پر زور زور سے حملے کر رہے تھے۔ تلواریں نہایت پھرتی سے بلند ہو رہی تھیں۔ ڈھالیں جلد جلد اٹھ رہی تھیں۔ کھٹا کھٹ کے شور سے ہیبت ناک گونج پیدا ہو گئی تھی۔

مسلمان خاموش تھے لیکن راجپوت چلا رہے تھے۔ وہ متفرق قسم کے نعرے لگا رہے تھے اور گھوڑوں کو بڑھا بڑھا کر پُر زور حملے کر رہے تھے۔

مسلمان نہایت استقلال سے ان کے حملے روک روک کر خود بھی وار کر رہے تھے۔ جدال و قتال شروع ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ تلواریں کاٹ کرنے لگی تھیں۔ خون کے فوارے ابلنے لگے تھے۔ ہاتھ اور پیر کٹ کٹ کر گرنے لگے تھے۔ سر گیند کی طرح اچھلنے اور دھڑ گھوڑوں سے نیچے گر گر کر تڑپنے لگے تھے۔

خون آلود تلواریں خون کی چھینٹیں برساتی ہوئی تیزی سے اٹھ رہی تھیں۔ ہندو مسلمانوں کا صفایا کرنے کے لئے اور مسلمان ہندوؤں کا خاتمہ کرنے کے خیال سے نہایت پُر زور حملے کر رہے تھے۔

ہر راجپوت اور ہر مسلمان بڑے جوش و خروش سے لڑ رہا تھا۔ چونکہ دونوں جنگجو، بہادر اور فنونِ جنگ کے ماہر تھے اس لئے ایک ہی جگہ نہایت خونریز جنگ ہو رہی تھی اور یہ جنگ پہلی ہی صف تک محدود تھی۔ ابھی دوسری صفوں تک اس کا زور نہ پہنچا تھا۔

لیکن راجپوت اسلامی لشکر کی صف میں اور مسلمان راجپوتوں کی صف میں گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔ رفتہ رفتہ صفیں ٹوٹنے لگیں اور راجپوت مسلمانوں کی صفوں میں اور مسلمان راجپوتوں کی صفوں میں گھس آئے۔

جن صفوں میں جنگ کا اثر پہنچتا جاتا تھا وہ ٹوٹتی جاتی تھیں اور جہاں تک لڑائی کا ہنگامہ بڑھتا جاتا تھا وہاں تک تلواروں کا کھیت اُگا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

دونوں فریق نہایت جانبازی، بڑی جرأت اور کمال پھرتی سے لڑ رہے تھے اور جوش میں آ کر سختی سے حملے کرتے تھے۔

تلواروں پر تلواریں پڑ رہی تھیں۔ ڈھالوں پر ڈھالیں اٹھ رہی تھیں۔ لڑنے والے سروں کی بازیاں لگا چکے تھے۔ موت کا فرشتہ منڈلا رہا تھا اور زخمی ہونے والوں کی روحیں کھینچ رہا تھا۔

راجپوت نہایت سختی سے حملے کر کے مسلمانوں کو الٹ دینا چاہتے تھے اور مسلمان راجپوتوں کو مار ڈالنے یا پلٹ دینے کی کوشش میں مصروف تھے۔

یوں تو ہر مسلمان بڑے جوش اور نہایت دلیری سے لڑ رہا تھا لیکن ہارون جس جانبازی سے جنگ کر رہے تھے وہ ان کا ہی خاصہ تھا۔ بائیں ہاتھ سے علم سنبھالے ہوئے تھے اور داہنے ہاتھ میں تلوار لئے پُر زور حملے کر رہے تھے۔

جس راجپوت پر وہ حملہ کرتے تھے اُسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑتے تھے۔ جس گروہ پر جا کر ٹوٹتے تھے اس کے دو چار آدمیوں کو قتل کر کے باقیوں کو منتشر کر دیتے تھے۔

انہوں نے پہلی صف کے بہت سے راجپوتوں کو موت کی گود میں پہنچا دیا تھا اور دوسری صف پر حملہ کر کے راجپوتوں کے ایک بہادر افسر کو میٹھی نیند سلا دیا تھا۔ یہاں تک کہ تیسری صف کے بھی کئی راجپوتوں کو مار ڈالا تھا۔

غرض وہ صفوں کو چیرتے راجپوتوں کی گردنیں اڑاتے انہیں اپنے سامنے سے ہٹاتے ہوئے بڑھے چلے جا رہے تھے۔

برہان ان سے ذرا فاصلہ پر تھا لیکن اس نے دیکھ لیا کہ ہارون بڑی بے جگری سے جنگ کر رہے ہیں۔ انہیں اپنے سروپا کا ہوش نہیں رہا ہے۔ انہیں خوف ہوا کہ کہیں راجپوت ان کی پشت کی طرف سے ان پر حملہ کر کے ان کا کام تمام نہ کر دیں اس لئے وہ گھوڑا اڑا کر بڑھا اور نہایت جوش وخروش سے حملے کرتا ہوا ہارون کے پاس پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔

راجپوتوں نے قدم قدم پر اسے روکنے کی کوشش کی لیکن برہان رکنے کے لئے نہ بڑھا تھا۔ جو راجپوت بھی اس کے سامنے آ گیا اِس نے اُس کا سر اڑا دیا' یا زخمی کر کے پیچھے ہٹا دیا۔

ہارون کو دشمنوں کے نرغہ میں دیکھ کر مسلمانوں کو جوش آ گیا۔ انہوں نے اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگا کر اس سختی سے حملہ کیا کہ باوجود راجپوتوں کے حملہ روکنے کی انتہائی سعی کے انہیں مارتے کاٹتے اور ہٹاتے آگے بڑھ گئے۔

مسلمانوں کا یہ حملہ اس قدر سخت ہوا کہ راجپوت اسے روک ہی نہ سکے۔ سینکڑوں بہادر

راجپوت کشتہ ہو کر گرتے اور سینکڑوں زخمی ہو کر پیچھے دب گئے۔ سینکڑوں اسلامی شیروں کی تلواروں سے خائف ہو کر اِدھر اُدھر کترا گئے۔

مسلمانوں کے اس پُر زور حملہ سے راجپوتوں کی صفیں الٹ گئیں۔ برہان نے بلند آواز سے کہا:

''مسلمانو!! تمہاری دلیری کا سکہ دشمن کے دلوں پر چھا گیا ہے۔ تم نے ان کی کئی صفیں الٹ دی ہیں۔ ایک حملہ اور ایسا ہی سخت اور پُر زور کردو کہ دشمن بھاگ کھڑا ہو!''

مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ انہوں نے پھر نعرہ تکبیر لگایا اور پھر نہایت سختی سے حملہ کیا۔

اگرچہ اس حملہ کو بھی روکنے کے لئے راجپوتوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن وہ مسلمانوں کے سیلاب کو نہ روک سکے۔ چونکہ یہ حملہ تمام مسلمانوں نے کیا تھا اس لئے ہزاروں راجپوتوں کو چشمِ زدن میں کاٹ کر رکھ دیا۔ صفیں کی صفیں صاف کر دیں۔ لاشوں پر لاشیں ڈال دیں۔ خون پانی کی طرح بہنے لگا۔ راجپوتوں میں ابتری پھیل گئی اور وہ پشت دے کر بھاگے۔

مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔ وہ اس طرح ان پر ٹوٹ پڑے جس طرح شیر اپنے شکار کے غولوں میں جا پڑتے ہیں۔

راجپوت ہزیمت اٹھا کر بھاگ رہے تھے اور مسلمان ان کا تعاقب کر کے انہیں قتل کر رہے تھے۔ بہت سے راجپوت کشتیوں میں سوار ہونے کے لئے سمندر میں کود پڑے اور غرق ہو کر رہ گئے۔

عین اس وقت ایک شور بلند ہوا۔ مسلمانوں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا تو انہیں انہلواڑہ کی طرف سے راجپوتوں کا لشکر آتا ہوا نظر آیا۔ وہ جہاں تھے وہیں رک گئے اور اس آنے والے لشکر کو غور سے دیکھنے لگے۔

باب ۱۴

ہزیمت

انہلواڑہ کی طرف تمام راستوں کی ناکہ بندی حاجب علی نے کر رکھی تھی۔ انہوں نے دور سے راجپوتوں کے ٹڈی دل لشکر کو آتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور فوراً ہی اس نئے لشکر کی آمد کی اطلاع سلطان محمود تک پہنچا دی تھی۔

سلطان محمود نے اپنے لشکر سے دو ہزار جوانمرد سپاہیوں کو علیحدہ کر کے حاجب علی کی مدد کے لئے روانہ کر دیا تھا۔ خود سات ہزار مجاہدین کے ساتھ بیچ میدان میں کھڑے تینوں طرف نہایت غور بین نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

قارئین کرام!! اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ اس وقت مسلمان تین طرف متوجہ تھے۔ ایک مشرقی جانب قلعہ کے اوپر (قلعہ مسلمانوں کی فرودگاہ سے مشرق کی طرف واقع تھا) حملہ آور ہوئے تھے، دوسرے جنوبی سمت سمندر کے کنارہ بندرگاہ پر اور تیسرے شمالی طرف انہلواڑہ کے راستہ پر۔ صرف ایک سمت مغربی باقی رہ گئی تھی۔ اس طرف دریائے عمان لہریں لے رہا تھا اس لئے اس طرف مسلمانوں کو توجہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہوئی۔

تھوڑے سے مسلمان تینوں طرف نہایت جانبازی اور سرفروشی سے حملہ آور ہوئے تھے۔ غازی سلطان محمود بیچ میں کھڑے یہ دیکھ رہے تھے کہ کسی طرف والوں کو امداد کی ضرورت تو نہیں ہے۔

التونتاش اور امیر علی خویشاوند تو قلعہ کے نیچے پہنچ گئے تھے اور فصیل پر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہارون اور برہان بندرگاہ کے قریب کھڑے کبھی انہلواڑہ کے راجپوتوں کو دیکھ لیتے تھے اور کبھی بندرگاہ کی طرف بھاگنے والے راجپوتوں کو!

سلطان محمود نے اپنی دور بین نگاہوں سے یہ بات معلوم کر لی تھی کہ ان دونوں طرف مدد بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن انہلواڑہ کی طرف سے جو راجپوتوں کا سیلاب بہا آ رہا تھا اسے روکنے

کے لئے کچھ زیادہ لشکر کی ضرورت تھی اس لئے اس طرف سلطان محمود نے دو ہزار سوار بھیج دیئے تھے۔

انہلواڑہ کی طرف سے سکھدیو حملہ آور ہوا تھا۔ اس کے باپ پرم دیو نے اسے سومنات کے مہاراجہ کی مدد کے لئے بھیجا تھا۔ دس ہزار لشکر تو وہ اپنا لایا تھا اور تقریباً دس ہزار بہادر راجپوتوں کو ساتھ لایا تھا۔

اگر اسے چندر موہنی کا خیال نہ ہوتا اور یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ کہیں ہارون اسے اڑا نہ لے جائے تو وہ ہرگز بھی اس معرکہ میں شریک نہ ہوتا۔ دل کی لگی نے اسے مجبور کر دیا اور وہ سومنات کے مہاراجہ یا سومنات کے مندر اور بت کی حفاظت و امداد کے لئے نہیں بلکہ چندر موہنی کی حفاظت و نگرانی کے لئے آیا تھا۔

مگر جب وہ اس میدان میں پہنچا جس میں مسلمان فروکش تھے اور حاجب علی نے اس کا مقابلہ کیا تو افسوس ہوا کہ وہ کیوں اس راستہ سے آیا۔ اسے پہلے ہی خیال کر لینا چاہیے تھا کہ اس طرف مسلمانوں کا لشکر ہو گا اور وہ مزاحمت کرے گا۔ اسے جنگلوں کے درمیان سے گزر کر شہر سومنات میں داخل ہو جانا چاہیے تھا۔

لیکن اب وہ آسانی کے ساتھ واپس بھی نہیں لوٹ سکتا تھا کیونکہ حاجب علی نہ اسے آگے بڑھنے دینے پر تیار تھے اور نہ واپس لوٹ جانے کی اجازت دینے پر آمادہ تھے۔ چنانچہ سکھدیو نے بدرجہ مجبوری راجپوتوں کو للکار کر جوش دلایا اور مسلمانوں کے مقابلہ میں لے جا ڈالا۔

مسلمانوں نے ادھر ادھر سے سمٹ کر صفیں مرتب کیں اور جوں ہی راجپوتوں نے ان پر یلغار کی وہ بھوکے شیروں کی طرح ان پر ٹوٹ پڑے اور بڑی پھرتی سے انہیں چیرنے پھاڑنے لگے۔

راجپوتوں نے بھی تلواروں سے نہایت شدید حملے کئے اور مسلمانوں کو تلواروں کی دھاروں پر رکھ لیا۔ مسلمان بھی زخمی اور شہید ہونے لگے۔

ادھر مسلمانوں نے بھی بڑے جوش و خروش سے دھاوا کیا۔ ان کی خاراشگاف تلواروں نے راجپوتوں کو کھیرے اور ککڑی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔

خون آلود تلواریں بڑی پھرتی سے بلند ہونے لگیں، سر کٹ کٹ کر اچھلنے لگے۔ ہاتھوں اور پیروں کے ڈھیر لگ گئے۔ دھڑوں پر دھڑ گر گئے۔ خون سبز سبز گھاس پر پانی کی طرح بہنے اور گھاس کو سرخ رنگ میں رنگنے لگا۔

راجپوتوں نے اس بات کو دیکھ لیا تھا کہ جو اسلامی لشکر ان کے مقابلہ میں تھا ان سے بہت ہی کم تعداد میں تھا۔ اس سے ان کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے اور وہ نہایت جوش و غضب میں آ کر حملے کر

رہے تھے۔ان کی تلواریں خاصا کاٹ کر رہی تھیں اور ڈھالوں کو کاٹ کاٹ کر مسلمانوں کو شہید اور زخمی کر رہی تھیں۔

لیکن مسلمان تھوڑے ہوتے ہوئے بھی اس بے جگری سے لڑ رہے تھے کہ راجپوتوں کے دانت کھٹے ہو گئے تھے۔ان کے بے پناہ تلواریں اگر ڈھالوں پر پڑتی تھیں تو ان کے سروں کو اڑا دیتی تھیں اور اگر انسانوں کے اعضا پر پڑتی تھیں تو انہیں نرم گھاس کی طرح کاٹ ڈالتی تھیں۔

مسلمانوں نے راجپوتوں کی کئی صفیں توڑ دیں تھیں اور جو باقی صفیں رہ گئی تھیں ان میں گھسنے اور انہیں زیر وزبر کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔

راجپوت بھی مسلمانوں میں گھس گئے تھے اور ان میں سے جو بہادر بھی جس جگہ پہنچ گیا تھا وہیں نہایت دلیری سے لڑ رہا تھا۔

لیکن مسلمان ایسے اِکا دُکا راجپوتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر رہے تھے۔وہ اس فکر میں تھے کہ راجپوت دلیری اور جسارت کر کے ان کے لشکر میں آئے کیوں؟ چنانچہ وہ بے دریغ انہیں قتل کر رہے تھے۔

راجپوت دلیری کے زعم میں جرأت کر کے اسلامی صفوں میں گھس تو آئے تھے لیکن اب واپس جانا مشکل ہو گیا تھا۔انہیں مدد نہ پہنچ رہی تھی اور بغیر مدد کے نہ وہ مقابلہ کر سکتے تھے، نہ پیچھے ہٹ کر اپنے لشکر میں جا سکتے تھے۔مسلمانوں نے انہیں نہایت اطمینان سے قتل کرنا شروع کر دیا تھا اور تھوڑی ہی دیر میں ان کا صفایا کر ڈالا۔ایک راجپوت بھی اسلامی لشکر میں زندہ اور باقی نہ رہا۔

جب مسلمانوں کو اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ جس قدر راجپوت بڑھ آئے تھے سب کام آ گئے تو اب انہوں نے جوش اور نئی امنگ کے ساتھ تازہ دم ہو کر نہایت سخت حملہ کیا۔

راجپوتوں نے مسلمانوں کا یہ حملہ روکنے میں اپنی پوری طاقت صرف کر دی لیکن وہ ان کی یلغار کو نہ روک سکے۔مسلمان آندھی اور طوفان کی طرح بڑھے اور سیلاب کی طرح راجپوتوں کو بہانے لگے............

انہوں نے شدت سے جدال وقتال شروع کیا اور اس پھرتی سے خونریزی کی کہ قدم قدم پر راجپوتوں کی لاشیں بچھا دیں۔

زمین کے چپہ چپہ پر راجپوتوں کو مار مار کر الٹ دیا۔جس طرف نگاہ پڑتی تھی لاشوں کے انبار نظر آتے تھے۔

سکھدیو ایک اونچے ٹیلے پر چڑھا یہ خونریز معرکہ اور ہیبت ناک منظر دیکھ رہا تھا۔اسے جوش

بھی آرہا تھا اور اس پر خوف بھی چھاتا جارہا تھا۔

اسے خود میدانِ جنگ میں کود پڑنے کی جرأت نہ ہوئی، بس دُور ہی کھڑا جنگ کا تماشا دیکھتا رہا۔

لیکن حاجب علی جنگ میں شریک تھے اور وہ بڑی دلیری اور بڑے جوش سے لڑ رہے تھے۔ ان کی تلوار بڑی پھرتی سے اٹھتی تھی اور جس شخص کے اوپر گرتی تھی اسے دو ٹکڑے کر ڈالتی تھی۔ انہوں نے بہت سے راجپوتوں کو خاک پر الٹ دیا تھا۔ بہت سوں کو زخمی کر کے اپنے سامنے سے بھگا دیا تھا۔ راجپوت حیرت سے ان کی لڑائی کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ وہ جس گروہ پر حملہ کرتے اسے زیروزبر کر ڈالتے۔ ان کے جسم اور لباس پر خون کے قطرے پڑ پڑ کر جم گئے تھے جو سیاہ ہو کر گوشت کے لوتھڑے معلوم ہونے لگے تھے۔

سکھدیو نے یہ سمجھ لیا کہ اگر اسی طرح راجپوت قتل ہوتے رہے تو چند ہی گھنٹوں میں ان کا صفایا ہو جائے گا اس لئے اس نے لشکر کو واپسی کا اشارہ کیا۔ راجپوت گویا اسی اشارہ کے منتظر تھے۔ وہ نہایت تیزی سے پسپا ہوئے۔ مسلمانوں سے بڑھ کر انہیں قتل کرنا چاہا لیکن حاجب علی نے مسلمانوں کو تعاقب کرنے سے روک دیا اور مسلمان وہیں ٹھٹھک گئے۔ راجپوت جنگل میں گھس کر نگاہوں سے غائب ہو گئے۔

اب عصر کا وقت آ گیا تھا۔ آج مسلمانوں نے تینوں سمتوں میں حملہ کیا اور ہر طرف اپنی بہادری کی دھاک بٹھا دی۔

چونکہ دن بہت تھوڑا باقی رہ گیا تھا اور یہ اُمید باقی نہ رہی تھی کہ مسلمان فصیل پر چڑھ جائیں گے یا بندرگاہ پر قبضہ کر سکیں گے۔ اس لئے سلطان محمود نے اسلامی لشکروں کو واپسی کا اشارہ کیا اور مجاہدینِ اسلام ہر طرف سے اللہ اکبر کے پرشور نعرے لگاتے ہوئے واپس لوٹنے لگے۔

حیرت زدہ نازنین:

سومنات کے مہاراج شاہی قصر کے قریب والے برج میں تمام دن بیٹھے رہ کر جنگ کا نظارہ غور سے کرتے رہے تھے۔ ان کے پاس دھرمپال اور چند دیگر راجے بھی سارا دن ہی بیٹھے رہے تھے۔ ان سب نے مسلمانوں کی جرأت اور شجاعت دیکھی تھی۔ انہیں فکر لاحق ہو گیا تھا کہ اگر جنگ کی یہی صورت رہی تو خوف ہے کہیں مسلمان فتح یاب نہ ہو جائیں۔

ٹڈی دل راجپوت قلعہ، شہر، مندر اور ان کے درمیان میدانوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ وہ

مسلمانوں سے چھ گنا زیادہ تھے لیکن ان کی یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ سب میدان میں نکل کر ایک دم حملہ کریں۔

کچھ رات گئے سکھد یو جنگلوں میں ہوتا ہوا قلعہ میں داخل ہو گیا تھا اور مہاراجہ کو اس کے آنے کی اطلاع ہو گئی تھی۔ انہیں اس کے آنے سے کچھ خوشی ہوئی تھی لیکن یہ تھوڑی سی خوشی بھی اس وقت خاک میں مل گئی جب مہاراجہ کو معلوم ہوا کہ دن بھر کی لڑائی میں تینوں محاذات پر تقریباً دس ہزار راجپوت مارے گئے ہیں۔

مہاراجہ نے حکم دیا کہ اس خبر کو مشتہر نہ کیا جائے کیونکہ اس سے جنگجو راجپوتوں کی ہمتیں پست ہو جانے اور عام ہندوؤں میں وہم و ہراس پھیل جانے کا اندیشہ تھا۔

مہاراجہ نے وہ رات کرب و بے چینی میں کاٹی۔ دوسرے روز سورج نکلتے ہی وہ پھر برج میں آ بیٹھے۔ ان کا اور دوسرے راجاؤں کا خیال تھا کہ مسلمان آج پھر بندرگاہ اور قلعہ پر دھاوا کریں گے۔

چونکہ بندرگاہ میں چھوٹی بڑی کشتیاں اور چھوٹے چھوٹے دُخانی جہاز لنگر انداز تھے اس لئے ان کی حفاظت کی اشد ضرورت تھی۔ چنانچہ مہاراجہ نے رات کے وقت بندرگاہ میں دس ہزار راجپوت سپاہی اور بھیج دیئے۔ قصرِ شاہی سے سمندر کی طرف ایک چور دروازہ کھلتا تھا۔ اس خفیہ دروازہ کو شاہی خاندان کے لوگ ہی جانتے تھے۔ اسی دروازہ کے ذریعہ سے نیا لشکر بھیجا گیا۔

دراصل سمندر کی جانب کی حفاظت اس لئے بھی ضروری تھی کہ اس طرف سے حملہ کر کے فصیل توڑ کر مسلمانوں کے گھس آنے کا اندیشہ تھا۔

آج فصیل پر سنگریزے اس کثرت سے پہنچا دیئے گئے تھے کہ تمام فصیل ان سے پٹ گئی تھی۔ سنگ انداز بھی کثیر تعداد میں فصیل پر چڑھ گئے تھے۔

لیکن آج خلاف توقع مسلمانوں نے کمر بندی نہیں کی اور راجپوتوں کو معلوم ہو گیا کہ آج مسلمانوں کا ارادہ حملہ کرنے کا نہیں ہے۔

چندر موہنی نے غسل کر کے لباس بدلا' مشاطاؤں نے اس کا سنگھار کیا۔ وہ پیکرِ نور بن کر باغیچہ میں نکل آئی۔ اس کے ساتھ ہر دم سہیلیاں اور کنیزیں رہتی تھیں۔ وہ ان مہ پاروں کے جھرمٹ میں روشوں پر گھوم رہی تھی۔ خوش رنگ اور عطر بیز پھولوں کو توڑ توڑ کر سہیلیوں کو دیتی جاتی تھی اور وہ انہیں اس کے سیاہ چمکیلے اور ریشم جیسے ملائم سر کے بالوں میں لگاتی جاتی تھیں۔

ان پھولوں نے نہ صرف اس کے خوشنما سر ہی کو دلفریب بنا دیا تھا بلکہ اس کا چاند سا چہرہ بھی دیدہ زیب ہو گیا تھا۔ وہ اس وقت خوش تھی اور اس کا مسرور چہرہ نہایت ہی پیارا معلوم ہو رہا تھا۔

اس وقت سامنے سے دھرمپال آ گئے۔ چندر موہنی نے بڑھ کر ان کے پیروں کو چھوا۔ انہوں نے اسے دعا دے کر کہا:

''بیٹی !! ایشور کا شکر ہے کہ تُو اس وقت خوش ہے جبکہ سومنات کا ہر شخص متفکر، پریشان اور غمگین ہے۔''

چندر موہنی: ''فکر و پریشانی سے فائدہ ہی کیا ہے گرو جی !!''

دھرمپال: ''کچھ نہیں سوائے اس کے کہ اپنے غم کو اور بڑھا لیا جائے۔ انسان کو ہر حالت میں خوش رہنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ غم انسان کو کھوکھلا کر کے موت کے قریب پہنچا دیتا ہے اور خوشی موت کے آغوش سے باہر کھینچ لاتی ہے۔''

چندر موہنی: ''آج مسلمانوں کا ارادہ حملہ کرنے کا معلوم نہیں ہوتا۔''

دھرمپال: ''ہاں انہوں نے آج کمر بندی نہیں کی ہے مگر ان کا حملہ نہ کرنا اور بھی تشویش کا باعث ہے۔ ایشور جانے وہ کیا سوچ رہے ہیں اور کیا کرنے والے ہیں۔''

چندر موہنی: ''وہ کچھ بھی کریں لیکن ہمارا لشکر اتنا زیادہ ہے کہ وہ کامیاب نہ ہو سکیں گے۔''

دھرمپال: ''لشکر کی کثرت فتح کی ضامن نہیں ہوا کرتی۔ لڑائی میں جرأت، ہمت اور استقلال کی ضرورت ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے سپاہیوں میں ان باتوں کی کمی ہے! نور چشمی !! تجھے معلوم نہیں کہ جنگ کیوں ہو رہی ہے؟''

چندر موہنی: ''میں نے تو یہ سنا ہے کہ سلطان محمود یہ سن کر کہ سومنات میں بے حد دولت ہے حملہ آور ہوا ہے۔''

دھرمپال: ''یہ بات نہیں ہے، جنگ تیری وجہ سے ہو رہی ہے۔ سلطان محمود تجھے طلب کر رہے ہیں۔''

یہ دوسرا موقعہ تھا کہ چندر موہنی نے یہ سنا کہ جنگ اس کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ پہلے شوبھا دیوی نے کہا تھا اور آج اس کے گرو جی دھرمپال نے کہا تھا۔ اسے کمال حیرت ہوئی۔ اس نے پوچھا:

''میری وجہ سے جنگ ہو رہی ہے؟''

دھرمپال: ''ہاں !! سلطان محمود تجھے حاصل کرنے کے لئے حملہ آور ہوئے ہیں۔ انہوں نے ایک چھٹی بھیج کر صاف طور پر یہ کہہ دیا تھا کہ جب تک چندر موہنی ان کے حوالہ نہ کی جائے گی جنگ بند نہ ہو گی۔ اگر چندر موہنی انہیں دے دی جائے تو واپس لوٹ جائیں گے۔''

چندر موہنی نے شرماتے ہوئے کہا:

''یہ مسلمان بادشاہ کتنے برے خیال کے ہوتے ہیں............''

دھرمپال: ''اس میں ان کی بدنیتی نہیں ہے۔ چندر موہنی!! تو نہیں جانتی کہ تیرے ساتھ ایک راز وابستہ ہے۔ وہ راز سلطان محمود کو یہاں کھینچ کر لایا ہے۔ میں نے مہاراجہ کو اس وقت مشورہ دیا تھا جب سلطان محمود کے غزنی سے روانہ ہونے کی خبر مشہور ہوئی تھی کہ وہ تجھے ان کے حوالہ کر دیں لیکن انہوں نے نہ مانا............''

چندر موہنی نے متحیر نگاہوں سے دھرمپال کو دیکھ کر کہا:

''آپ یہ چاہتے تھے کہ میں سلطان محمود کے حرم میں داخل ہو جاؤں؟''

دھرمپال: ''سلطان محمود ضعیف بزرگ ہو گئے ہیں۔ ان کی عمر اس وقت ستاون اٹھاون سال کی ہے۔ وہ تجھے اپنے حرم میں داخل کرنے کے لئے طلب نہیں کر رہے بلکہ............اوہ میں راز ہی کھولنے لگا۔ معاف کرنا بیٹی!! میں بغیر مہاراجہ کے حکم اور اشارے کے راز کا پردہ نہیں اٹھا سکتا۔ دیکھ سکھدیو اور کامنی دونوں آ گئے ہیں۔ دونوں تجھ سے ناخوش اور تجھے نقصان پہنچانے کی فکر میں ہیں۔ ان سے ہوشیار رہنا۔''

چندر موہنی: ''لیکن گرو جی، کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ کامنی نے ہارون کو رہا کرایا ہے؟''

دھرمپال: ''یہ بات نہیں، بلکہ خود اسے ہارون سے محبت ہو گئی ہے۔ وہ یہاں اپنے بھائی کے ساتھ اس لئے آئی ہے تا کہ تجھے اس کے چنگل میں پھنسا دے اور خود ہارون کے پاس چلی جائے۔ اس سے ہوشیار رہنا وہ نہایت خطرناک لڑکی ہے۔ اب میں جا رہا ہوں!''

دھرمپال چلے گئے۔ چندر موہنی سوچنے لگی کہ سلطان محمود اسے کیوں حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جب وہ اسے اپنے حرم میں بھی رکھنا نہیں چاہتا تو پھر کیوں اتنی مسافت اور سفر کی تکلیفیں برداشت کر کے اسے بہ جبر حاصل کرنے کے لئے آیا ہے۔ وہ کیا راز ہے جو اس کی ذات سے وابستہ ہے۔ مہاراجہ کیوں اس راز کو ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتے؟

کامنی............کیا واقعی کامنی ہارون پر فریفتہ ہو گئی ہے۔ کیا وہ پھر دھوکہ دینے کے لئے میرے قصر میں آئی ہے؟

ان خیالات سے اس کا چہرہ کچھ پھیکا پڑ گیا۔ اس نے کچھ کھٹکا سنا، نگاہ اٹھا کر دیکھا تو کامنی سامنے سے آ رہی تھی۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ کامنی بھی نہایت حسین تھی اگرچہ اس کے چہرہ سے بڑی معصومیت ظاہر ہوتی تھی لیکن وہ جس قدر معصوم معلوم ہوتی تھی اسی قدر چالاک تھی۔

کامنی نے چندر موہنی کو بڑے ادب سے سلام کیا۔ چندر موہنی نے اس کے چہرہ پر نظر ڈالی۔اس کی معصومیت سے وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اس نے سوچا' نہیں کامنی اب مجھے دھوکہ نہ دے گی! اس کی شرمسارانہ نگاہیں اور بھولا چہرہ صاف بتا رہا ہے کہ وہ اب کوئی فریب نہ دے گی اور میں اس کے فریب میں آؤں گی کیوں؟ کامنی اب مجھے دھوکہ نہ دے گی۔ وہ انہی خیالات میں ہی جا رہی تھی کہ کامنی نے کہا:

''کیا ابھی تک مجھ سے ناخوش ہو راجکماری............؟''

اس کی آواز سے چندر موہنی کا سلسلۂ خیال ٹوٹ گیا۔اس نے کہا:

''نہیں کامنی میں تجھ سے ناخوش نہیں ہوں۔''

کامنی نے خوش ہو کر کہا:

''ایشور کا شکر ہے۔ راجکماری!! میں شرمندہ ہوں کہ مجھ سے ایک غلطی ہو گئی تھی۔ جس سے آپ کو کچھ پریشانی اٹھانی پڑی لیکن اب میں نے اس کا بدل بھی کر دیا ہے۔ بھائی جان نے ہارون کو گرفتار کر لیا تھا میں نے انہیں رہا کرا دیا۔ ماتا جی نے شاید آپ سے اس کا ذکر کیا ہو۔''

چندر موہنی: ''ہاں مجھ سے ماتا جی نے کہا تھا۔ میں تمہاری شکر گزار ہوں کامنی!!''

کامنی: ''میں نے اپنی وفاداری کا ثبوت دیا ہے۔ راجکماری جی!! بھائی سکھدیو کو بھی آپ کے ناراض اور خفا ہو جانے کا بڑا املال اور صدمہ ہے۔ وہ مہاراجہ کی مدد کے لئے نہیں بلکہ محض آپ کو خوش کرنے کے لئے آئے ہیں۔''

چندر موہنی: ''تب تو انہوں نے بڑی غلطی کی۔انہیں خلوصِ دل سے دیوتا سومنات جی کی مدد کے لئے آنا چاہیے تھا۔''

کامنی: ''دیوتا سومنات جی ہی نے انہیں سپنے میں یہاں آنے کے لئے کہا تھا!''

چندر موہنی: ''تب انہوں نے اچھا کیا۔اس وقت دھوپ میں گرمی آ گئی ہے آؤ اب چلیں۔''

کامنی: ''چلیے۔''

چندر موہنی جس وقت دھرمپال سے گفتگو کرنے لگی تھی تو تمام سہیلیاں اور ساری کنیزیں وہاں سے ہٹ گئی تھیں۔اب جب کہ راجکماری نے واپس چلنے کا قصد کیا تو وہ سب آ گئیں اور اس کے ساتھ محل کی طرف روانہ ہوئیں۔

باب ۱۵

شوخ انیسہ

اسلامی لشکر کچھ اس طرح مقیم ہوا تھا کہ اس نے میدان کو جو قلعہ سومنات کے سامنے واقع تھا، حد بندی کر دی تھی۔ یہ میدان تقریباً آٹھ میل چوڑا اور دس میل لمبا تھا۔ چوڑائی شرقاً غرباً تھی اور لمبائی شمالاً جنوباً۔

اس میدان کے مغربی سمت دریائے عمان شمال سے بہہ کر جنوب میں گھوم کر سمندر میں گر جاتا تھا۔ دریائے عمان کے کنارہ پر ایک محفوظ مقام میں عورتوں کے لئے پردہ سرا قائم کر دیا تھا۔ اس کی حفاظت کے لئے پانچ سو سپاہی مقرر تھے جو کہ پردہ سرا سے فاصلے پر خیمہ زن تھے۔ کوشش یہ کی گئی تھی کہ خواتین اور بچوں کی آزادی میں فرق نہ آئے۔

چونکہ دریا نہایت عمیق و عریض تھا اس لئے اس طرف سے دشمن کے آنے کا اندیشہ نہ تھا۔ شمال کی طرف کئی میل کے فاصلہ پر حاجب علی انہلواڑہ کی طرف کے تمام راستوں کی ناکہ بندی کئے ہوئے تھے۔ مشرق میں خود سلطان محمود اور التونتاش اور امیر علی خویشاوند تھے۔

اس طرح سے مسلمانوں کے خیال میں پردہ سرا بالکل محفوظ تھا اور لشکر سے الگ بھی تھا۔

خواتین کے خیمے دریا کے عین کنارہ پر ایک نشیبی سبزہ زار میں واقع تھے۔ دریا کے کنارہ کنارہ زمین سے ملی ہوئی سبزی مائل دھانی رنگ کی گھاس کھڑی تھی۔ دیکھنے میں یہ گھاس نہایت خوشنما معلوم ہوتی تھی۔ عورتیں اور بچے اور لڑکیاں اس قدرتی فرش کو اس قدر پسند کرتی تھیں کہ قالینوں کو چھوڑ کر اس پر بیٹھتی تھیں۔ اس پر نماز پڑھتی تھیں اسی پر کھیلتی تھیں۔

جس روز مسلمانوں نے دھاوا کیا تھا اس سے اگلے روز مغرب کی نماز کے بعد انیسہ کئی لڑکیوں کے ساتھ دریا کے کنارہ پر آئی اور پانی کی روانگی کا منظر دیکھنے لگی۔

چاند نکلا ہوا تھا۔ چاندنی ٹھنڈی دھوپ کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ ہر چیز چمک رہی تھی اور ہر

شے بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ دریا کا سفید پانی موجیں لیتا کناروں سے ٹکراتا، شور کرتا نہایت آہستگی سے بہہ رہا تھا۔

انیسہ: ''کیسا دل کش منظر ہے!''

ایک لڑکی: ''یہ مقام جنت کا ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔''

دوسری لڑکی: ''چاندنی نے ہر چیز کو نکھار دیا ہے۔ پانی سبزہ، درخت، درختوں کے پتے، میدان اور ٹیلے سب کیسے بھلے معلوم ہو رہے ہیں۔''

تیسری لڑکی نے مسکرا کر کہا:

''آسمان کا چاند تُو نے دیکھا لیکن زمین کا چاند نہیں دیکھا!''

سب لڑکیوں نے ایک زبان ہو کر پوچھا: ''زمین کا چاند کہاں ہے؟''

اس لڑکی نے شوخی سے انیسہ کی طرف انگلی اٹھا کر متبسم ہو کر کہا:

''وہ ہے!! کیا دیکھا نہیں کہ اس کے چہرے سے لمعات نور کی لہریں نکل نکل کر فضا میں پھیل کر چاندنی پر غالب آنے کی کوشش کر رہی ہیں۔''

حقیقت میں اس وقت انیسہ کے آتشناک چہرہ سے حسن کی شاخیں پھوٹ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چاند اس کے حسین چہرہ سے کسب ضیاء کر رہا ہو۔

تمام لڑکیوں نے ہنس کر کہا: ''بے شک!!!''

انیسہ بھی مسکرانے لگی۔ اس نے کہا: ''تم شرارت سے باز نہ آؤ گی۔''

وہ یہ کہہ کر ان کی طرف جھپٹی۔ تمام لڑکیاں ہنستی ہوئی بھاگ گئیں اور تنہا انیسہ ہی اسی جگہ کھڑی رہ گئی۔

وہ نہایت اطمینان سے کھڑی سیر میں مصروف تھی۔ لڑکیاں دور نکل گئی تھیں۔ اتنی دور کہ ان کی باتیں کرنے کی آواز بھی آنی بند ہو گئی تھی۔

وہ مصروف نظارہ تھی کہ اس نے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنی۔ اس کی محویت اور مصروفیت غائب ہو گئی۔ وہ دیکھنے لگی کہ اس وقت کون اور کس لئے آ رہا ہے۔ اسے دور سے ایک سفید پوش سوار آتا نظر آیا۔ اس نے آہستہ سے کہا:

''کیا یہ برہان ہیں............ دل تو یہی کہتا ہے مگر............ وہ اس وقت یہاں کیسے آتے؟ وہ تو انتہائے جنوب میں سمندر کے کنارہ پر دشمنوں کا راستہ روکے پڑے ہیں۔''

سوار قریب آتا جا رہا تھا۔ جب وہ بالکل پاس آ گیا تو انیسہ نے پہچان لیا۔ وہ برہان ہی

تھے۔انہیں دیکھتے ہی اس کا چہرہ چمکنے لگا۔

آتشناک رخسار، تیز گلابی رنگ میں ڈوب گئے۔آنکھوں سے سحر خیز چمک خارج ہونے لگی۔لیکن اس نے فوراً سوار کی طرف سے رخ پھر لیا اور دریا کی طرف منہ کر کے اس طرح کھڑی ہوگئی جیسے اس نے سوار کو دیکھا ہی نہیں۔

برہان نے انیسہ کے پاس آ کر اسے محو نظارہ دیکھا تو ان کا دل دھڑکنے لگا۔وہ گھوڑے سے اترے اور سیم تن کی طرف بڑھے جو تجاہلِ عارفانہ کئے کھڑی تھی۔انہوں نے آہستہ سے کہا: ''انیسہ!''

انیسہ ایک دم چونک کر اس طرح اچھل پڑی جیسے وہ ڈر گئی ہو۔اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ پیچھے کی طرف اس طرح جھکنے لگی جیسے گرنے ہی والی ہو۔

برہان نے گھوڑے کی باگ چھوڑ کر جلدی سے اسے سنبھالتے ہوئے کہا:

''انیسہ .... انیسہ میں ہوں، تم ڈر گئیں؟''

انیسہ نے انہیں حیرت اور خوف بھری نگاہوں سے دیکھا اور پھر جلدی سے ان کی آغوش سے الگ ہو کر لمبے لمبے سانس لیتے ہوئے کہا:

''اف، تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔''

برہان بے چارے کو کیا خبر تھی کہ شعلہ رُو انیسہ اداکاری کر رہی ہے۔وہ انہیں آتے ہوئے دیکھ چکی تھی۔نہ ڈری ہے نہ حیرت زدہ ہے، اس کی کیفیت مصنوعی ہے۔

وہ گھبرا بھی گئے اور نادم بھی ہوئے۔انہوں نے ندامت خیز لہجہ میں کہا:

''معاف کرو انیسہ مجھ سے سخت حماقت ہوئی۔''

انیسہ کو ہنسی آنے لگی لیکن اس نے ضبط کر کے کہا:

''تمہاری اس حرکت سے میرا دل اب تک دھڑک رہا ہے آخر تم نے ایسا کیوں کیا!''

برہان ایک مجرم کی طرح ندامت سے سر جھکائے ہوئے کھڑے تھے۔انہوں نے کہا:

''میں یہ نہیں سمجھا تھا کہ میرے آہستہ سے پکارنے سے بھی تم اس قدر ڈر جاؤ گی۔''

انیسہ: ''ہاں تم کیوں سمجھنے لگے تھے۔تمہیں تو اپنی بہادری پر زعم ہے نا۔''

برہان: ''میں نے کبھی کسی کے سامنے اپنی بہادری کا دعویٰ نہیں کیا۔''

انیسہ: ''مگر یہ اس وقت تم یہاں آ کہاں سے گئے؟''

برہان نے سادگی سے کہا: ''اپنے پڑاؤ سے۔''

انیسہ: ''کیوں آئے؟''

برہان: ''کیا کہہ دوں۔ مغرب کی نماز پڑھ کر کچھ طبیعت گھبرانے لگی اور ایسی گھبرائی کہ میں پریشان ہوگیا۔ مجھے خیال ہوا کہ شاید انیسہ ....لیکن تمہیں اس بات کا یقین کیوں آنے لگا۔''

انیسہ: ''نہیں کہیے۔''

برہان: ''تب سنو، میرے دل نے کہا کہ تم کسی مصیبت میں مبتلا ہوگئی ہو۔''

انیسہ نے مسکراتے ہوئے کہا:

''خوب ہیں آپ اور خوب ہے آپ کا دل!''

برہان: ''میں اچھا، نہ میرا دل اچھا! دل میں جو خیال آیا وہ غلط نکلا اور میں نے آ کر تمہیں ڈرایا۔''

انیسہ: ''لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوگیا کہ میں اس طرف ہوں۔''

برہان: ''یہ بھی دل نے رہنمائی کی۔''

انیسہ: ''یا آپ اپنی ولایت کا سکہ مجھ پر بٹھانا چاہتے ہیں۔''

برہان: ''تم پر؟ کیا کسی حسین ساحرہ پر کسی ولی کا سکہ بیٹھ سکتا ہے؟''

انیسہ: ''ہاں ان کا جو خود ساحر ہوتے ہیں۔''

برہان: ''تب تم مجھے بھی سحر سکھا دو۔''

انیسہ: ''جانتے ہو سحر کیا چیز ہے؟''

برہان: ''جانتا ہوں، حسن سے بڑھ کر سحر کوئی چیز نہیں۔''

انیسہ نے ہوشربا تیز نگاہوں سے دیکھ کر کہا:

''گویا حسن سحر ہے؟''

برہان: ''دیکھو، تمہاری تیز نگاہوں سے اس وقت سحر خیز چمک خارج ہونے لگی ہے۔''

انیسہ: ''آپ کو باتیں بنانی خوب آتی ہیں۔''

برہان: ''اور تمہیں باتوں میں اڑانا خوب آتا ہے۔''

انیسہ: ''اگر اس وقت آپ کو یہاں کوئی دیکھ لے تو......................''

برہان: ''یہی سمجھے کہ تم نے مجھے بلایا ہے۔''

انیسہ: ''اچھا مہربانی کر کے.....................''

برہان: ''میں چلا جاؤں؟''

انیسہ: ''اس طرح بدنامی کا خوف ہے۔''

برہان: ''انیسہ!! آخر تم اس قدر سنگدل کیوں ہو۔''

انیسہ: ''سننا یہ کیسی آواز آئی!''

اس وقت چپو چلانے کی آوازیں آئیں۔ برہان نے بھی سنی۔ انہوں نے دریا کی طرف دیکھا۔ دریا میں کوئی کشتی آ رہی تھی لیکن کس کی ہے؟ مسلمانوں کے پاس تو کوئی کشتی ہے نہیں۔ اور اب ایک نہیں کئی کشتیاں آ رہی تھیں۔

برہان نے جلدی سے کہا:

''راجپوتوں نے پردہ سرا پر یلغار کی ہے انیسہ تم دوڑ جاؤ۔ پردہ سرا میں پہنچ جاؤ۔ جاؤ جلدی کرو۔ دیکھو کشتیاں کنارے سے آ لگی ہیں۔''

انیسہ نے گھبرا کر برہان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ''اور آپ؟''

برہان: ''میں انہیں روکوں گا۔''

انیسہ: ''کیا تنہا ہی؟''

برہان: ''ہاں تنہا ہی۔ تم میری فکر نہ کرو۔ انیسہ!! بھاگ جاؤ۔ یہاں سے بھاگ جاؤ۔ دیکھو کشتیاں باندھ دی گئی ہیں اور راجپوت ان میں سے اترنے لگے ہیں۔ وقت ضائع نہ کرو تمہاری موجودگی میں میں کچھ نہ کرسکوں گا۔''

انیسہ نے ایک لمحہ کچھ سوچا۔ اس نے کہا: ''اچھا اب ایک اقرار کریں!''

برہان: ''جلدی کہو کیا؟''

انیسہ: ''جب تک راجپوت پردہ سرا کے قریب نہ پہنچیں آپ نہ ان کے سامنے ہوں نہ ان پر حملہ کریں۔''

برہان: ''میں اقرار کرتا ہوں تم جاؤ۔''

برہان نے انیسہ کو اپنے ہاتھ سے دھکیل دیا۔ وہ دوڑ گئی اور برہان گھوڑے پر سوار ہو کر ایک ٹیلہ کی آڑ میں کھڑے ہو کر راجپوتوں کی نقل و حرکت دیکھنے لگے۔

خاموش فتح:

راجپوت دس بارہ کشتیوں میں سوار ہو کر آئے تھے۔ جس جگہ انہوں نے کشتیاں کنارہ سے لگائیں وہ اونچے اونچے ٹیلوں کی آڑ میں تھی۔ پردہ سرا وہاں سے فاصلہ پر تھا۔ اس طرف کوئی مسلم مرد عورت نہ آتے جاتے تھے۔

راجپوت جلدی جلدی کشتیوں میں سے اتر کر ٹیلوں کے پیچھے چھپ گئے۔ برہان نے

اندازہ لگایا کہ وہ ڈھائی سو کے قریب ہیں۔ وہ بھی سمجھ گئے کہ ان کا ارادہ فوراً ہی حملہ کرنے کا نہیں ہے بلکہ رات کو کسی وقت چھاپہ مارنے کی فکر میں ہے۔

پھر بھی وہ انہیں کھڑے دیکھتے رہے۔ وہ نشیب میں گھوڑے پر سوار کھڑے تھے اس لئے راجپوتوں نے انہیں نہیں دیکھا۔

جب برہان کو یہ اطمینان ہو گیا کہ راجپوت سردست آگے بڑھنا نہیں چاہتے تو وہ آہستہ آہستہ چلے۔

اس بات کا انہوں نے خیال رکھا کہ راجپوت ان کی موجودگی سے خبردار نہ ہوں۔ وہ ایسے راستے پر ہوئے جس کے دونوں طرف چٹانوں کی طرح اونچے اونچے ٹیلے تھے۔

راجپوتوں نے انہیں نہیں دیکھا اور وہ پردہ سرا کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں انہیں انیسہ ملی۔ اس نے خوش ہو کر کہا:

''آپ آ گئے؟''

برہان نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا:

''تم یہاں کھڑی ہو، انیسہ .... کس لئے؟''

انیسہ نے بے ساختگی سے کہا:

''میں آپ کو دیکھ رہی تھی۔ مجھے خوف تھا کہیں آپ راجپوتوں پر حملہ نہ کر دیں۔''

برہان نے شکر گزار نظروں سے دیکھ کر کہا:

''خدا کا شکر ہے تم کو میرا خیال تو ہے۔''

انیسہ شرما گئی۔ دوشیزگی کی حیا نے اس کے چہرہ کو مال دلفریب بنا دیا۔ برہان نے کہا:

''میں ضرور ان پر حملہ کر دیتا اگر وہ دس بیس ہوتے .... یا پردہ سرا پر چھاپہ مارتے۔''

انیسہ: ''کس قدر ہیں وہ؟''

برہان: ''ڈھائی سو ہیں۔''

انیسہ: ''شاید وہ رات کو چھاپہ مارنے کی فکر میں ہیں۔''

برہان: ''ہاں!! اس وقت وہ ٹیلوں کے پیچھے چھپ گئے ہیں۔ دیکھو عشاء کی اذان ہو رہی ہے۔ اب تم اطمینان سے پردہ سرا میں جاؤ میں بھی جا رہا ہوں۔''

انیسہ: ''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

برہان: ''میں محافظ دستہ میں جا کر نماز پڑھوں گا اور اس دستہ میں سے ڈھائی سو مجاہدین لے کر پردہ

سرا کے قریب چھپ جاؤں گا اور جب راجپوت چھاپہ مارنے کے لئے آئیں گے، تب ان پر ایک دم حملہ کردوں گا۔"

انیسہ نے خوش ہو کر کہا:

"تدبیر تو نہایت مناسب ہے۔"

وہ چلی گئی۔ برہان گھوڑا بڑھا کر پردہ سرا کے محافظ دستہ میں داخل ہوئے۔ اس دستہ کے تمام سپاہی نماز کی تیاری کررہے تھے۔

برہان نے گھوڑا ایک خیمہ کی رسی سے باندھا۔ وضو کیا اور نماز میں شریک ہوگئے۔ نماز پڑھ کر انہوں نے دستہ کے محافظ سے سرگوشی کے لہجہ میں کہا:

"راجپوتوں کا ارادہ پر چھاپہ مارنے کا ہے۔"

اس دستہ کے سردار کا نام خمارتاش تھا۔ وہ چونک پڑے انہوں نے پوچھا:

"آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

برہان نے کشتیوں میں راجپوتوں کے آنے اور ٹیلوں کے پیچھے چھپ جانے کا تمام واقعہ سنایا۔ خمارتاش نے کہا:

"تب اطمینان رکھیں۔ ہم ان شاءاللہ تعالیٰ سب کو اپنے قابو میں کرلیں گے۔"

اس کے بعد دونوں افسروں میں کچھ دیر تک نہایت آہستگی سے باتیں ہوتی رہیں اور کچھ وقفہ کے بعد وہ ڈھائی سو سپاہیوں کو لے کر روانہ ہوگئے۔

راجپوت کشتیوں میں اتر کر ٹیلوں کے پیچھے سبز سبز گھاس پر نہایت اطمینان سے بیٹھ گئے تھے۔ چونکہ کشتیوں کے ملاح بھی جنگ کے سپاہی تھے اس لیے وہ بھی کشتیاں چھوڑ کر وہیں آگئے تھے۔

یہ لوگ بالکل خاموش تھے۔ وقت گزر رہا تھا۔ چاند اپنی منزلیں طے کررہا تھا۔

جوں جوں رات زیادہ ہوتی جاتی تھی' خاموشی پھیلتی جاتی تھی۔ پردہ سرا کی طرف سے جو مختلف آوازیں آرہی تھیں اب وہ بھی بند ہوگئیں تھیں۔ دُور گیدڑ بول رہے تھے۔

اس وقت ایک راجپوت نے کہا:

"اب آدھی رات ہوگئی ہے۔ ہمیں تیار ہوجانا چاہیے۔"

دوسرا: "بے شک وقت آگیا ہے جس کا ہمیں انتظار تھا۔"

تیسرا: "اگر ہمارا چھاپہ کامیاب ہوا اور ان ملیچھ کی عورتیں اور بچے ہمارے قابو میں آگئے تو جو شرائط ہمارے مہاراجہ پیش کریں گے سلطان محمود مجبور ہو کر انہیں قبول و منظور کرے گا۔"

پہلا: ''اسی لئے تو ہمیں اس خطرناک مہم پر بھیجا گیا ہے۔''
دوسرا: ''سومنات جی کی کرپا سے ہم یہاں تک تو آ گئے ہیں۔ اب کامیاب چھاپہ مارنا ہی باقی ہے۔''
تیسرا: ''سومنات جی نے چاہا تو چھاپہ کامیاب ہوگا۔ اس طرف سے مسلمان بالکل غافل ہیں۔ وہ سمجھتے ہوں گے کہ کسی طرف سے کوئی کھٹکا نہیں ہے اور صبح کو جب اپنی عورتیں اور بچوں کو غائب دیکھیں گے تب حیران ہوں گے۔''
چوتھا: ''کرتار سنگھ نے بڑی جرأت کی، کل یہاں آ کر تمام باتوں کی دیکھ بھال کر گئے''
پانچواں: ''وہ اپنا کام کر گئے اب ہمیں اپنا کام کرنا باقی ہے۔''
چھٹا: ''کوشش یہ کرنا کہ کسی کی آواز نہ نکلے۔ ان عورتوں کا محافظ دستہ ذرا فاصلہ پر مقیم ہے۔ اگر اس کے سپاہیوں کو کچھ شبہ ہو گیا تو وہ چڑھ دوڑیں گے اور پھر ہمیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

اس دستہ کے افسر نے کہا:

''جو شخص جس عورت یا بچہ کو گرفتار کرے فوراً اس کا منہ باندھ دے۔ اگر کوئی ان میں چلانے کی کوشش کرے تو خنجر اس کے کلیجہ میں جھونک کر اسے خاموش کر دے۔ ہر سپاہی کو نہایت ہوشیاری اور مستعدی سے کام کرنا چاہیے۔''

اب یہ لوگ نہایت آہستگی سے روانہ ہوئے اور ان ٹیلوں کے اوپر چڑھ گئے جن کے پیچھے مسلمان چھپے ہوئے تھے۔ یہ ٹیلے نہایت اونچے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ہر طرف میدان خالی تھا۔ کوئی مسلمان کسی سمت بھی آتا جاتا نظر نہ آ رہا تھا۔ اس دستہ کے افسر نے کہا:

دیوتا سومنات جی کی کرپا سے سب کام ٹھیک ہے۔ ذرا تیزی لیکن احتیاط اور خاموشی سے بڑھے چلو۔

فوراً یہ لوگ ٹیلوں کے دوسری طرف اترے اور قدرے قدم بڑھا کر لیکن بڑی احتیاط سے روانہ ہوئے۔

راستہ نہایت ناہموار تھا۔ بہت زیادہ نشیب و فراز تھے۔ یہ لوگ سب رکاوٹوں کو عبور کرتے ہوئے بڑھے چلے جا رہے تھے۔

رات کا قدرتی سکوت ہر طرف طاری تھا۔ آسمان سے زمین تک خاموشی پھیلی ہوئی تھی کہ دنیا سونی ہو رہی ہے۔ چاندنی خوب بکھری ہوئی تھی۔

راجپوت نہایت خرام اور احتیاط سے نصف فاصلہ طے کر گئے اور اب وہ ایسے ٹیلوں کے

قریب سے گزرے جو لمبے تھے۔ دراصل یہ دریا کی ڈھانگیں تھیں جن میں پانی کے پھیروں نے شگاف پیدا کر دیئے تھے۔

کہیں تو یہ ڈھانگیں بالکل برہنہ، صاف اور چٹیل اور کہیں ان میں جھاڑیاں، گھاس اور پولہ کھڑا تھا۔

جب راجپوتوں نے ان لمبے ٹیلوں کے پیچھے سے گزرنا شروع کیا تو دفعتاً ان میں سے چند سپاہیوں کو ٹیلوں کے اوپر سے چند مسلمان .... جھانکتے نظر آئے۔

ان راجپوتوں نے فوراً اشارہ سے دوسروں کا آگاہ کیا کہ دشمن کے کچھ سپاہی ٹیلوں پر موجود ہیں جو اِن کی نقل وحرکت دیکھ رہے ہیں۔

یہ سنتے ہی تمام راجپوتوں نے گھبرا کر نگاہیں اٹھائیں اور اوپر دیکھنا شروع کیا۔

اول اول تو چند ہی مسلمان جھانکتے نظر آئے تھے لیکن اب سینکڑوں سر نظر آنے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر راجپوتوں کے حواس باختہ ہو گئے۔ وہ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ان کے افسر نے کہا:

"دلیرو!! ہمت ہارنے اور گھبرانے کا وقت نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے محافظ دستہ نے تمہیں دیکھ لیا اور تمہارے سر پر آ کھڑا ہوا ہے۔ جرأت کرو اور اس دستہ کا خاتمہ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

ابھی وہ تلقین ہی کر رہا تھا کہ اوپر سے تیروں کی باڑھ پڑی اور پندرہ بیس راجپوت پیندہ ہو کر رہ گئے۔ چونکہ وہ زیادہ مجروح ہو گئے تھے اس لئے چیخنے اور چلانے لگے۔

افسر نے انہیں ڈانٹتے ہوئے کہا:

"کم بختو!! چپ رہو، شور نہ کرو۔ میرا خیال ہے یہ مسلمان تھوڑے سے ہیں ورنہ ضرور سامنے آ کر مقابلہ کرتے۔ اگر تم نے شور کیا تو ان کے لئے مدد پہنچ جائے گی، تیزی سے بڑھ کر ان ٹیلوں کے درمیان سے نکل جاؤ اور دوسری طرف سے مسلمانوں پر حملہ کر دو۔"

جو راجپوت زخمی ہوئے تھے، شدتِ کرب سے کراہ رہے تھے۔ ان زخمیوں کو ان کے ساتھیوں نے وہیں کسمپرسی کی حالت میں چھوڑ دیا اور خود تیزی سے آگے بڑھے۔ ابھی چند ہی قدم چلے تھے کہ پھر اوپر سے تیروں کی باڑھ پڑی اور پھر کئی راجپوت مجروح ہو کر چیخ اٹھے اور راستہ ہی میں ڈھیر ہو گئے۔

اس دستہ میں بقیہ سپاہی زخمیوں کو روندتے ہوئے برابر بڑھتے رہے یہاں تک کہ وہ گلی کی نکر پر جا پہنچے۔ لیکن جوں ہی انہوں نے گلی سے باہر سر نکالنا چاہا فوراً ہی ادھر ادھر سے مسلمان جھپٹ کر

سامنے آگئے اورانہوں نے تلواروں سے ان راجپوتوں کا استقبال کیا۔

راجپوت جھک کر پھر پیچھے ہٹے لیکن ان کے ہٹتے ہی اوپر سے تیسری باڑھ تیروں کی پھر پڑی اور پھر بہت سے آدمی زخمی ہوکر گر گئے۔

راجپوت نہایت بدحواس ہو گئے تھے۔ مسلمانوں نے سامنے سے گلی کی ناکہ بندی کر رکھی تھی اوراوپر سے تیروں کا مینہ برسا رہے تھے۔ اب ان کے لئے سوائے بھاگنے کے اورکوئی چارہ نہ تھا۔

چنانچہ وہ پشت کی طرف بھاگے۔ جو مسلمان ناکہ بندی کئے ہوئے تھے وہ تلواریں سونت کر ان کے پیچھے دوڑے اور بھاگتے ہوئے راجپوتوں کے پاس پہنچ کر انہیں تلواروں کی دھاروں پر رکھ لیا۔ پھر نہایت پھرتی سے حملے کر کے ان کی لاشوں سے گلی کو پاٹنا شروع کر دیا۔

راجپوت اس قدر گھبرا گئے تھے کہ وہ لوٹ کر مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکے بلکہ نہایت تیزی سے ٹیلوں کی درمیانی گلی سے نکلنے کی کوشش میں مصروف ہوئے۔ آخر وہ اس گلی سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

لیکن جوں ہی انہوں نے میدان میں قدم رکھا انکی نگاہیں ان مسلمانوں پر پڑیں جو ٹیلوں کے نیچے ہی ننگی تلواریں لئے کھڑے تھے۔

راجپوت یہ کیفیت دیکھ کر سہم گئے اور دم بخود ہو کر سکتہ کے عالم میں کھڑے رہ گئے۔

مسلمانوں نے فوراً ان پر حملہ کر کے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا اور چشم زدن میں تقریباً سو راجپوتوں کا صفایا کر ڈالا۔

ادھر وہ مسلمان بھی آگئے جو ان کا تعاقب کیے چلے آرہے تھے اور انہوں نے پیچھے سے آ کر پرزور حملہ کر کے انکی کثیر تعدا کو مار ڈالا۔

راجپوت بھی اب سنبھلے لیکن اس وقت جب ان کے معدودے چند آدمی باقی رہ گئے۔ انہوں نے بھی مسلمانوں پر وار کرنے شروع کر دیئے۔ لیکن ان کی تعداد ہی کتنی باقی رہ گئی تھی، پھر وہ خوف زدہ اور ہراساں تھے۔ ان کے وار اوچھے پڑے۔

مسلمانوں نے ڈھال پر ان کے وار روک کر ان پر شدت سے حملہ کیا اور ایک ایک کر کے تمام راجپوتوں کو کاٹ کر ڈال دیا۔ اس طرح راجپوتوں کے اس دستہ کا خاتمہ ہو گیا جو مسلمانوں کی مستورات کو گرفتار کرنے کے ارادہ سے آیا تھا۔

جب تمام راجپوت مارے جا چکے تب مسلمانوں نے بڑھ کر ان کشتیوں پر قبضہ کر لیا۔ برہان کی دانشمندی سے یہ خاموش فتح مسلمانوں کو حاصل ہوئی اور اس سے راجپوتوں کو کافی نقصان پہنچا۔

باب ۱۶

حیرتناک گفتگو

دھرمپال نے چندر موہنی کو متنبہ کر دیا تھا کہ وہ کامنی اور سکھد یو دونوں بہن بھائی سے ہوشیار رہے۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ سکھد یو سے تو ملے گی ہی نہیں اور کامنی کے ساتھ خواہ وہ کتنا بھی کہے، کہیں نہ جائے گی۔

لیکن ایک فکر اسے لاحق ہو گیا تھا اور وہ یہ تھا کہ کامنی جیسی نازنین اور پری چہرہ لڑکی بھی ہارون پر فریفتہ ہو گئی تھی۔ یہ وہ خوب جانتی تھی کہ کامنی اس سے زیادہ ہوشیار، زیادہ چالاک اور زیادہ بے باک ہے۔ اچھی خاصی حسین و شکیل بھی تھی۔

اسے یہ خیال تکلیف دینے لگا کہ کہیں ہارون کامنی کے جال میں پھنس کر اسے نہ بھول جائے۔ اس نے خیال کیا کہ ہارون مسلمان ہے............ غیر کف، ملیچھ، ایک معمولی درجہ کا سردار اور وہ خود راجکماری ہے۔ مہاراجہ سومنات کی بیٹی۔ پھر حسین و جمیل مہ پارہ۔ اس کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اس کا خیال بھی دل میں لائے............! مانا اس کی صورت اچھی ہے لیکن سیرت کی کیا خبر۔ اس کے علاوہ وہ اس سلطان محمود کے ساتھ ہے جو محض اسے حاصل کرنے کے لئے آیا ہے اور اس کی قوم سے جنگ کر رہا ہے۔

اس خیال کے آتے ہی ایک دوسرا خیال اسے ستانے لگا' وہ راجکماری نہیں ہے۔ اس کی ذات سے کوئی راز وابستہ ہے۔ سلطان محمود کو وہ راز معلوم ہو گیا ہے اور اسی لئے وہ اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

لیکن وہ راز کیا ہے؟ مہاراجہ کیوں اس راز کا انکشاف نہیں چاہتے۔ اس میں کیا مصلحت ہے۔ دیر تک وہ اس خیال میں غرق رہی لیکن اس کے نازک دماغ میں کوئی بات نہ آئی اور رفتہ رفتہ وہ پھر سب سے پہلے خیال یعنی کامنی اور ہارون کی محبت کے معاملہ میں منہمک ہو گئی۔

کچھ دیر کے بعد ان خیالات سے تھک کر ان سے پیچھا چھڑانے کے لئے اس نے دل میں کہا: ''اوہ اگر کامنی کو ہارون سے محبت ہے تو ہو، اگر ہارون بھی اس سے محبت کرنے لگے تو مجھے کیا! میں کیوں پریشان ہوں؟ ہارون سے مجھے کیا غرض .... !اس کا خیال بھی مجھے اپنے دل میں نہیں لانا چاہیے .... وہ دشمن ہے میری قوم کا۔ میرے مذہب کا، میرے ایمان کا، میرے دیوتا کا............. اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ مسلمان ہے۔ سنتی ہوں غیر کف کی لڑکیوں کو بڑی حقارت سے دیکھتے ہیں۔ مجھے بھی وہ ذلیل سمجھتا ہوگا۔ پھر میں کیوں اس کا خیال کروں..........؟''

یہاں وہ رکی اور اس نے اپنے دل کا جائزہ لیا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ وہ اس خیال سے اپنے دل کو فریب نہیں دے سکتی۔ اس کے دل میں ہارون کی تصویر نقش ہے اور وہ آسانی سے اسے نہیں مٹا سکتی بلکہ کوشش سے بھی اسے مٹا ڈالنا مشکل ہے۔

وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ آج ابھی تک وہ اپنی ماتا اور پتا کے سلام کو نہیں گئی تھی چنانچہ ان کے پاس روانہ ہو گئی۔ اس کے رہنے کے کمرے اگرچہ قصر کے ایک جانب تھے لیکن ان کمروں کا سلسلہ دور تک پھیلتا چلا گیا۔ جو مہارانی کے کمروں پر جا کر ختم ہوتا تھا۔

تمام کمرے نہایت درجہ آراستہ و پیراستہ تھے۔ وہ ان کمروں میں ہوتی ہوئی اس بڑے ہال میں داخل ہونے کے لئے دروازہ کی طرف بڑھی جس میں صبح کے وقت اس کی والدہ مہارانی بیٹھا کرتی تھی۔

اس نے مہاراجہ اور مہارانی کی باتیں کرنے کی آواز سنی۔ وہ ٹھٹک گئی اور واپس جانے کا خیال ہی کر رہی تھی کہ اس نے اپنے متعلق ذکر ہوتے سنا، وہ کھڑی رہ گئی۔ مہاراجہ کہہ رہے تھے:

''چندر موہنی کا راز سوائے چند آدمیوں کے اور کسی کو معلوم نہیں ہے لیکن حیرت ہے کہ سلطان محمود کو کیسے معلوم ہو گیا؟''

مہارانی: ''مجھے بھی یہی تعجب ہو رہا ہے۔''

مہاراجہ: ''میرے خیال میں سومنات کے اندر کوئی ایسا شخص ہے جو ہماری جاسوسی کر رہا ہے اور سلطان کو اس نے خبر دی ہے۔''

مہارانی: ''یہ تو یقینی بات ہے لیکن دیکھنا ہے کہ ایسا کون شخص ہو سکتا ہے۔''

مہاراجہ: ''کوئی ہمارا ہی ہم قوم ہے۔ شاید سلطان محمود نے اسے رشوت دی ہو۔''

مہارانی: ''یا اس نے سلطان محمود سے کوئی معاہدہ کر لیا ہو۔''

مہاراجہ: ''ہاں ہو سکتا ہے۔ میں نے بہت سی راتیں اس غور و خوض میں گزار دی ہیں لیکن اس معمہ کو

حل نہیں کر سکا۔ یہ راز مجھے، تمہیں، دھرمپال اور شوبھا دیوی چار آدمیوں ہی کو معلوم ہے اور یہ امید نہیں کہ ان چاروں میں سے کوئی بھی اس راز کو ظاہر کر سکتا لیکن بارہ چودہ سال کے بعد......"

مہارانی نے جلدی سے کہا:

"ٹھہرو کوئی آرہا ہے.................."

دراصل چندر موہنی کا ہاتھ غلطی سے دروازہ کے کواڑوں پر پڑ گیا۔ جس سے کھٹکا ہوا اور مہاراجہ اور مہارانی دونوں خاموش ہو کر دروازہ کی طرف دیکھنے لگے۔

چندر موہنی متاسف ہو کر کھڑی رہ گئی۔ مہارانی نے پوچھا:

"کون ہے؟"

اب چندر موہنی کو مناسب نہ معلوم ہوا کہ وہ چوروں کی طرح کھڑی رہے۔ وہ کمرہ میں داخل ہوئی۔ مہاراجہ اور مہارانی دونوں اسے دیکھ کر خوش ہوئے۔ دونوں کے چہروں پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ مہارانی نے کہا:

"آؤ بیٹی!!"

مہاراجہ نے نادانستگی میں بے ساختہ پن سے کہا:

"آؤ نور چشمی اس وقت ہم دونوں تمہارا ہی ذکر کر رہے تھے۔"

چندر موہنی نے بڑھ کر دونوں کے پیر چھوئے اور ان کے برابر زرنگار گدیلہ پر جا بیٹھی اور ترنم خیز لہجہ میں بولی:

"میرا کیا ذکر ہو رہا تھا؟ پتا جی.................."

مہارانی نے معنی خیز نگاہوں سے مہاراجہ کو دیکھا۔ مہاراجہ نے کہا:

"یہی ذکر کہ تو آج اس وقت تک کیوں نہیں آئی۔"

چندر موہنی نے بچپن کے پیار بھرے لہجہ میں کہا:

"کچھ اور بھی.................. ذکر تھا پتا جی۔"

مہاراجہ: "اور ذکر یہ تھا کہ معلوم ہوا ہے کہ سلطان محمود تجھے حاصل کرنے کے لئے یہاں آیا ہے۔"

مہارانی نے جلدی سے کہا:

"یہ کیا کہنے لگے آپ؟"

مہاراجہ نے اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے کہا:

"جو بات میں نہ کہنا چاہتا تھا، وہ آج نادانستگی سے نکل ہی گئی حالانکہ کئی مرتبہ ایسا کہ جب

چندر موہنی میرے سامنے آئی میرے دل نے تقاضا کیا کہ میں اسے یہ بات بتا دوں لیکن ہر مرتبہ ضبط کر گیا۔ مگر آج کہہ ڈالی۔"

چندر موہنی نے مصنوعی تعجب سے کہا:

"سلطان محمود مجھے حاصل کرنے کے لئے یہاں آیا ہے؟"

مہاراجہ: "ہاں!!اس کی ایک چٹھی بھی اس کے متعلق آ چکی ہے۔ اس نے صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ اگر نوشابہ......... چندر موہنی اسے دے دی جائے تو وہ واپس لوٹ جائے گا۔"

چندر موہنی نے معصوم نگاہوں سے مہاراجہ کو دیکھ کر کہا:

"لیکن پتا جی................"

مہاراجہ نے پدرانہ محبت بھرے لہجہ میں کہا:

"اطمینان رکھو نور چشمی!! میں اپنی زندگی میں کبھی تجھے اس کے حوالہ نہ کروں گا۔"

چندر موہنی نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا:

"لیکن پتا جی!! ایک میری قربانی سے ملک اور قوم کے اوپر سے آفت ٹل جائے تو مجھے بھینٹ.......... چڑھا دیجئے.........."

مہاراجہ اور مہارانی دونوں اس کا یہ ایثار دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ مہارانی نے اس کی چاند سی پیشانی چوم کر کہا:

"میں اپنی بیٹی کا بلیدان (قربانی) کبھی نہ ہونے دوں گی۔"

چندر موہنی: "مگر سوچئے، ملک تباہی کے کنارہ پر کھڑا ہے، قوم کی کشتی منجدھار میں آ گئی ہے۔ ملیچھ سلطان محمود اپنی ضد پر ڈٹا ہوا ہے۔ ایک ہی دن کی جنگ میں سینکڑوں استریاں (عورتیں) ودھوا (بیوہ) ہو گئی ہیں۔ سینکڑوں بالک (بچے) یتیم ہو گئے ہیں، کل ایشور جانے کیا ہو۔"

مہاراجہ: "فکر نہ کر بیٹی!! ہزاروں نہیں لاکھوں راجپوت ملک اور قوم پر قربان ہونے کے لئے میرے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے ہیں۔ راجپوتوں کی آن دنیا میں مشہور ہے، میں بھی راجپوت ہوں۔ میں ہرگز بھی یہ ذلت گوارا نہیں کر سکتا کہ تجھے سلطان محمود کے حوالہ کروں۔"

چندر موہنی: "مگر ایشور نہ کرے ہمارے لشکر کو شکست............ ہو گئی تو............"

مہاراجہ: "تو ہم سب وہ کریں گے جو ہمارے بزرگ کرتے چلے آئے ہیں۔"

راجپوتوں میں یہ رسم تھی کہ جب وہ یہ دیکھتے تھے کہ فتح کی امید کم ہے تو اپنی عورتوں اور معصوم لڑکیوں کو زندہ آگ میں جلا ڈالتے تھے اور خود لڑ کر مر جاتے تھے۔ ستی کی ایک دوسری رسم بھی جاری تھی۔

وہ یہ تھی کہ جب کسی عورت کا شوہر مر جاتا تھا تو بیوہ کو شوہر کی لاش کے ساتھ ہی عروسی لباس اور زیورات پہنا کر زندہ آگ میں جلا ڈالا جاتا تھا۔

چندر موہنی: ''یعنی ....؟''

مہاراجہ: ''یعنی تمام راجپوتنیاں ستی ہو جائیں گی اور سارے راجپوت لڑ کر مر جائیں گے''

چندر موہنی: ''سوچئے کس قدر ہولناک منظر ہوگا وہ۔''

مہاراجہ: ''بہادروں کی شان یہی ہے بیٹی!! کہ مر جائیں لیکن اپنی خاندانی عظمت اور اپنی آن پر دھبہ نہ لگنے دیں۔''

چندر موہنی: ''لیکن پتا جی!! آخر سلطان محمود مجھے کیوں طلب کرتا ہے؟''

مہاراجہ: ''یہ ایک راز ....''

مہارانی نے جلدی ٹوکتے ہوئے کہا:

''کیسا راز ....؟''

مہاراجہ اپنی غلطی پر متنبہ ہوئے۔

انہوں نے سنبھل کر کہا:

''راز کیا، یہ مسلمان بادشاہ اچھے خیالات کے نہیں ہوتے۔ بیٹی تُو ان باتوں کو ابھی نہیں جانتی۔''

چندر موہنی سمجھ گئی کہ مہاراجہ راز کا ذکر کر کے اسے ظاہر کر دینا چاہتے تھے لیکن مہارانی نے بروقت ٹوک کر انہیں منع کر دیا۔

اسے محسوس ہوا کہ مہارانی نہیں چاہتیں کہ یہ راز ظاہر ہو حالانکہ وہ چاہتی تھی کہ کسی طرح راز کا پردہ اٹھ جائے اور اسے معلوم ہو جائے کہ دراصل وہ کون ہے اور کیوں سلطان محمود اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

لیکن اس کی الجھن میں کمی نہ ہوئی بلکہ اور اضافہ ہو گیا۔ کیونکہ یہ تیسرا موقع تھا کہ جو اس کے پتا مہاراجہ سومنات نے بھی اسے بتا دیا کہ سلطان محض اسے حاصل کرنے کے لئے جنگ کر رہا ہے۔

مہارانی نے کہا:

''جاؤ بیٹی!! اب تم باغیچہ میں سیر کر آؤ۔''

چندر موہنی بھی یہ سمجھ گئی کہ اب مزید اصرار فضول ہے اسے راز کے متعلق کچھ نہ بتایا جائے گا، اُٹھی اور پرنام (ہاتھ جوڑ کر سلام کرنا) کر کے چل کھڑی ہوئی۔

فرزندانِ توحید کی جرأت:

جب صبح ہوئی تو سلطان محمود کو معلوم ہوگیا کہ رات کو برہان کی ہوشیاری سے نہ صرف ڈھائی سو راجپوتوں کو ٹھکانے لگا دیا گیا بلکہ بہت سی کشتیاں بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی ہیں۔ اب ان کشتیوں کے ذریعہ سے ساحلِ سمندر پر حملہ کر کے سب سے پہلے بندرگاہ پر قبضہ کر لینا چاہیے۔

چنانچہ انہوں نے التونتاش اور امیر علی خویشاوند سے مشورہ کیا تو دونوں افسروں نے سرِ دست بندرگاہ پر حملہ کرنے کی تائید نہیں کی بلکہ قلعہ ہی پر یورش کرنے کی ترغیب دی۔

سلطان نے بھی ان کی رائے تسلیم کر لی اور ان دونوں افسروں کو آج پھر قلعہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ التونتاش اور امیر علی دونوں اپنے اپنے دستوں کو لے کر آہستہ آہستہ قلعے کی طرف بڑھے۔

راجپوت اسی وقت سے جب سے مسلمانوں نے صبح کی نماز پڑھی تھی، فصیل پر کھڑے ان کی نقل و حرکت کا بغور معائنہ کر رہے تھے۔

تمام بڑے بڑے افسران برجوں میں آ بیٹھے تھے۔ دھرمپال اور چند دیگر راجے اور سکھدیو بھی اسی برج میں آ کر بیٹھ گئے تھے۔ دھرمپال نے کہا:

''میرے خیال میں کل دن بھر مسلمان کچھ تیاریاں کرتے رہے ہیں اور آج قلعہ پر حملہ کا کوئی نیا طریقہ استعمال کریں گے۔''

مہاراجہ: ''خیال تو میرا بھی یہی ہے۔ مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ ہماری سپاہ اور ہمارے افسر مسلمانوں کے برابر جفاکش، مستقل مزاج، نڈر اور بہادر نہیں ہیں۔ کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ راجپوتوں کی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے اور پھر ہم محصور ہیں، میدان میں نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔''

دھرمپال: ''مسلمان ایسی قوم نہیں ہے جس کا مقابلہ آسان ہو۔ اس قوم میں جہاد یعنی لڑائی بھی ثواب میں داخل ہے۔ سنا ہے کہ ہوشمند مسلمان پر نماز کسی وقت بھی معاف نہیں ہے لیکن لڑائی کے وقت نماز بھی معاف ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ موت کا وقت اور جگہ سب اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دی ہے جو اپنے وقت پر اور اپنی جگہ ضرور آئے گی۔ کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی اور جس کی موت نہیں ہے کوئی اسے مار نہیں سکتا۔

اس لئے مسلمان دلیری سے لڑتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ اگر ان کی موت آگئی ہے تو رُکے گی نہیں اور اگر موت کا وقت ابھی نہیں آیا ہے تو وہ مریں گے نہیں بلکہ ماریں گے۔ اس پر ان کا یہ خیال کہ جنگ میں

شہید ہو گئے تو ان کے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔ انہیں مکتی (نجات) مل جائے گی اور وہ سورگ (فردوس) میں داخل ہو جائیں گے اور اگر زندہ رہے تو سب سے زیادہ ثواب کے مستحق ہوں گے اور غازی کہلائیں گے۔

''اس کے برعکس ہم ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ انسان نے جو کچھ کیا ہے اُس کی سزا ضرور پائے گا۔ خواہ کوئی کام کیسا بھی کیا جائے لیکن کرموں کی سزا ضرور ملے گی۔ ایشور ہرگز معاف نہ کرے گا اور یہ سزا مختلف جونوں میں داخل ہو کر پیدا ہونے اور مرنے کے ذریعے سے ملے گی۔ ہماری جنگ مذہبی جنگ نہیں ہے کیونکہ لڑ کر مرنے سے بھی ہمارے اعمالوں میں تخفیف نہ ہو گی۔ اس لئے ہم لڑنے سے جی چراتے ہیں اور مسلمان بے دھڑک ہو کر لڑتے ہیں۔''

مہاراجہ: ''آپ نے درست فرمایا۔ لیکن کیا یہ ہمارے مذہب میں خامیاں ہیں؟''

دھرمپال: ''جب دانش مند لوگ غور فکر کرتے ہیں تو انہیں خامیاں ضرور نظر آتی ہیں لیکن اس وقت اس ذکر کو جانے دیجئے۔ دیکھئے وہ مسلمانوں نے یلغار شروع کر دی!''

سب کی نگاہیں میدانِ جنگ کی طرف اٹھ گئیں۔ مسلمان نہایت ضبط و نظام کے ساتھ قلعہ کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔ راجپوت فصیل پر کھڑے انہیں بڑھتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

جب مسلمان زیادہ قریب آ گئے تو دفعتاً راجپوتوں نے شور کرنا شروع کیا۔ ان کے غل مچانے سے سومنات کے قلعہ، شہر اور مندر والوں کو معلوم ہو گیا کہ آج پھر مسلمان نے یورش کی ہے۔

پرامن شہری لوگ ہر حملہ کے وقت خوف و دہشت سے کانپنے لگتے۔ ان کا بیم دہراس اس وجہ سے اور بڑھ جاتا تھا کہ انہیں راجپوتوں کی بہادری پر اطمینان نہیں تھا۔

اطمینان کیسے ہوتا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ راجپوت مسلمانوں سے چھ گنا ہیں یعنی ایک مسلمان کے مقابلہ میں چھ راجپوت ہیں اور پھر ان میں اس قدر جرأت نہیں ہے کہ قلعہ سے باہر نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کر کے انہیں شکست دے کر بھگا دیں۔

راجپوت اتنا ٹڈی دل لشکر ہوتے ہوئے بھی محصور ہیں۔ یہی بے اطمینانی اور یہی خوف کی وجہ تھی۔ انہیں خیال ہی نہیں بلکہ یقین تھا کہ اگر کسی طرح سے مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے تو راجپوتوں کا صفایا کر ڈالیں گے اور جب قلعہ پر ان کا قبضہ ہو گیا تو شہر اور مندر کو فتح کر لینا کیا مشکل ہے۔

راجپوت شور و غل کر رہے تھے اور مسلمان آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔ جب وہ اتنے قریب قلعہ کے پہنچ گئے کہ تیروں کی باڑھ فصیل والوں پر مار سکیں تو رُک گئے اور انہوں نے جلدی جلدی کمانیں شانوں پر سے اتار کر ہاتھوں میں لیں۔ ترکشوں سے تیر نکال کر کمانوں میں چڑھائے اور

چلائے۔ دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوا جیسے سارے تیر ایک ہی کمان سے نکلے ہوں۔

راجپوت فصیل کی چہار دیواری سے لگے کھڑے چلا رہے تھے۔ جوں ہی انہوں تیروں کی باڑھ آتے دیکھی فوراً جھک گئے۔ جو جھک گئے وہ تو بچ گئے لیکن جو اَجل رسیدہ کھڑے رہ گئے تیران کی پیشانیوں اور چہروں میں آ کر پیوست ہو گئے۔

انہوں نے خوف ناک چیخیں ماریں اور الٹ کر گر گرے۔ کچھ راجپوت تو زخمیوں کو اٹھانے میں مصروف ہوئے، کچھ فلاخنوں میں سنگریزے رکھ رکھ کر سنگباری کرنے لگے۔

راجپوتوں نے جوش اور غصہ میں آ کر نہایت پھرتی اور بڑی قوت سے سنگ اندازی شروع کر دی۔

آج مسلمان ایک ہی جگہ جمے تھے۔ پتھروں کو روکتے اور تیروں کی باڑھیں مارتے رہے۔ دیر تک یہی سلسلہ جاری رہا۔

پتھروں اور تیروں سے راجپوت اور مسلمان دونوں ہی زخمی ہوتے رہے لیکن پتھر مسلمانوں کو اس قدر نقصان نہیں پہنچا رہے تھے جس قدر تیر راجپوتوں میں حشر انگیزی کر رہے تھے۔

شروع میں تو مسلمانوں کے لشکر کی اگلی صفیں ہی تیر باری کرتی رہیں لیکن رفتہ رفتہ اور صفوں نے بھی تیر برسانے شروع کر دیئے اور کچھ ایسے پھرتی اور اس کثرت سے تیر افگنی کی کہ راجپوتوں کو فصیل پر کھڑا ہونا یا فصیل کی چار دیواری سے سر اُبھارنا مشکل ہو گیا۔

جو شخص ذرا بھی سر اونچا کرتا تھا تیر اس کے سر میں ترازو ہو جاتا تھا۔ تمام راجپوت بیٹھ گئے۔ مسلمانوں کو یہ اچھا موقع مل گیا۔ وہ تیزی سے بڑھ کر فصیل کے نیچے پہنچ گئے۔

لیکن کچھ مسلمان فصیل سے فاصلہ پر کھڑے برابر تیر برساتے رہے اور انہوں نے راجپوتوں کو اتنا موقع ہی نہ دیا کہ وہ سر ابھار کر یہ دیکھ لیتے کہ مسلمان فصیل کے نیچے پہنچ گئے ہیں۔

آج مسلمان ریشم کی مضبوط کمندیں اور ریشمی رسوں کی سیڑھیاں بھی اپنے ساتھ لائے تھے۔

وہ فصیل کی دیوار کے نیچے ہی نیچے پھیل گئے اور متعدد سواروں نے گھوڑوں پر کھڑے ہو ہو کر کمندیں اور سیڑھیاں فصیل پر پھینکیں۔

چونکہ فصیل کی دیوار میں کنگورے نکلے ہوئے تھے اس لئے کئی کمندیں اور کئی سیڑھیاں کنگوروں میں پھنس گئیں اور جانباز مسلمانوں نے ڈھالیں سروں پر رکھ کر اور تلواریں منہ میں دبا کر کمندوں اور سیڑھیوں کے ذریعہ سے اوپر چڑھنا شروع کیا۔

راجپوتوں کو مسلمانوں کے سروں پر رکھی ہوئی سیاہ ڈھالیں فصیل کی دیوار سے ابھرتی ہوئی معلوم ہوئیں تو پہلے تو وہ انہیں دیکھ کر خوف زدہ ہوئے، بادی النظر میں سمجھ ہی نہ سکے کہ یہ کیا چیزیں ابھرتی چلی آرہی ہیں لیکن جب مسلمانوں کے چہرے نظر آئے تو نہایت شور سے چلائے: ''مسلمان ملیچھ! مسلمان ملیچھ!!''

جو مسلمان کنگوروں سے سر ابھار چکے تھے وہ جلدی سے فصیل پر کود گئے اور اس طرف کودتے ہی انہوں نے منہ میں سے تلواریں نکال کر ہاتھوں میں لیں اور سروں پر سے ڈھالیں اتار کر سنبھالیں اور نہایت شدت سے حملہ آور ہوئے۔

انہیں اس طرح فصیل پر کود کر حملہ کرتے ہوئے دیکھ کر راجپوتوں کو بھی جوش اور غصہ آ گیا۔ وہ بھی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور جنگ شروع ہوگئی۔ تلواریں نہایت پھرتی سے چلنے لگیں۔ کھٹا کھٹ کی آواز سے فصیل گونج اٹھی۔

مسلمانوں کی بہت تھوڑی تعداد فصیل پر پہنچی تھی۔ زیادہ سے زیادہ پچاس ساٹھ آدمی ہی پہنچنے پائے تھے کہ راجپوت پل پڑے اور انہوں نے یہ بھی کوشش کی سیڑھیوں اور کمندوں کو کاٹ ڈالیں تاکہ مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ ہی بند ہو جائے۔

ہزاروں راجپوتوں کے مقابلہ میں گنتی کے چند مسلمان ڈٹ گئے تھے اور شیروں کی طرح ادھر ادھر اور سامنے کی جانب جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے۔

انہوں نے جب یہ بات دیکھی کہ راجپوت کمندوں اور سیڑھیوں کو کاٹنا چاہتے ہیں تو وہ ان کی طرف جھپٹے اور نہایت پرجوش حملے کر کے انہیں مار کاٹ کر یا تو گرا دیا یا ڈرا دھمکا کر پیچھے ہٹا دیا۔

اگر کمندیں یا سیڑھیاں کاٹ ڈالی جاتیں تو وہ مسلمان جوان کے ذریعے سے چڑھے چلے آرہے تھے نیچے گر پڑتے اور چونکہ فصیل سطح زمین سے تقریباً پچاس ساٹھ فٹ بلند تھی اس لئے ان کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جاتیں۔

راجپوتوں کو پھر طرارہ آیا اور انہوں نے پھر پرجوش حملہ کر کے مسلمانوں کو دبانا اور پیچھے ہٹانا شروع کیا۔

مسلمان اپنی قوت و طاقت سے زیادہ جدوجہد سے لڑ رہے تھے۔ وہ حملہ آوروں کو پیچھے ہٹانے یا مار ڈالنے کے لئے نہایت پرزور حملے کر رہے تھے۔ ان کی تلواریں راجپوتوں کو برابر کاٹ رہی تھیں۔ لیکن افسوس، ان کی تعداد بہت ہی کم تھی۔ اتنی کم کہ آٹے میں نمک کی مثال بھی نہیں کہی جا سکتی۔

اور چونکہ ابھی تک چند ہی سیڑھیاں اور کمندیں کنگوروں میں آ کر پھنسی تھیں اس لئے

مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ بھی واجبی ہی تھا۔

اب بڑھتے بڑھتے وہ سویا ڈیڑھ سو کے قریب ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنی بے مثل جرأت سے راجپوتوں کو روک رکھا تھا اور ان کا مقابلہ نہایت دلیری سے کر رہے تھے۔

لیکن جبکہ ہزاروں راجپوت ان پر ٹوٹے پڑتے تھے اور ہر طرف سے ان پر تلواروں کا مینہ برس رہا تھا وہ کیا بہادری دکھا سکتے تھے۔ پھر بھی کمال جوش و جرأت سے لڑ رہے تھے۔ انہوں نے پانچ سو راجپوتوں کو ہلاک کر ڈالا اور آٹھ سو کے قریب زخمی کر دیئے تھے۔

مسلمانوں میں سے بھی اکثر شدید طور پر مجروح ہو گئے تھے اور وہ اس قابل ہی نہ رہے تھے کہ تلواریں چلانا تو درکنار حملے بھی روک سکیں۔ ان میں سے کئی تو بیٹھ گئے تھے، کئی گر پڑے تھے اور کئی شہید ہو گئے تھے۔

اگر مسلمان زیادہ تعداد میں فصیل پر پہنچ جاتے تو قلعہ فتح ہو ہی گیا تھا لیکن کوئی ذریعہ مسلمانوں کی تعدادِ کثیر کے پہنچنے کا نہ تھا۔ اس لئے جو مسلمان فصیل پر پہنچ گئے تھے وہ سب زخمی ہو گئے تھے اور جو دو دو چار چار پہنچتے جاتے تھے وہ بھی زخمی ہوتے جاتے تھے۔

راجپوتوں کو یہ دیکھ دیکھ کر بڑی حرارت آ رہی تھی کہ گنتی کے چند مسلمان بھی ان کے قابو میں نہ آتے تھے اور پر جوش حملے کر کے انہیں بے دریغ قتل کر رہے تھے۔

آخر انہوں نے جوش میں آ کر حملہ کیا۔ اگرچہ مسلمانوں نے ان کا حملہ روکنے میں پوری قوت صرف کر دی لیکن ہزاروں راجپوتوں کے مقابلہ میں ان کی ایک بھی نہ چلی اور وہ پسپا ہو کر فصیل کی دیوار سے جا لگے۔

یہ خیال ہو گیا تھا کہ مسلمان عنقریب قتل کر ڈالے جائیں گے لیکن انہیں بھی طرارہ آ گیا اور انہوں نے غضب ناک شیروں کی طرح بڑھ کر ایک پر جوش حملہ کر کے بہت سے راجپوتوں کو مار ڈالا۔

مگر راجپوتوں نے بھی جوابی حملہ کر کے مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ کچھ مسلمان مقابلہ کی تاب نہ لا کر کمندوں اور سیڑھیوں کے ذریعہ سے نیچے کود گئے۔

اس معرکے میں تقریباً ڈیڑھ سو مسلمان شہید ہو گئے اور راجپوت سترہ سو کے قریب مارے گئے اور دو ہزار کے قریب زخمی ہو گئے۔

شام کے وقت یہ مہم ناکامی پر ختم ہو گئی اور مسلمان واپس لوٹ گئے۔

باب ۱۷

پُراسرار سیاہ پوش

چندر موہنی نے ایک دو سے نہیں متعدد افراد سے یہ بات سنی تھی کہ اس کی ذات سے کوئی راز وابستہ ہے لیکن کوئی بھی اس راز کو بتانے پر آمادہ نہ ہوا۔ اگر شو بھا دیوی۔ نے انکشاف کا ارادہ بھی کیا تو ایسا اتفاق پیش آیا کہ وہ ظاہر نہ کرسکی۔

چندر موہنی کی الجھن بڑھتی جاتی تھی۔ خصوصاً اس وقت سے اس کی حیرت اور بھی بڑھ گئی تھی جب سے اس نے یہ سنا تھا کہ سلطان محمود محض اس کی ہی وجہ سے سومنات پر حملہ آور ہوئے ہیں۔

چند روز سے کامنی چندر موہنی کی خدمت میں زیادہ حاضر باش رہنے لگی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ پچھلی غلطیوں کی تلافی کر رہی ہے۔

مگر چندر موہنی اس کی طرف سے کچھ کھٹکی ہوئی تھی۔ دھرمپال کا یہ کہنا اس کو ذہن نشین ہو گیا تھا کہ کامنی اور سکھد یو دونوں سے ہوشیار رہے اس لئے وہ اس سے ہوشیار رہتی تھی۔ اگر چہ کامنی نے کوئی ایسی حرکت نہ کی تھی جس سے چندر موہنی کو مزید شبہ ہوتا لیکن پھر بھی وہ اس کی طرف سے مشکوک تھی۔

ایک روز دن چھپے کے قریب کامنی اور چندر موہنی دونوں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں کہ کامنی نے کہا:

''راجکماری تم نے ایک نئی بات بھی سنی ہے؟''

چندر موہنی نے کہا:

''جب سے یہ ملیچھ سومنات کا محاصرہ کئے پڑے ہیں اس وقت سے نت نئی باتیں سننے میں آتی ہیں لیکن میں تو سمجھتی ہوں یہ زیادہ تر افواہیں ہوتی ہیں۔''

کامنی: ''میں نے بھی اس افواہ کو افواہ ہی سمجھا تھا لیکن رات اس کی تصدیق ہو گئی۔''

چندر موہنی: ''کیا؟''

کامنی: ''جب مسلمان فصیل پر چڑھ آئے تھے، سنا تھا کچھ لوگ چھپ کر قلعہ میں رہ گئے............''

چندر موہنی نے حیرت بھری نظروں سے کامنی کو دیکھتے ہوئے کہا:

''یہ کیسے ممکن ہے؟''

کامنی: ''جب میں نے سنا تھا تو مجھے بھی اس کا یقین نہیں آیا تھا۔لیکن............''

چندر موہنی: ''لیکن کیا؟''

کامنی: ''اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین کرنا پڑا۔''

چندر موہنی: ''تم نے کیا دیکھا؟''

کامنی: ''رات میں تمہارے پاس آ رہی تھی، چاندنی کھلی ہوئی تھی۔ مجھے ایک سیاہ پوش نظر آیا......''

چندر موہنی: ''سیاہ پوش؟''

کامنی: ''جی ہاں!! سر سے پاؤں تک سیاہ لبادہ میں لپٹا ہوا تھا۔ میں نے سنا تھا کہ جو مسلمان قلعہ میں رہ گئے ہیں وہ سیاہ لباس میں ملبوس ہیں اور اندھیری رات میں گھومتے ہیں۔''

چندر موہنی: ''لیکن اس سے ان کی منشاء کیا ہے؟''

کامنی: ''ان کی منشاء تم نے اب تک نہیں سمجھا؟''

چندر موہنی: ''میں نے تو یہ افواہ ہی اس وقت تم سے سنی ہے۔''

کامنی: ''میں نے خیال کیا تھا کہ جس طرح یہ افواہ میں نے اور دوسری لڑکیوں سے سنی ہے تم نے بھی سن لی ہوگی۔''

چندر موہنی: ''مجھ سے آج تک بھی کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا۔''

کامنی: ''شاید اس وجہ سے نہ کیا ہو کہ مہاراجہ نے سب کو منع کر دیا تھا۔''

چندر موہنی: ''لیکن یہ ممانعت کیوں کی گئی؟''

کامنی: ''اس لئے کہ تم خوف زدہ نہ ہو جاؤ۔''

چندر موہنی: ''کیا ان سیاہ پوش مسلمانوں کا تعلق بھی میری ذات سے ہے؟''

کامنی: ''جی ہاں، سنا یہ ہے کہ وہ تمہیں رات کو اٹھا لے جانا چاہتے ہیں۔''

یہ بات سن کر چندر موہنی کچھ متفکر ہو گئی۔ اس نے کچھ وقفہ کے بعد کہا:

''مگر کیا مسلمان ایسی جرأت کر سکتے ہیں؟''

کامنی: ''ان سے کوئی بات بعید نہیں ہے۔''

چندر موہنی: ''اچھا جب تم نے اس سیاہ پوش کو دیکھا تو..............''

کامنی: ''میں ڈر گئی اور مجھ پر کچھ ایسا خوف طاری ہوا کہ گلا خشک ہو گیا۔ آواز نہ نکل سکی۔ جسم میں تھرتھری پڑ گئی۔''

اس وقت دو اور لڑکیاں بھی آ گئیں۔ ان میں سے ایک نے کہا:

''تم شاید سیاہ پوش مسلمان کا ذکر کر رہی ہو؟''

کامنی: ''ہاں! تم نے بھی اس کے متعلق کچھ سنا ہے؟''

وہی لڑکی: ''آدھی رات تک مختلف اوقات میں دیکھا گیا تھا، نہایت دراز قد انسان تھا۔''

کامنی: ''بالکل سچ ہے۔ پہلی نظر میں تو میں اسے بھوت ہی سمجھی تھی۔''

وہی لڑکی: ''سب نے اسے بھوت ہی سمجھا تھا۔ جب میں نے دن میں سنا تو خوف کی تھرتھری میرے جسم میں دوڑ گئی اور تم نے رات کے وقت اسے دیکھا تھا؟''

کامنی: ''اور اس وقت جب کہ میں تنہا تھی۔''

چندر موہنی: ''تم نے اسے کس طرف جاتے دیکھا تھا؟''

کامنی: ''اس نے شاید میرے پیروں کی چاپ سن لی تھی کیونکہ وہ میری طرف گھوما۔ سیاہ نقاب سے اس کا چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔ میں خوف و دہشت سے لرز گئی۔ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ جھپٹ کر مجھ پر حملہ کرنے والا ہے۔ میری آنکھیں بند ہو گئیں اور جب کچھ وقفہ کے بعد ڈرتے ڈرتے میں نے آنکھ کھولیں تو وہ غائب ہو چکا تھا۔''

چندر موہنی: ''کاش تم غل مچا دیتی!''

کامنی: ''اتنی ہمت اور طاقت ہی بدن میں باقی نہ رہی تھی۔''

ایک لڑکی: ''لیکن ان مسلمانوں کی جرأت تو دیکھو قلعہ کے اندر چھپے ہوئے ہیں۔ دن میں ایشور جانے کہاں رہتے ہیں رات کو نکل آتے ہیں۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ کھاتے کیا ہیں اور کہاں سے کھانے کے لئے لاتے ہیں۔''

کامنی: ''جب میں نے اس افواہ کو سنا تھا تو مجھے یقین نہیں آیا تھا لیکن رات کو جب سے دیکھا ہے بڑا خوف پیدا ہو گیا ہے۔ معلوم نہیں مہاراجہ اور مہارانی نے کیا انتظام کیا ہے۔''

دوسری لڑکی: ''سنا ہے خاموشی سے انتظام کیا جا رہا ہے۔ چونکہ انہیں خیال ہے کہ کہیں راجکماری ڈر نہ جائیں، اس لئے انہوں نے سب کو ہدایت کر دی ہے کہ راجکماری سے اس کا ذکر نہ کیا جائے۔''

کامنی: ''میں نے یہ ذکر اس لیے کیا ہے کہ راجکماری رات کو ہوشیار رہا کریں۔ دشمن ان کی تاک

میں ہے اور انوا اس کے اندر موجود ہے۔"

اس وقت دن چھپ گیا تھا اور کنیزوں نے تمام کمروں اور سارے صحن میں روشنی کر دی تھی۔

چندر موہنی نشست گاہ کے کمرے میں بیٹھی تھی۔ اس کے دل پر سیاہ پوشوں کی ہیبت چھانے لگی۔ اس نے کہا:

"لیکن سیاہ پوش مجھے لے کر قلعہ سے باہر نہیں نکل سکتے۔"

کامنی: "اس بھروسہ پر نہ رہنا۔ جس طرح وہ کمندیں اور ریشم کی ڈور کی سیڑھیاں قلعہ کے کنگوروں میں اٹکا کر نیچے سے اوپر آئے تھے اسی طرح اوپر سے نیچے جانے میں کون سی بات مانع ہو سکتی ہے۔"

دوسری لڑکی: "یہ مسلمان بڑے چنڈال ہیں۔ ان کی ساری باتیں حیرت ناک ہیں۔ اب یہی بات کیا کچھ کم تعجب خیز ہے کہ وہ قلعہ کے اندر موجود ہیں اور کسی کے ہاتھ نہیں آتے۔"

اس وقت ایک خادمہ آئی، اس نے کہا:

"راجکماری جی!! آپ کو مہارانی یاد فرما رہی ہیں۔"

چندر موہنی: "میں خود ان سے ملنا چاہتی تھی، چلو۔"

چندر موہنی اٹھی۔ کامنی نے التجائی نگاہوں سے اسے دیکھ کر کہا:

"کہیں سیاہ پوشوں کا ذکر ان سے نہ کر دیجیے گا۔"

چندر موہنی: "یہ ذکر تو میں ضرور کروں گی لیکن تم میں سے کسی کا نام نہ لوں گی۔"

کامنی: "ہاں!! .... لیکن بہتر تو یہی تھا کہ ذکر نہ کرتیں مگر خیر ذکر بھی کیجیے تو کسی کا نام نہ لیجیے گا ورنہ ہم سب پر عتاب نازل ہو جائے گا۔"

چندر موہنی: "اطمینان رکھو میں کسی کا نام نہ لوں گی۔"

چندر موہنی چلی اور کنیزوں کے جھرمٹ میں مہارانی کے پاس پہنچی۔ اس نے حسبِ دستور دونوں ہاتھ جوڑ کر مہارانی کے پیر چھوئے۔ مہارانی نے خوش ہو کر اسے دعا دی اور اپنے پاس بٹھا کر کہا:

"آج نہ معلوم کیوں میری طبیعت پریشان ہے جیسے کوئی افتاد پڑنے والی ہے۔ جی چاہتا ہے تجھے آج خوب جی بھر کے پیار کروں۔"

یہ کہتے ہی اس نے چندر موہنی کو اپنی آغوش میں کھینچ کر اس کی پیشانی چومی۔ چندر موہنی نے کہا:

"ماتا جی!! آپ نے بھی سیاہ پوش مسلمانوں کا تذکرہ سنا ہے؟"

مہارانی کے چہرہ سے فکر و تشویش کی علامتیں ظاہر ہوئیں۔ اس نے پوچھا:

''کیا تو نے بھی کچھ سنا؟''

چندر موہنی: ''جی ہاں!! سنا ہے مگر مجھے یقین نہیں آیا۔''

مہارانی: ''ایسی افواہوں پر یقین نہیں کرنا چاہیے۔ مگر تجھ سے کس نے کہا؟''

چندر موہنی: ''میرے خیال میں انواس کی تمام کنیزوں کو یہ بات معلوم ہے..........''

مہارانی: ''عورتیں پیٹ کی ہلکی ہوتی ہیں وہ کسی بات کو سن کر ضبط نہیں کر سکتیں۔ بیٹی! سُنا تو میں نے بھی ہے مگر دیکھا نہیں اس لئے میں اس افواہ کا یقین نہیں کرتی، تُو بھی یقین نہ کر۔''

چندر موہنی سمجھ گئی کہ ضرور اس افواہ کی اصلیت ہے۔ اس نے کہا:

''آپ کنیزوں کو ہدایت کر دیجئے کہ رات کو زیادہ ہوشیار اور خبر دار رہیں۔''

مہارانی: ''میں نے پہلے ہی سے ہدایت کر دی ہے۔ ساری رات پہرہ رہتا ہے۔ دس، دس اور پندرہ، پندرہ کنیزوں کے غول بنا دیئے گئے ہیں اور وہ ہر کمرہ، ہر برآمدہ اور صحن کے ہر گوشہ میں گھومتی رہتی ہیں۔''

چندر موہنی: ''تب تو کوئی اندیشہ نہیں ہے۔''

مہارانی: ''فکر نہ کر بیٹی!!! اندیشہ کیا ہونا ہے۔''

کچھ ادھر ادھر کی باتیں کر کے چندر موہنی اپنے کمرہ میں آئی۔ چونکہ کھانے کا وقت ہو گیا تھا اس لئے وہ اس کمرہ میں پہنچی جہاں کھانا کھایا کرتی تھی۔ کھانا کھا کر باغیچہ میں نکل گئی اور چاندنی رات میں روشوں پر گھومنے لگی۔ اس کے ساتھ اس وقت بھی پندرہ بیس کنیزیں اور سہیلیاں تھیں۔

وہ کچھ دیر چہل قدمی کرنے کے بعد واپس آئی اور خواب گاہ میں چلی گئی۔ کنیزوں نے شب خوابی کا لباس پہنایا اور وہ بستر پر دراز ہو گئی۔

روزانہ وہ رات کو پڑتے ہی سو جایا کرتی تھی لیکن آج اس نے کچھ ایسی باتیں سنی تھیں جس سے طبیعت یکسو نہ تھی۔ اسے نیند نہ آئی اور وہ دیر تک پڑی کروٹیں بدلتی رہی۔

اسے رہ رہ کر یہ خیال آ رہا تھا کہ کہیں سیاہ پوش اسے اٹھا کر نہ لے جائیں۔ اسی خیال نے اس کی نیند اڑا دی تھی۔

لیکن آخر رفتہ رفتہ اسے نیند آنے لگی اور اس کی ہوش ربا آنکھیں بند ہونے لگیں۔ تقریباً نصف شب گزرنے پر وہ غافل ہو کر سو گئی۔

نہ معلوم کتنی دیر سوئی ہو گی کہ دفعتاً اس کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو ایک سیاہ پوش اس کے اوپر جھکا ہوا تھا۔ خوف و دہشت سے اس کے جسم میں تھر تھری پیدا ہو گئی۔ آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں۔

کمرہ میں اس وقت بھی خاصی روشنی ہو رہی تھی اور روشنی ہی میں اس نے سیاہ پوش کو اپنے اوپر جھکے ہوئے دیکھا تھا۔ اسے حوصلہ نہ ہوا کہ وہ حرکت کرے یا غل مچائے۔

اسے سیاہ پوش کی مضبوط گرفت اپنے جسم پر محسوس ہوئی جیسے وہ اسے اپنی گود میں اٹھا رہا ہو۔ اس نے ہلکی سی چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئی۔

مہارانی کا اضطراب:

صبح کو جب چندر موہنی کی کنیزیں بیدار ہوئیں تو حسبِ معمول خواب گاہ کے باہر کھڑی ہو کر انتظار کرنے لگیں کہ کب راجکماری بیدار ہو کر انہیں طلب کرتی ہے۔ وہ نہایت خاموشی سے کھڑی تھیں۔

آفتاب طلوع ہونے سے قبل چندر موہنی انہیں طلب کر لیا کرتی تھیں کیونکہ اس کا معمول تھا کہ اٹھتے ہی شب خوابی کا لباس اتار کر ضروریات سے فراغت کرنے جاتی تھی اور وہاں سے آ کے غسل کیا کرتی تھی۔

لیکن آج سورج نکل آیا تھا اور راجکماری نے ابھی تک انہیں طلب نہیں کیا تھا۔ چونکہ آج سے پہلے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا اس لئے تمام کنیزیں حیران ہو ہو کر ایک دوسری کا منہ تک رہی تھیں۔ گفتگو اس لئے نہ کر سکتی تھیں کہ کہیں راجکماری سو نہ رہی ہو اور ان کی آواز سن کر بیدار ہو جائے، جس سے وہ معتوب ہو جائیں۔

انہیں کھڑے کھڑے کئی گھنٹے گزر گئے۔ سورج کافی اوپر آ گیا اور دھوپ تمام قصر میں پھیل گئی۔ اب کنیزوں کی تشویش بڑھنے لگی۔ ان میں سے ایک نے کہا:

''کہیں نصیب دشمناں کچھ طبیعت تو خراب نہیں ہو گئی ہے۔''

دوسری بولی: ''ضرور کوئی خاص بات ہوئی ہے ورنہ اب تک وہ بیدار ہو گئی ہوتیں۔''

تیسری: ''کچھ کھٹکا کرنا چاہیے۔''

چوتھی: ''ممکن ہے رات کو دیر میں نیند آئی ہو اور اب تک استراحت فرما رہی ہوں۔''

پانچویں: ''لیکن ان کے مہارانی کو سلام کے لئے جانے کا وقت بھی ہو گیا ہے۔ اگر وہ ان کو سلام کو نہ گئیں تب کیا ہو گا؟''

چھٹی: ''لیکن ہم انہیں بیدار کرنے کی جرأت بھی تو نہیں کر سکتیں!''

غرض اس قسم کی گفتگو میں اور بھی وقت گزر گیا اور راجکماری نے انہیں اب بھی طلب نہ کیا۔

اب تمام کنیزوں کو فکر ہوا۔ اس وقت چند سہیلیاں وہاں آ گئیں۔ ان میں کامنی بھی تھی۔ کامنی نے آتے ہی دریافت کیا: ''راجکماری کہاں ہیں؟''

ایک کنیز نے لبوں پر انگشتِ شہادت رکھ کر آہستگی سے کہا:

''ابھی سو رہی ہیں۔''

کامنی: ''ابھی سو رہی ہیں۔ تعجب ہے، تم نے جا کر بیدار کیوں نہ کر دیا۔''

دوسری کنیز: ''اس لئے کہ کہیں خفا نہ ہو جائیں۔''

کامنی: ''ٹھہرو!! میں اندر جا کر دیکھتی ہوں۔ حیرت ہے، اب تک سونے کی کیا وجہ......''

کامنی نے قدم بڑھایا ہی تھی کہ مہارانی آ گئی۔ سب اس کی تعظیم کے لئے جھک گئیں۔ مہارانی نے پوچھا:

''چندر موہنی کہاں ہے؟''

کامنی نے جواب دیا:

''معلوم ہوا ہے آج ابھی تک سو رہی ہیں.............''

مہارانی نے حیران ہو کر کہا:

''ابھی تک سو رہی ہے؟ جی تو اچھا ہے؟''

کامنی: ''ایشور ہی جانے۔''

مہارانی: ''اور یہ کنیزیں یہاں کھڑی کیا کر رہی ہیں۔ انہوں نے کمرہ میں اندر جا کر کیوں نہیں دیکھا۔''

ایک کنیز نے ہاتھ جوڑ کر کہا:

''مہارانی جی!! ہم میں سے کسی کو اندر جانے کی جرأت نہیں ہوئی کہ کہیں راجکماری جی برہم نہ ہو جائیں۔''

مہارانی: ''تم سب احمق ہو۔''

یہ کہتے ہی وہ بڑھ کر خواب گاہ میں داخل ہوئی۔ سب سے پہلے اس کی نظر چندر موہنی کے بستر پر پڑی۔ بستر خالی تھا۔ یہ دیکھ کر مہارانی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ وہ کنیزوں اور سہیلیوں کی طرف گھوم گئی۔ اس کے چہرے سے فکر و تشویش کی علامتیں ظاہر ہو رہی تھیں۔ اس نے تھراتے ہوئے لبوں سے کانپتے ہوئے لہجہ میں کہا:

''یہاں کہاں ہے چندر موہنی؟''

کنیزوں اور سہیلیوں نے بھی پہلی ہی نظر میں دیکھ لیا تھا، بستر خالی پڑا تھا اور کمرہ میں کوئی نہ تھا۔ وہ سب انگشت بدنداں رہ گئیں۔ مہارانی نے پھر کہا:

''کیا بہری ہو۔ تم نے سنا نہیں چندر موہنی کہاں ہے؟''

کوئی بھی نہ جانتا تھا کہ چندر موہنی کہاں ہے جواب کیا دیتا لیکن کنیزوں کو کچھ نہ کچھ کہنا ضروری تھا۔ ایک کنیز بولی:

''حضور!! ہم میں سے کسی کو بھی کچھ خبر نہیں ہے۔''

مہارانی: ''تم کب سے دروازہ کے باہر کھڑی تھیں؟''

دوسری کنیز: ''سورج نکلنے سے پہلے سے............''

مہارانی: ''لیکن اگر وہ بیدار ہو جاتی............''

مہارانی کی نظر اس وقت اس سفید چاندنی پر پڑی جو کمرہ کے فرش پر بچھی ہوئی تھی۔ اسے اس پر قدموں کے نشان نظر آئے۔ وہ جلدی سے بڑھی اور اس نے جھک کر ان نشانوں کو دیکھا۔ ایک نامعلوم خوف اس پر طاری ہو گیا۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

''دیکھنا یہ پیروں کے نشان کیسے ہیں؟''

تمام کنیزوں اور سہیلیوں کی فوج بڑھ کر جھکی اور بہ غور دیکھنے لگی۔ پیروں کے نشان صاف تھے اور اس قدر بڑے تھے کہ چندر موہنی کے کسی طرح بھی نہیں کہے جا سکتے تھے۔ کامنی: ''یہ نشانات مردانہ پیروں کے ہیں۔ کم بخت سیاہ پوش مسلمان تو اپنے ارادہ میں کامیاب نہیں ہو گئے؟''

مہارانی کا چہرہ زرد ہو گیا۔ آنکھوں سے وحشت اور بشرہ سے پریشانی ٹپکنے لگی تھی۔ اس کا جسم تھرتھرا رہا تھا۔ ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اس نے مری ہوئی آواز میں کہا:

''شاید............ آہ شاید پاپی ملیچھ ہی میری بچی کو لے گئے۔ پرماتما............ پرماتما میری سہائتا (مدد) کرو............''

یہ کہتے ہی وہ بے ہوش ہو گئی۔ چندر موہنی کی سہیلیوں نے اسے بڑھ کر سنبھالا لیکن وہ فرش پر دراز ہو گئی تھی۔

فوراً کنیزوں نے سہیلیوں کی مدد سے اسے اٹھا کر چندر موہنی کے بستر پر لٹایا اور اسے ہوش میں لانے کی فکر کرنے لگیں۔

جب کہ یہ عورتیں مہارانی کو ہوش میں لانے کی فکر کر رہی تھیں اس وقت مہاراجہ اور سکھدیو آ گئے۔ مہاراجہ نے خواب گاہ کے باہر ہی سے دریافت کیا:

''چندر موہنی کہاں ہے؟''

ساری کنیزیں مہاراجہ کی آواز سنتے ہی جلدی سے باہر نکل آئیں۔ ان میں سے ایک نے کہا:

''راجکماری غائب ہیں..............''

مہاراجہ نہایت متعجب ہوئے۔ انہوں نے حیرت ناک لہجہ میں کہا:

''غائب ہے؟ کب سے؟''

کنیز: ''ان داتا، اسے کوئی نہیں جانتا۔''

اس کے بعد کنیزوں اور سہیلیوں کے آنے اور راجکماری کے بیدار ہونے کے انتظار کرنے کا اور مہارانی کے آنے کا اور پیروں کے نشانات دیکھ کر بے ہوش ہو جانے کا سنایا۔ مہاراجہ جلدی سے خواب گاہ میں گھس گئے۔ دیکھا تو مہارانی اس وقت تک بے ہوش پڑی تھی۔ وہ اس کی بالیں پر بیٹھ گئے اور متوحش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولے:

''کوئی جلدی سے وید جی کو بلا کر فوراً لاؤ۔''

چند کنیزیں دوڑ گئیں۔ سکھدیو نے کہا:

''میں نے اپنا شبہ پہلے ہی ظاہر کیا تھا، دیکھیے وہی ہوا۔''

مہاراجہ: ''لیکن تم نے سیاہ پوش کو کس وقت دیکھا تھا؟''

سکھدیو: ''تقریباً ایک تہائی رات گزر جانے پر۔''

مہاراجہ: ''کاش تم اس کا تعاقب کر کے اسے گرفتار کر لیتے۔''

سکھدیو: ''میں نے عرض کیا ناں کہ مجھے یہ خیال ہوا کہ میری نگاہ نے دھوکہ کھایا۔ چونکہ وہ جلدی سے غائب ہو گیا اس لیے میں سمجھا کہ میں نے کوئی سایہ دیکھا تھا۔''

مہاراجہ: ''مگر یہ سوچنا چاہیے تھا کہ سایہ کس کا ہو سکتا تھا۔''

سکھدیو: ''جب میں اپنے بستر پر جا کر پڑا تب یہ خیال ہوا۔ چنانچہ میں فوراً واپس آیا اور میں نے قصر کا گوشہ گوشہ چھان ڈالا لیکن وہ نہ ملا۔ اب مجھے اور بھی یقین ہو گیا کہ ضرور وہ فریبِ نظر ہی تھا۔''

اس عرصہ میں وید آ گئے۔ یہ بزرگ صورت انسان تھے۔ ان کی داڑھی سکھوں کی داڑھی کی طرح لمبی اور گاؤ دمی تھی۔ داڑھی اور سر کے بال سفید تھے البتہ بھنویں سیاہ تھیں۔ چہرہ پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے آتے ہی مہارجہ کو سلام کیا۔ مہاراج نے کہا:

''وید جی!! ذرا مہارانی کو دیکھیے!!''

وید مسہری کے نیچے چاندنی پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے مہارانی کی نبض دیکھی اور پھر چہرہ بغور دیکھ کر کہا:

''کوئی قلبی صدمہ مہارانی کو پہنچا ہے۔''

مہاراجہ: ''آپ نے درست فرمایا۔ راجکماری کو سیاہ پوش ملیچھ اٹھا کر لے گئے مہارانی اس صدمہ سے بے ہوش ہو گئی ہیں۔''

اس وقت تھوڑی دیر کے لئے چندر موہنی کا خیال سب کے دلوں سے نکل گیا اور سب مہارانی کی تیمارداری میں مصروف ہو گئے۔

وید جی ایک جھولا لٹکائے ہوئے تھے۔ انہوں نے جھولا اتار کر چاندنی پر رکھا اور اس میں سے شیشیاں نکال نکال کر پھیلانے لگے۔

ایک چھوٹی شیشی انتخاب کر کے انہوں نے اٹھائی اور اس کی ڈاٹ کھول کر چند قطرے رقیق دوا کے مہارانی کے حلق میں ٹپکا دیئے اور شیشی بند کر کے علیحدہ رکھی اور مہارانی کے چہرہ کی طرف ٹکٹکی لگا دی۔

مہاراجہ کبھی مہارانی کے چہرہ کو اور کبھی وید جی کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے وید جی سے پوچھا: ''کیا خیال ہے اب آپ کا وید جی؟''

وید جی بولے: ''دوا رفتہ رفتہ اپنا کام کر رہی ہے۔ یقین ہے انہیں جلد ہوش آ جائے گا۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔''

مہاراجہ کو قدرے اطمینان ہوا اور وہ مہارانی کی طرف غور سے دیکھنے لگے۔

باب ۱۸

در پردہ الزام

تھوڑی دیر میں مہارانی کو ہوش آ گیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور ادھر ادھر تجسس آمیز نگاہوں سے دیکھا۔ مہاراجہ، سکھد یو، وید جی اور تمام لڑکیاں مہارانی کو ہوش میں دیکھ کر خوش ہو گئے۔

مہاراجہ نے مہارانی سے کچھ کہنا چاہا۔ وید جی نے فوراً اشارہ سے منع کرتے ہوئے کہا:

''ان داتا!! ابھی مہارانی کے دماغ میں سوچنے اور سمجھنے کی اہلیت پیدا نہیں ہوئی ہے۔ وہ بے مدعا ادھر ادھر دیکھ رہی ہیں۔ اتنی دیر توقف کیجئے کہ یہ خود کچھ بولیں۔''

مہاراجہ خاموش ہو گئے۔ مہارانی کا چہرہ سفید پڑا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے غم نے سارا خون چوس لیا ہو۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے۔ کچھ دیر وہ چند ماہ کے بچوں کی طرح بغیر نظر کسی چیز پر ٹھہرائے دیکھتی رہی۔ آخر رفتہ رفتہ اس کی نگاہ ٹھہرنے اور دماغ کام کرنے لگا۔

کافی وقفہ کے بعد اس نے کراہنا شروع کیا۔ مہاراجہ بے چین ہونے لگے۔ وید جی نے ان کے چہرہ سے ان کے قلب کی کیفیت معلوم کر کے کہا:

''ان داتا!! مطلق فکر نہ کیجئے۔ مہارانی کی طبیعت درست ہوتی جا رہی ہے۔ اب وہ بولنے ہی والی ہیں لیکن انہیں آرام کی سخت ضرورت ہے۔''

مہارانی کے لب کھلے، اس نے کہا: ''میں کہاں ہوں؟''

مہاراجہ: ''تم اپنی بیٹی کی خواب گاہ میں ہو۔''

دفعتاً مہارانی کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس نے کہا:

''میری چندر موہنی کہاں ہے؟''

مہاراجہ: ''وہ بخیریت ہے تم غم نہ کرو۔''

مہارانی: ''بخیریت ہے............لیکن ہے کہاں؟''

مہاراجہ: ''یہیں اس قصر میں۔''

مہارانی نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

''بلاؤ میری چندر موہنی کو بلاؤ.................آہ مجھ سے اٹھا کیوں نہیں جاتا۔''

مہاراجہ: ''پیاری!!! ابھی اٹھنے کی کوشش نہ کرو جب تک تمہاری طبیعت ٹھیک نہ ہو، آرام کرو۔ اسے سیاہ پوش ملیچھ لے گئے۔''

مہارانی: ''پتی دیو، کیا میں اپنی پتری سے اب نہ مل سکوں گی...........بولو جواب دو۔''

مہاراجہ سوچ رہے تھے اسے کیا جواب دیں۔ جب مہارانی کا اصرار دیکھا تو کہا:

''ضرور مل سکو گی۔ ملیچھ اسے نہیں لے جا سکتے۔ میری اور تمہاری زندگی میں یہ نہیں ہو سکتا۔''

مہارانی: ''لیکن کون سورما اسے ان سے چھین کر لائے گا؟''

مہاراجہ نے سکھدیو کی طرف دیکھا۔ گویا وہ مہارانی کی بات کا جواب اس سے چاہتے تھے۔

سکھدیو نے کہا:

''تمہارا یہ سیوک لائیگا!''

مہارانی نے سکھدیو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

''کون سکھدیو تم؟..........بے شک تم اسے لا سکتے ہو۔ تم سورما ہو، دلیر اور نڈر ہو وعدہ کرو کہ تم اسے لاؤ گے۔''

سکھدیو: ''مہارانی جی!! میں چندر موہنی کو پاپی ملیچھ سلطان سے چھین کر لانے میں اپنی جان کی بازی لگا دوں گا۔''

مہارانی: ''وہ تمہاری منگیتر ہے سکھدیو!! اگر تم اسے نہ لا سکے تو خاندان مہاراجہ سومنات کی عزت تو خاک میں مل جائے گی لیکن خاندان انہلواڑہ کی آبرو بھی جاتی رہے گی۔''

سکھدیو: ''میں ان باتوں کو خوب سمجھتا ہوں۔''

اب ویدجی نے ایک اور دوا مہارانی کو پلائی۔ اس کے پینے سے اس کے جسم میں توانائی آ گئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ دھرمپال آ گئے۔ مہارانی نے جلدی سے ان سے مخاطب ہو کر کہا:

''مہا گرو جی!! آپ کی چندر موہنی کو ظالم ملیچھ پکڑ کر لے گئے۔''

دھرمپال نے بیٹھتے ہوئے کہا:

''میں نے ابھی یہ واقعہ سنا ہے لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ

مسلمان ایوان شاہی میں گھس کر چندر موہنی کو لے جاتے..........؟''

مہارانی نے دھرمپال کو دیکھتے ہوئے کہا:

''آپ نے یہ نہیں سنا تھا کہ کچھ سیاہ پوش مسلمان قلعہ میں گھس آئے ہیں۔''

دھرمپال: ''سنا تھا اور میں اسی بات کی تفتیش میں لگا ہوا تھا۔''

مہاراجہ اور مہارانی نے اشتیاق بھری نظروں سے دھرمپال کو دیکھا۔ مہاراجہ نے دریافت کیا: ''آپ کی تفتیش کا کیا نتیجہ ہوا؟''

دھرمپال: ''ابھی تک میں صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکا ہوں کیونکہ میری تفتیش ناتمام ہے لیکن یہ بات میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ مسلمان نہ قلعہ میں رہے اور نہ قصر شاہی میں آئے۔''

مہاراجہ: ''پھر یہ سیاہ پوش کون تھے جنہیں اکثر خادماؤں اور دوسرے لوگوں نے دیکھا؟''

دھرمپال: ''میں یہی بات عرض کر رہا ہوں سیاہ پوش اور کوئی ہوں مگر مسلمان نہیں ہو سکتے۔''

مہاراجہ: ''لیکن آپ کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ سلطان محمود غزنی سے چندر موہنی کو حاصل کرنے کے لئے آیا ہے؟''

دھرمپال: ''مجھے معلوم ہے، میں اور آپ اس کی وجہ بھی جانتے ہیں۔ جو راز اس میں پنہاں ہے اسے بھی..............''

مہاراجہ نے قطعِ کلام کرتے ہوئے کہا:

''راز کے ذکر کو رہنے دیں۔ میں تو یہ پوچھتا ہوں کہ جب سلطان محمود اتنی مسافت طے کر کے آیا ہے تو کیوں اس کے آدمی چندر موہنی کو اٹھا کر نہیں لے جا سکتے؟''

دھرمپال: ''اس لئے کہ وہ اس بات کو سخت معیوب سمجھتے ہیں۔ اگر اس طرح چوری سے سلطان محمود چندر موہنی کو لے جانا چاہتے تو اپنے چند آدمی بھیج دیتے اور وہ اس خاموشی سے لے جاتے کہ کسی کو معلوم بھی نہ ہوتا۔''

مہاراجہ: ''مگر پھر آپ کا کیا خیال ہے؟''

دھرمپال: ''میرا خیال ہے..........لیکن نہیں، ابھی میں اپنا خیال ظاہر کرنا مصلحت نہیں سمجھتا۔ میری تفتیش کی چند کڑیاں باقی رہ گئی ہیں جب وہ مل جائیں گی تب عرض کروں گا!''

سکھدیو: ''لیکن مہاگرو جی!! جتنے آپ کی تحقیقات مکمل ہوں گی اتنے میں ظالم سلطان محمود اسے لے کر چلا بھی جائے گا۔''

دھرمپال: ''پھر تمہارا کیا ارادہ ہے راجکمار؟''

سکھدیو: ''میں نے مہارانی جی سے وعدہ کیا ہے کہ میں راجکماری کو لاؤں گا..........''

دھرمپال: ''اور وہ وعدہ کس طرح پورا کرنا چاہتے ہو؟''

سکھدیو: ''میری رائے ہے کہ کل صبح ہوتے ہی قلعہ اور شہر کے دروازے کھول دیئے جائیں اور مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا جائے۔''

دھرمپال: ''لیکن جانتے ہو کہ مسلمان آسانی سے قابو میں آنے والے نہیں ہیں۔''

سکھدیو: ''میرا خیال ہے کہ اگر تمام لشکر ایک ساتھ حملہ کر دے تو یقیناً مسلمان شکست کھا کر فرار ہو جائیں گے۔''

مہاراجہ: ''تمہاری تجویز نہایت مناسب معلوم ہوتی ہے۔ میں آج تمام افسروں کو بلا کر اس کے متعلق مشورہ کروں گا۔''

وید جی: ''مہارانی جی کو آرام کی ضرورت ہے۔ یہ گفتگو یا یہ مشورہ اس وقت ملتوی رکھا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔''

مہاراجہ: ''آپ نے درست کہا!! اب ہم اس بحث کو بند کرتے ہیں۔''

مہارانی: ''نہیں آپ اس معاملہ کو ابھی طے کیجئے۔ مجھے اس سے دلچسپی ہے میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ میری بچی کے لئے کیا تجویز کی جاتی ہے۔''

مہاراجہ: ''طے وہی کیا جائے گا جو تم چاہتی ہو۔''

مہارانی: ''حملہ..................''

مہاراجہ: ''ہاں حملہ، (جوش اور غصہ میں آ کر) یہ سومنات کے مہاراجہ کی عزت کا سوال ہے۔ راجکماری کو اس طرح سے چرا کر لے جانا کچھ ہنسی کھیل نہیں ہے۔ راجپوتوں کا بچہ بچہ اپنے مہاراجہ کی حرمت پر اپنی قوم کے ناموس پر کٹ مرے گا۔''

دھرمپال: ''لیکن جو جوش آپ اپنی قوم ....یعنی ہندو جاتی میں پیدا کرنا چاہتے ہیں کہیں وہی جوش ان کی تباہی کا باعث نہ ہو جائے۔''

مہاراجہ: ''کچھ پرواہ نہیں۔ گرو جی مہاراج!! میرے سینہ میں جوش انتقام کی آگ دہک رہی ہے۔ میں خود اس حملہ میں شرکت کروں گا اور یا تو چندر موہنی کو واپس لاؤں گا یا سلطان محمود کا سر لے کر آؤں گا۔''

دھرمپال: ''لیکن مہاراج!! چندر موہنی اسلامی کیمپ میں نہیں ہے۔ اسے باور کیجئے۔''

مہاراجہ: ''کیسے باور کروں، اور کون اسے یہاں سے لے جانے کی جرأت کر سکتا ہے؟''

دھرمپال: ''وہ، جس کی امید ٹوٹ گئی ہو۔''

مہاراجہ: ''وہ کون ہو سکتا ہے؟''

دھرمپال: ''آپ غور کریں۔ ممکن ہے آپ معلوم کر لیں۔''

مہاراجہ: ''میں نے غور کر لیا۔ میں نے سمجھ لیا۔ چندر موہنی سلطان محمود کے پاس پہنچ گئی۔ وہ جیت گیا۔ مگر اسے یہ جیت بہت مہنگی پڑے گی۔''

دھرمپال: ''خیال کیجئے قوم کا کیا حال ہو گا۔ جنگ کی آگ بھڑکتے ہی ہزاروں سورما مارے جائیں گے۔ ہزاروں بچے یتیم ہو جائیں گے۔''

مہاراجہ: ''میں جانتا ہوں آپ کو یہی خیال جنگ سے روکتا ہے لیکن جبکہ سلطان محمود آ گیا ہے وہ بغیر لڑے بھڑے واپس نہ جائے گا۔ ایک نہ ایک دن ضرور خونریز جنگ ہو گی۔ جب جنگ ہونی ہی ہے تو پھر کل ہی کیوں نہ ہو اور کل ہی کیا......رات ہی کو کیوں نہ حملہ کیا جائے۔ سکھدیو تمہارا کیا خیال ہے؟''

سکھدیو: ''ان داتا!! یہ تجویز نہایت ہی مناسب ہے۔ رات کو جبکہ مسلمان راجکماری کو پکڑ لانے کی خوشی منا کر غفلت کی نیند سو جائیں اس وقت ان پر حملہ کر کے انہیں کچل ڈالا جائے۔ ان کے ناپاک خون سے میدان کو سیراب کر دیا جائے۔''

دھرمپال: ''مگر میں کہتا ہوں مسلمان ہر وقت ہوشیار رہتے ہیں۔ ان پر شبخون مارنا مناسب نہ ہو گا۔ ممکن ہے تدبیر الٹ جائے اور لینے کے دینے پڑ جائیں۔''

مہاراجہ: ''نہیں مہا گرو جی!! یہ تجویز نہ پٹے گی۔ رات کو راجپوتوں کا حملہ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دے گا۔''

دھرمپال: ''یا راجپوتوں کی خاموشی کر دے گا؟''

مہاراجہ: ''آپ اندیشہ نہ کریں۔ مسلمان یہ بات جانتے ہوئے کہ ہم محصور ہیں اور کسی وقت بھی قلعہ سے باہر نہیں نکلتے، پہرہ چوکی کا معقول انتظام نہیں کرتے ہیں۔ ہمارا حملہ اچانک اور پُر زور ہو گا۔ آپ صبح کو سن لیں گے کہ مسلمانوں کی لاشوں سے میدان پٹ گیا اور چندر موہنی آ گئی ہے۔''

دھرمپال: ''ایشور ایسا ہی کرے۔ اگر آپ نہیں مانتے تو نہ مانیے، جو آپ نے سوچا ہے وہی کیجئے۔''

مہاراجہ: ''سکھدیو! شبخون مارنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔''

سکھدیو: ''میں تیار ہوں۔''

مہارانی کی طبیعت کیونکہ اب درست ہو گئی تھی اس لئے مہاراجہ اسے اپنے ساتھ لے گئے۔

مخبری:

رات کا وقت تھا۔ چونکہ چاند پچھلی رات کو نکلنے والا تھا اس لئے اس وقت ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اسلامی کیمپ میں خاموشی طاری تھی اور تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ چونکہ رات زیادہ آ گئی تھی اس لئے مجاہدینِ اسلام نہایت آرام اور اطمینان سے خیموں اور چھولداریوں میں پڑے سو رہے تھے۔

لیکن اسلامی لشکر میں ہمیشہ سے یہ قاعدہ رہا ہے کہ رات کو ایک دستہ لشکر کی محافظت پر متعین ہو کر ساری رات لشکر گاہ کے گرد گشت لگاتا رہتا ہے اس لئے حسبِ دستور آج بھی ایک طلایہ گروہ گشت کر رہا تھا۔

اس دستہ کا افسر التونتاش تھا۔ ڈھائی ہزار سواروں کا دستہ اس کے جلو میں تھا۔ چونکہ دشمن کے حملہ کا اندیشہ قلعہ کی جانب سے تھا اس لئے یہ دستہ اسی طرف گھوم رہا تھا۔

ابھی تہائی رات ہی گزری تھی۔ اندھیرا اِس قدر پھیلا ہوا تھا کہ زمین سے آسمان تک سیاہ چادر تنی ہوئی معلوم ہوئی تھی۔ نیلگوں آسمان کا رنگ بھی آبنوسی ہو گیا تھا اور ستارے اس کثرت سے جگ مگا رہا تھے جیسے طشت میں جوہرات انڈیل دیئے ہوں۔

چونکہ اسلامی لشکر دور تک فروکش تھا اور التونتاش کے ذمہ سارے لشکر کی حفاظت تھی۔ اس لئے ڈھائی ہزار دستہ کے پانچ حصے کر کے ہر حصہ میں پانچسو سوار منقسم کر دیئے تھے اور انہیں اس طرح پھیلا دیا تھا جس سے تمام لشکر کی حفاظت میں آسانی ہو گئی تھی۔

التونتاش نہایت ہوشیار اور تجربہ کار افسر تھا۔ اسلام کا بہی خواہ!! مسلمانوں کا خیر طلب اور سلطان محمود کا فرمانبردار۔ اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ وہ رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر قلعہ تک پہنچے اور اگر ممکن ہو تو فصیل تک رسائی کرنے کی کوشش کرے۔ چنانچہ وہ سو سواروں کو ساتھ لے کر آہستہ آہستہ قلعہ کی جانب چلا۔ ابھی قلعہ دور تھا کہ کسی کی آواز آئی:

''اس دستہ کا افسر کون ہے؟''

التونتاش نے گھوڑا بڑھا کر کہا: ''میں ہوں، التونتاش۔''

جب التونتاش بڑھ کر آواز دینے والے کے قریب پہنچا تو وہ ایک سادھو کو اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر حیران رہ گیا۔

اسے اس وجہ سے اور بھی حیرت ہوئی کہ سادھو نے ترکی زبان میں گفتگو کی تھی۔ ابھی التونتاش حیران ہی ہو رہا تھا کہ سادھو نے کہنا شروع کیا:

"خوب ہوا مجھے آپ مل گئے ہیں ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔"

التونتاش: "مجھے حیرت ہے کہ آپ ہندی النسل، سادھو ہوتے ہوئے ترکی کس روانی سے بول رہے ہیں۔"

سادھو: "مجھے آپ نے پہچانا نہیں خیر..............."

التونتاش: "ٹھہریئے پہلے آپ اپنا نام بتایئے۔"

سادھو: "میرا نام دھرمپال ہے۔"

یہ سنتے ہی وہ گھوڑے سے نیچے کود پڑا اور بولا:

"اوہ میں سمجھ گیا۔ معاف کیجئے میں اندھیرے میں مطلق نہ پہچان سکا۔ فرمایئے کیا حکم ہے؟"

دھرمپال: "آپ سلطان کے ذی عزت افسر ہیں۔ میرے ساتھ اس طرح پیش نہ آیئے میں ایک تارک الدنیا فقیر ہوں۔"

التونتاش: "مگر فقیر بھی وہ جس کی عزت وعظمت خود سلطان کے دل میں ہے۔"

دھرمپال: "یہ سلطان کی مہربانی ہے۔"

التونتاش: "ہر مسلمان کو آپ سے محبت ہے۔"

دھرمپال: "یہ مسلمانوں کا حسنِ اخلاق ہے۔"

التونتاش: "کیا آپ اعلیٰ حضرت سے شرف ملاقات حاصل نہ کریں گے۔"

دھرمپال: "جی تو چاہتا ہے لیکن ابھی موقع نہیں ہے۔ میں اس وقت چھپ کر ایک نہایت ضروری اطلاع دینے آیا ہوں۔"

التونتاش: "فرمایئے۔"

دھرمپال: "پہلے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

التونتاش: "پوچھئے۔"

دھرمپال: "کیا کچھ مسلمان قلعہ کے اندر رہ گئے ہیں یا پہنچا دیئے گئے ہیں؟"

التونتاش: "میرے علم میں ایسا نہیں ہوا ہے۔"

دھرمپال: "کیا جلالت مآب آپ کو ہر بات کی اطلاع دے دیتے ہیں؟"

التونتاش: "نہیں، جو بات مشتہر کرنے کی نہیں ہوتی اس کی اطلاع کسی کو بھی نہیں کی جاتی۔"

دھرمپال: "تب میرا خیال ہے شاید سلطان نے اس بات کو چھپایا ہو۔"

التونتاش: ''میں سمجھا نہیں۔ کیا آپ اس بات کی کچھ وضاحت کریں گے؟''

دھرمپال: ''کچھ مضائقہ نہیں۔ قلعہ میں اور خصوصاً قصر شاہی کے اندر یہ بات مشہور ہو رہی ہے کہ کچھ مسلمان قصر میں چھپے ہوئے ہیں اور وہ سیاہ لبادے پہن کر رات کو نکلتے ہیں۔''

التونتاش: ''مسلمان ایسا کیوں کرتے؟''

دھرمپال: ''قصر والوں کا یہ خیال ہے کہ راجکماری کو اٹھالانے کے لئے ایسا کیا گیا ہے۔''

التونتاش: ''یہ خیال نہایت مضحکہ خیز ہے۔ مسلمانوں کو قلعہ اور قصر کے اندر کی مکین گاہوں کا حال کیا معلوم؟ اس کے علاوہ ہم ایسی بزدلانہ کاروائی کیوں کریں۔ ہم چندر موہنی کو بزورِ شمشیر حاصل کریں گے۔''

دھرمپال: ''لیکن ممکن ہے کہ جہاں پناہ نے قلعہ کے حالات معلوم کرنے کے لئے کچھ جانباز مسلمان بھیج دیئے ہوں۔''

التونتاش: ''ہاں یہ بات ممکن ہے لیکن یہ ناممکن ہے چندر موہنی کو اٹھالانے کے لئے بھیجے ہوں۔''

دھرمپال: ''اگر مسلمان قلعہ کے اندر گئے ہیں تو وہ ضرور چندر موہنی کو اٹھالائے ہیں۔''

التونتاش: ''کیا چندر موہنی قصر میں سے غائب ہوگئی ہے؟''

دھرمپال: ''جی ہاں۔''

التونتاش: ''کب؟''

دھرمپال: ''گزشتہ رات کو میں نے اس معاملہ کی از خود تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ...... کئی روز سے آدھی رات کے وقت کچھ سیاہ پوش قصر میں منڈلاتے دیکھے گئے اور جب انہیں پکڑنے اور گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ حیرت ناک طریقہ پر غائب ہوگئے۔ ایسا مسلمان ہی کر سکتے ہیں۔''

التونتاش: ''آپ خود جانتے ہیں کہ نہ مسلمان جادوگر ہیں نہ انہیں کوئی ایسا علم آتا ہے جن سے وہ انسان سے بلی، چوہا، مکھی یا اور کچھ بن جائیں۔ پھر قلعہ میں اور قصر کے اندر جس کے چپہ چپہ سے راجپوت ہی واقف ہیں اور مسلمان ناواقف ہیں وہ کہاں چھپ سکتے ہیں۔ اس میں کوئی بھید ہے۔''

دھرمپال: ''عقل حیران ہے، آخر کیا راز ہے؟ اگر راجکماری اسلامی کیمپ میں نہیں آئی تو کہاں گئی، کون لے گیا؟''

التونتاش: ''ہوسکتا ہے کہ خود مہاراجہ نے یہ چال کھیلی ہو۔ اس نے اپنے آدمیوں کو اس کام پر لگایا ہو اور انہوں نے راجکماری کو کہیں چھپا دیا ہو تا کہ جب مسلمانوں کو یہ بات معلوم ہو جائے تو وہ ناامید اور دل شکستہ ہو کر واپس لوٹ جائیں۔''

دھرمپال: ''میرے خیال میں ایسا نہیں ہوا۔ کیونکہ مہاراجہ اور مہارانی دونوں نہایت غمگین اور پریشان ہیں۔ مہارانی کی تو غش آ گیا تھا۔ میں یہ وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ کم سے کم مہاراجہ اور مہارانی کو راجکماری کے غائب کرنے کا کچھ بھی علم نہیں ہے۔''

التونتاش: ''تب کسی نے قصر کے اندر ہی سازش کا جال پھیلایا ہے۔''

دھرمپال: ''یہ ہو سکتا ہے لیکن آپ اعلیٰ حضرت سے اس کے متعلق دریافت کریں۔''

التونتاش: ''ضرور دریافت کروں گا۔''

دھرمپال: ''اگر چندر موہنی کیمپ میں آ گئی ہو تو اس کی حفاظت کی خاص طور پر تاکید کر دیجئے۔''

التونتاش: ''بہتر ہے کیا یہی اطلاع کرنے آئے تھے آپ؟''

دھرمپال: ''یہ بات تو مجھے آپ سے دریافت کرنی تھی۔ جو اطلاع میں دینے آیا ہوں وہ یہ ہے کہ آج رات آپ پر شبخون مارا جائے گا۔''

التونتاش نے گھبرا کر پوچھا: ''کس وقت؟''

دھرمپال: ''بہت ممکن ہے کہ قلعہ کا پھاٹک کھل گیا ہو اور راجپوت سیلاب کی طرح بہے چلے آ رہے ہوں............''

التونتاش: ''آپ کی اس اطلاع دہی کا شکریہ۔ انشاءاللہ تعالیٰ اب ہم انتظام کر لیں گے۔''

دھرمپال: ''انتظام بھی ایسا کیجئے جس سے راجپوتوں کو..................''

التونتاش: ''آپ اطمینان رکھیں۔ اگرچہ وقت کم ہے لیکن پھر بھی جو کچھ کیا جا سکتا ہے کیا جائیگا۔''

دھرمپال: ''اچھا اب میں رخصت ہوتا ہوں۔''

التونتاش: ''میں ایک مرتبہ پھر تمام مسلمانوں کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔''

دھرمپال: ''شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں اچھا اللہ حافظ۔''

التونتاش: ''فی امان اللہ!! لیکن ایک بات سنتے جایئے۔''

دھرمپال: ''کہئے۔''

التونتاش: ''اگر واقعی کچھ مسلمان قلعہ کے اندر داخل ہو گئے ہیں تو ان کی حفاظت کا انتظام ہو جانا چاہیے۔''

دھرمپال: ''میں ان کی تلاش میں ہوں۔ ان کی حفاظت کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔''

دھرمپال نے سلام کیا اور چلے گئے۔ التونتاش گھوڑے پر سوار ہو کر واپس لوٹے اور اپنے دستہ کے سواروں کو ساتھ لے کر بڑی عجلت سے کیمپ کی طرف روانہ ہوئے۔

باب ۱۹

ناکام شبخون

جس وقت دھرمپال قلعہ کے قریب پہنچے تو انہوں نے گھوڑوں کے ٹاپوں اور ہتھیاروں کے ٹکرانے کی آواز سنی۔ وہ سمجھ گئے کہ راجپوتی رسالے قلعہ سے نکل رہے ہیں۔ چونکہ اندھیرا اِس قدر پھیلا ہوا تھا کہ پاس کی چیز بھی نظر نہ آتی تھی اس لئے کوئی سوار بھی نظر نہ آ رہا تھا۔

دھرمپال نہیں چاہتے تھے کہ کوئی انہیں دیکھے اس لئے وہ ایک ٹیلہ کی آڑ میں چھپ گئے اور انہوں نے غور سے سامنے میدان میں دیکھنا شروع کیا۔

ہر چند آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا لیکن کچھ بھی نظر نہ آیا۔ البتہ مختلف آوازیں ضرور آ رہی تھیں لیکن کسی انسان کے بولنے کی آواز نہ آ رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ سوار خاموشی سے چلے جا رہے ہیں۔

دیر تک دھرمپال چھپے رہے۔ وہ چاہتے تھے کہ اس شبخون مارنے والے لشکر کا جب آخری سپاہی بھی گزر جائے تب وہ اپنی کمین گاہ سے نکل کر روانہ ہوں۔

آخر کچھ عرصہ کے بعد قلعہ کی طرف سے آوازیں آنا بند ہوگئیں اور یہ آوازیں اسلامی کیمپ کی طرف بڑھتی اور دور ہوتی گئیں۔

جب دھرمپال کو یہ اطمینان ہوگیا کہ لشکر دور نکل گیا ہے تب وہ ٹیلہ کی آڑ سے نکلے اور قلعہ کی طرف چلے لیکن چند ہی قدم چل کر کچھ سوچا اور پھر واپس لوٹ پڑے۔

انہوں نے پھر اسلامی کیمپ کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ وہ اس وقت بے چین اور مضطرب ہوگئے تھے، تیزی سے قدم بڑھائے چلے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اس جانے والے لشکر کے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ گھوڑوں کے ٹاپوں، باگوں کے کھڑکھڑانے اور ہتھیاروں کے ٹکرانے کی آوازیں صاف طور پر سنائی دینے لگیں۔ اب انہوں نے یہ سمجھ کر کہ وہ لشکر کے قریب پہنچ گئے ہیں اپنی رفتار کم کر

دی۔

حقیقت میں وہ راجپوت سواروں کے قریب پہنچ گئے تھے۔ اس قدر قریب کہ اگر وہ کسی کو آواز دیتے تو فوراً ان کی آواز سن لی جاتی لیکن اندھیرا اِس غضب کا پھیلا ہوا تھا کہ انہیں نظر کچھ نہ آتا تھا۔

اگرچہ ہزاروں راجپوت سوار چند ہی قدم کے فاصلے سے جارہے تھے لیکن نظر ایک سوار بھی نہ آرہا تھا۔ تاریکی کے پردے پڑے ہوئے تھے اور دھرمپال ان پردوں کو چاک کرتے بڑھے چلے جا رہے تھے۔

راجپوت کا لشکر نہایت اطمینان سے بڑھا چلا جارہا تھا۔ اس نے بہ عافیت تمام وہ میدان طے کرلیا تھا جو قلعہ اور اسلامی کیمپ کے درمیان واقع تھا۔

اگرچہ دھرمپال کو معلوم نہ تھا کہ راجپوت اسلامی لشکر سے کتنے فاصلہ پر رہ گیا ہے لیکن وہ یہ ضرور سمجھ رہے تھے کہ ان کا ہر قدم انہیں اسلامی لشکر کے قریب لے جارہا ہے اور چونکہ مسلمانوں کے جاگنے اور بیدار ہونے کے آثار نظر نہ آتے تھے اس لئے دھرمپال کی بے چینی بڑھتی جاتی تھی۔ انہیں خیال ہی نہیں بلکہ یقین ہوگیا تھا کہ راجپوتوں کا شبخون کامیاب رہے گا.................. وہ مسلمانوں پر اچانک جاپڑیں گے اور انہیں ہلاک کر ڈالیں گے۔

نہ معلوم کیوں انہیں اس خیال سے بڑی تکلیف ہورہی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ اُڑ کر مسلمانوں کے کیمپ میں پہنچ جائیں اور انہیں بیدار کر کے دشمنوں کے آنے کی اطلاع کردیں۔

لیکن اب یہ بات ناممکن ہوگئی تھی کہ راجپوتوں کے رسالوں کو چیر کر اسلامی لشکر گاہ میں پہنچ سکیں۔ انہیں حیرت تھی کہ التونتاش کہاں گئے اور انہوں نے دشمنوں کی مدافعت کا کوئی انتظام کیوں نہیں کیا۔ کیوں اسلامی لشکر میں جمود و سکون طاری ہے۔ کیا التونتاش کسی اور طرف نکل گئے؟

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ ان کے قریب ہی اللہ اکبر کی پرشور اور دل ہلا دینے والی آواز آئی۔ وہ اس آواز کو سن کر مسکرائے اور قلعہ کی طرف واپس لوٹے۔ ابھی تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ سکھدیو گھوڑے پر سوار آتا ہوا ملا۔ اس نے انہیں دیکھ کر کہا:

"آپ ہیں گرو جی مہاراج!!"

دھرمپال نے کہا:

"ہاں میں ہوں۔"

سکھدیو: "میں جانتا تھا آپ یہاں آئیں گے۔"

وہ چلا گیا، دھرمپال بھی چل دیئے۔

راجپوت اسلامی لشکر میں داخل ہو چکے تھے اور چونکہ اسلامی لشکر گاہ میں سناٹا طاری تھا اس لئے وہ خاموش تھے اور سمجھ رہے تھے کہ غافل اور سونے والے مسلمانوں پر اچانک یلغار کر کے انہیں سوتے میں ہلاک کر ڈالیں گے۔

لیکن جب انہوں نے اپنے پشت کی طرف سے اللہ اکبر کی پرزور آواز خلافِ توقع سنی تو گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

التونتاش نے دھرمپال سے رخصت ہوتے ہی اپنے دستہ کے سواروں کو بیدار کرا دیا تھا اور امیر علی کا دستہ بھی مستعد ہو گیا تھا۔ امیر علی نے کئی سوار دوڑا کر سلطان محمود کو خبر کر دی تھی۔

جب تک راجپوت اسلامی لشکر کے قریب آئے اتنے میں ایک طرف التونتاش اور دوسری طرف امیر علی خویشاوند اپنے اپنے لشکر لے کر کھڑے ہو گئے تھے۔ انہوں نے وہ میدان خالی چھوڑ دیا تھا جو لشکر گاہ اور قلعہ کے درمیان واقع تھا۔

گویا اسلامی لشکر راجپوتوں کے لشکر کے بازوؤں پر پھیل گیا تھا اور جیسا کہ ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ اندھیرا ہونے کی وجہ سے نظر کچھ نہ آتا تھا، مسلمانوں کو بھی راجپوتوں کے رسالے نظر نہ آ رہے تھے البتہ لشکر کے کوچ کی آواز ضرور سن رہے تھے۔

جب انہوں نے دیکھا کہ راجپوتوں کا لشکر ان سے آگے بڑھ گیا ہے تو انہوں نے بازوؤں سے بڑھ کر راجپوتوں کے پیچھے پھیلنا شروع کر دیا اور جب راجپوت اسلامی پڑاؤ گاہ میں داخل ہوئے تو دفعتاً مسلمانوں نے انہیں خبردار اور متنبہ کرنے کے لئے پرشور اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

راجپوت یا تو آگے بڑھے چلے جا رہے تھے یا رک گئے تھے اور پشت کی طرف گردنیں پھیر پھیر کر دیکھنے لگے لیکن بڑھے ہوئے اندھیرے کی وجہ سے انہیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔

ابھی وہ خائف و ہراساں دیکھ رہے تھے کہ پھر اللہ اکبر کی پرشور آواز آئی اور ساتھ ہی برق وش تلواریں چمکیں۔

راجپوتوں کی پچھلی صف اپنے پشت کی طرف پلٹ گئی۔ مسلمان ان کے سروں پر جا پہنچے تھے۔ راجپوتوں کے گھومتے ہی مسلمانوں نے پرزور حملہ کیا۔

راجپوتوں نے ڈھالوں پر ان کے وار کو روکا لیکن مسلمانوں نے اس زور سے حملہ کیا کہ تلواروں نے ڈھالوں کو پھاڑ ڈالا اور ڈھالوں سے گزر کر سروں پر پڑیں۔ بہت سے راجپوتوں کے بھنڈارے کھل گئے بہت سواروں کے سر کٹ کر دور جا پڑے۔

راجپوتوں نے بھی نہایت سختی سے حملہ کیا۔ ان کے بھی کھانڈوں اور چوڑی چوڑی تلواروں نے مسلمانوں کی ڈھالیں کاٹ ڈالیں اور اکثر مجاہدین کو زخمی کر دیا۔

اب راجپوت مسلمانوں پر اور مسلمان راجپوتوں پر ٹوٹ پڑے۔ نہایت زور شور سے جنگ شروع ہو گئی۔ تلواریں تیزی اور قوت سے چلنے لگیں۔ سروتن کے فیصلے ہونے لگے، ہاتھ اور پیر کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ دھڑ زمین پر گر گر کر گھوڑوں کے ٹاپوں میں روندے جانے لگے۔ خون کی بارش ہونے لگی۔

لیکن خلاف معمول آج راجپوت بھی مسلمانوں کی طرح خاموشی سے مصروف جنگ تھے۔ جنگ نہایت خاموش مگر بڑی سختی سے ہو رہی تھی۔ راجپوت مسلمانوں کی صفوں میں اور مسلمان راجپوتوں کی صفوں میں گھس گئے تھے۔ ہر فریق بڑی جانبازی سے لڑ رہا تھا۔

رات کی خوفناک خاموشی ہتھیاروں کی جھنکار اور زخمیوں کی چیخ پکار سے دور ہو گئی تھی۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے نہ راجپوتوں کو معلوم تھا کہ کس قدر مسلمانوں نے ان پر حملہ کیا ہے اور نہ مسلمانوں کو علم تھا کہ کس قدر راجپوت ان پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ متخاصمین تاریکی کی چادر میں لپٹے ہوئے .... جوش و خروش سے جنگ کر رہے تھے۔

ہندوستان میں راجپوتوں کی قوم بڑی جنگ جو ہے۔ وہ لڑتے ہیں اور جی توڑ کر لڑتے ہیں چنانچہ بڑی بے باکی سے جنگ کر رہے تھے۔ چاہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کی صفوں کو چیر کر باہر نکل جائیں مگر مسلمان ایسے کب تھے جو آسانی سے نکل جانے دیتے۔ وہ قدم قدم پر انہیں روک رہے تھے۔ سروں پر سرا چھل رہے تھے۔ دھڑوں پر دھڑ گر رہے تھے۔ خون کے فوارے ابل رہے تھے۔

مسلمان سدِ سکندری کی طرح جم گئے تھے۔ ہٹنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ راجپوتوں کے جان لیوا حملے بڑے استقلال اور نہایت دلیری سے روک رہے تھے۔

بیس ہزار راجپوتوں نے یہ حملہ کیا تھا۔ جن مسلمانوں نے ان کے پشت کی طرف سے آکر حملہ کیا وہ التونتاش کے دستہ کے سپاہی تھے اور ان کی تعداد پانچ ہزار تھی۔

رفتہ رفتہ تمام راجپوت پلٹ کر ان پانچ ہزار مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے تھے اور وہ نہایت سختی سے حملوں پر حملے کر رہے تھے۔

اب چاند افقِ مشرق سے جھانکنے لگا تھا۔ اندھیرے کی چادر سے جھلملاتا ہوا اُجالا بڑھنے لگا تھا۔ جوں جوں چاند اونچا ہوتا جاتا تھا چاندنی پھیلتی اور بکھرتی جاتی تھی۔

چاند کی روشنی میں لڑنے والوں کی صورتیں اور ان کے خوفناک ہتھیار صاف نظر آنے لگے

تھے۔

راجپوتوں نے اب نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ انہیں مٹھی بھر مسلمان نظر آئے، وہ دلیر ہو گئے اور انہوں نے جوش میں آ کر نہایت سخت حملہ کیا۔ اس قدر سخت کہ مسلمان گھبرا گئے اور پیچھے کی جانب ہٹنے لگے۔

التونتاش نے دیکھا، وہ خود بھی نہایت خونریز حملے کر رہے تھے۔ انہوں نے للکار کر کہا:

''مسلمانو!! یہ کیا دون ہمتی ہے؟ تم پیچھے ہٹ کر اپنی شہرت کے دامن پر ہزیمت کا بدنما دھبہ لگانا چاہتے ہو۔ مسلمان کی یہ شان نہیں۔ مر جانا یا مار ڈالنا مسلمان کا کام ہے''

ان کی آواز سنتے ہی مسلمان سنبھل گئے اور سنبھلتے ہی نہایت پرزور حملہ کر کے راجپوتوں کو دبانے اور بڑھنے لگے۔ ان کی آبدار تلواروں نے دشمنوں کا ستھراؤ کرنا شروع کر دیا۔

لیکن راجپوت بھی غضب کے جیالے تھے۔ کٹ رہے تھے، مر رہے تھے اور مرنے کے لئے بڑھ رہے تھے اور بڑھ بڑھ کر مسلمانوں پر حملے کر کے انہیں جامِ شہادت پلا رہے تھے۔

جب کہ اس طرف خونریز ہنگامہ برپا تھا اس وقت اسلامی لشکر کی طرف سے پھر دل ہلا دینے والی اللہ اکبر کی صدا آئی۔

اب چاند کافی اونچا ہو گیا تھا۔ چاندنی میدان میں چٹکنے لگی تھی۔ اندھیرے کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا تھا۔ چاندنی میں دور تک کی چیزیں صاف نظر آنے لگی تھیں۔

راجپوتوں نے جب نگاہ دوڑائی تو انہیں مجاہدینِ اسلام شمشیر بکف گھوڑے دوڑا کر آتے نظر آئے۔

راجپوت انہیں دیکھ کر خائف ہو گئے۔ ان تازہ دم مسلمانوں نے آتے ہی تلواروں کی دھاروں پر راجپوتوں کو روک لیا اور اس شدت سے حملہ کیا کہ راجپوتوں کی صفیں ایک دوسرے سے ٹکرا گئیں۔

یہ امیر علی خویشاوند کے پانچ ہزار آزمودہ کار صف شکن سوار تھے۔ انہوں نے جوش میں آ کر حملہ کیا تھا۔ ان کی خاراشگاف تلواروں نے راجپوتوں کو نرم لکڑیوں کی طرح کاٹنا اور چھانٹنا شروع کیا۔

راجپوتوں کی کچھ صفیں ان جانباز مسلمانوں کی طرف بھی لوٹ گئیں اور اس طرف بھی خون آشام جنگ ہونے لگی۔

ایک طرف سے التونتاش اور دوسری طرف سے امیر علی خویشاوند کے دلیر سپاہیوں نے راجپوتوں کو دبانا اور مارنا شروع کیا اور کچھ اس پھرتی سے قتل وخونریزی کا بازار گرم کیا کہ لاشوں پر لاشیں

ڈال دیں۔

ہر دستہ کا ہر مسلمان بڑی پھرتی سے جنگ میں مصروف ہو گیا اور تیزی سے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارنے لگا۔ راجپوتوں کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ سمجھ گئے کہ اگر تھوڑی دیر اور یہی عالم رہا تو شاید ایک راجپوت بھی زندہ بچ کر نہ جا سکے۔

اب تک راجپوت اس فکر میں تھے کہ وہ التونتاش کے ہمراہیوں کے ٹکڑے کر ڈالیں لیکن امیر علی کی تازہ دم فوج دیکھ کر ان کے حواس جاتے رہے۔ انہوں نے فرار کو ترجیح دی۔

چنانچہ وہ ادھر ادھر بازوؤں کی جانب سے ہٹنے اور کھسکنے لگے اور جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کے نرغہ میں سے نکل آئے ہیں تو سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔ اس بدحواسی میں اور بے ترتیبی سے کہ ایک دوسرے کی خبر نہ رہی نہ کوئی نظام اور ضابطہ باقی رہا۔ جس کا جس طرف منہ اٹھا بھاگ پڑا۔

مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے ہر طرف ان پر یورش شروع کر دی اور بے دریغ انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔

جس طرف بھی راجپوت بھاگے مسلمان پیچھے دوڑے اور ہر طرف راجپوتوں کی لاشوں سے میدان پاٹ دیا۔

آخر بہت تھوڑی تعداد زخمیوں اور دوسرے سواروں کی جان بچا کر قلعہ تک پہنچی اور بے تحاشہ قلعہ میں گھس گئی۔ کچھ لوگ جنگل میں گھس گئے اور اندھیرے میں غائب ہو گئے۔

اس معرکہ میں گیارہ ہزار راجپوت مارے گئے اور چھ سو مسلمان شہید ہوئے۔

تعاقب کنندہ مسلمان فتح کے نعرے لگاتے ہوئے واپس لوٹے۔ اس طرح یہ شبخون ناکامی پر ختم ہوا۔

انیسہ کی حیرت:

غازی سلطان محمود کو اس شبخون کی اطلاع رات ہی کو ہو گئی تھی لیکن التونتاش یا امیر علی خویشاوند نے انہیں اطلاع نہیں دی تھی۔ بلکہ شور و غل کی آواز اس طلایہ نے سنی جو شاہی دستہ کی محافظت کر رہا تھا اور چونکہ سلطان نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ جس وقت بھی کوئی نئی بات سنو فوراً اطلاع دو اس لئے اس محافظ دستہ کے افسر نے سلطان محمود کو اطلاع کرا دی۔

سلطان محمود خوابگاہ میں استراحت فرما رہے تھے لیکن جوں ہی انہیں شور و غل کی اطلاع ہوئی وہ اٹھ کر شب خوابی ہی کے لباس میں خیمہ سے باہر نکل آئے اور نصف لشکر کو مسلح ہونے کا حکم دے

کر لباس تبدیل کرنے چلے گئے۔

شاہی خیمے کے محافظوں نے فوراً افسروں کو مطلع کیا اور افسروں نے اپنے دستہ کو تیار کر لیا۔ جس وقت سلطان مسلح ہو کر برآمد ہوئے آدھا لشکر تیار ہو کر میدان میں پھیل گیا تھا۔ سلطان محمود بھی گھوڑے پر سوار ہو کر محافظوں کے ہمراہ میدان میں آ گئے اور قلعہ کی طرف تیزی سے روانہ ہوئے۔

اس وقت سپیدۂ سحر نمودار ہو چلا تھا۔ چاندنی پھیکی پڑ گئی تھی اور مشرق کے افق میں ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے افق کے پار شعلے بلند ہوں اور ان کا عکس آسمان پر پڑ رہا ہو۔

سلطان جب التونتاش کے کیمپ سے آگے بڑھے تو انہوں نے میدان کو لاشوں سے پٹا ہوا پایا۔ انہوں نے تاسف آمیز لہجہ میں کہا:

''افسوس ہے ہم دیر میں پہنچے۔ یہاں زبردست جنگ ہوئی ہے۔ اگرچہ لاشیں کافروں کی زیادہ معلوم ہوتی ہیں لیکن مسلمان بھی شہید ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کرے میں آرام اور اطمینان سے سوتا رہا اور مسلمانوں کی طرف سے غافل اور بے پرواہ ہو گیا۔''

عین اس وقت التونتاش اور امیر علی خویشاوند کے فوجی دستے فتح وظفر کے نعرے لگاتے ہوئے واپس لوٹے۔ جب وہ سلطانی لشکر کے قریب آئے اور سلطان پر ان کی نگاہیں پڑیں تو ہر شخص نے پرزور نعرے لگائے:

''غازی سلطان محمود زندہ باد اور سلطنتِ غزنوی کے شیر دل فرمانروا کی عمر دراز، حامیِ دینِ متین فرخندہ باد''

ان نعروں سے تمام میدان گونج اٹھا۔ التونتاش اور امیر علی خویشاوند سلطان کے پاس آئے۔

انہوں نے دیکھا کہ سلطان محمود کے چہرے سے افسوس و ملال کی علامتیں ظاہر ہیں۔ ان دونوں افسروں نے بڑھ کر سلطان کو مبارک باد دی۔

سلطان محمود نے کہا:

''میرے وفادار بہادرو!! مجھے یہ دیکھ کر تو مسرت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مظفر و منصور کیا لیکن اس بات سے رنج ہوا کہ تم نے اس شبخون کی اطلاع مجھے فوراً ہی نہیں کرا دی۔''

التونتاش نے سر ادب سے خم کر کے کہا:

''جہاں پناہ!! یہ غلطی یا فروگزاشت مجھ سے ہوئی۔ دشمن اچانک آ گیا اور میں جلدی میں صرف بھائی خویشاوند کو اطلاع دے سکا۔ معافی کا خواستگار ہوں۔''

سلطان محمود: ''مابدولت نے معاف کیا۔ اس میں خطا تنہا تمہاری ہی نہیں ہے بلکہ خود میرا قصور بھی ہے۔ میں تمہاری طرف سے غافل رہا۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کرے۔ لیکن تمہیں ان کافروں کے شبخون کی عین وقت پر اطلاع کیسے ہوگئی۔''

التونتاش: ''مجھے دھرمپال جی نے اطلاع دی۔''

اس کے بعد التونتاش نے دھرمپال کے اتفاقیہ ملنے اور خبر دینے کا تمام واقعہ کہہ سنایا۔

سلطان محمود نے کہا:

''اللہ تعالیٰ ہمارا حامی مددگار ہے۔ یہ اسی کی مہربانی ہے کہ دشمنوں میں دوست موجود ہے............ اوہ صبح ہوگئی ہے فجر کی نماز کا وقت آگیا ہے۔ سب سے پہلے نماز کا اہتمام کرنا چاہیے۔''

یہ کہتے ہی سلطان محمود گھوڑے سے نیچے اتر پڑے۔ ان کے اترتے ہی تمام لشکر پیدل ہو گیا۔ سواروں نے گھوڑوں کو چھوڑ دیا اور وفادار اور سمجھدار گھوڑے خود ہی قطار در قطار کھڑے ہو گئے۔

مسلمانوں نے وضو کرنا شروع کیا۔ چند خوش گلو مسلمانوں نے وضو کر کے نہایت خوش الحانی سے اذان کہنی شروع کی۔ ان کی پر کیف آواز سے ایک عجیب دلکش سماں بندھ گیا۔ ہر مسلمان ساکت و صامت ہو گیا۔ طائرانِ خوش الحان بھی جو نغمہ سنجی کر رہے تھے خاموش ہو کر اذان سننے لگے۔

اذان ختم ہوتے ہی سب نے اول سنتیں پڑھیں اور پھر فرض جماعت کے ساتھ ادا کے لئے صفیں مرتب کیں۔ سلطان محمود نے خود امامت کی اور صبح کی نماز ادا کی گئی۔ نماز سے فراغت کر کے سلطان محمود نے شہیدوں کو ایک جگہ جمع کرنے کا حکم دیا اور کافروں کی لاشوں کو اٹھا کر جنگل میں پھینکنے اور ان کے ہتھیار جمع کرنے کے احکام جاری کئے۔

بہت جلد یہ سب کام انجام دیئے گئے۔ راجپوتوں کی لاشیں جنگل میں ڈال کر ان پر لکڑیاں چن کر آگ لگا دی گئی اور مسلمانوں کی لاشیں جمع کر کے ان پر جنازہ کی نماز پڑھ کر انہیں دفن کر دیا گیا۔

سلطان محمود اپنے پڑاؤ گاہ میں لوٹ گئے اور التونتاش اور امیر علی خویشاوند اپنے اپنے کیمپوں میں چلے گئے۔

اس وقت سورج کافی اونچا ہو گیا تھا اور دھوپ ہر طرف پھیل گئی تھی۔ سراپردہ میں خواتینِ اسلام قرآن خوانی سے فارغ ہو چکی تھیں۔ جس جگہ رات لڑائی ہوئی اس جگہ سے یہ جگہ اتنی دور تھی کہ ان عورتوں کو شبخون کی بابت کوئی اطلاع نہ ہو سکی۔

اسلامی دوشیزاؤں کا یہ دستور تھا کہ وہ تمام کاموں سے فراغت کر کے سراپردہ کے دوسری

طرف دریائے عمان کی جانب ٹیلوں کی آڑ میں چلی جاتیں اور تیر اندازی اور شمشیر زنی کی مشق کیا کرتیں۔

چنانچہ آج بھی کمسن لڑکے اور لڑکیاں اس میدان میں گئے اور تھوڑی دیر مشق کر کے واپس لوٹ آئے لیکن انیسہ وہیں رہ گئی۔ وہ شمشیر ہاتھ میں لے کر آزمودہ کار جنگجوؤں کی طرح تلوار چلانے لگی۔

ایک تو آفتاب کی حرارت، دوسرے جسمانی مشقت کرنے کی وجہ سے انیسہ کو پسینہ آ گیا اور اس کے گلابی رخسار تیز شہابی ہو کر ایسے معلوم ہونے لگے جیسے گلاب کے پھول شبنم پڑنے سے شاداب ہو جاتے ہیں۔ اس کے لب لعلینِ احمری بن گئے۔ وہ رک گئی اور کھڑی ہو کر سانس لینے لگی۔ اس کی نگاہ دریا کی طرف تھی جو اس سے کچھ فاصلہ پر قدرے نشیب میں بہہ رہا تھا اور آفتاب میں اس کا سفید پانی سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا نہایت آہستگی سے رواں تھا۔

وہ بے خبری کے عالم میں شمشیر بکف کھڑی تھی۔ اس کے خوبصورت سر سے دوپٹہ کا آنچل کھسک کر پشت پر جا پڑا تھا اور سیاہ زلفیں مانگ نکلی ہوئی، جاذبِ نظر بن گئی تھیں۔

چونکہ اس نے کافی مشق کی تھی اس لئے سانس تیزی سے لے رہی تھی۔ اس نے دفعتاً کسی کی آواز سنی جو کہہ رہی تھی:

''پیاری لڑکی مجھے ایک بات بتاؤ گی؟''

اس نے حیران ہو کر اس طرف نگاہ کی جس طرف سے آواز آئی تھی۔ وہ جوگن کو اپنے سامنے کھڑی دیکھ کر حیرت واستعجاب میں غرق ہو گئی۔

یہ جوگن شوبھا دیوی تھی۔ اس کے چہرہ سے عظمت وجلال ظاہر ہو رہا تھا۔ انیسہ حشر خرامی سے لچکتی اور بل کھاتی اس کی طرف بڑھی اور اس کے قریب پہنچ کر نہایت شیریں لہجہ میں بولی:

''آپ نے مجھے حیران کر دیا ہے۔ آپ ہندو جوگن معلوم ہوتی ہیں لیکن ترکی صاف بول رہی ہیں۔ یہ کیا بات ہے؟''

شوبھا دیوی: ''بیٹی!! میں نے ترکی زبان سیکھی ہے اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟''

انیسہ: ''کیا سومنات کی اور عورتیں بھی ترکی زبان سے واقف ہیں؟''

شوبھا دیوی: ''نہیں۔''

انیسہ: ''پھر آپ نے کس سے ترکی زبان سیکھی؟''

شوبھا دیوی: ''پیاری بیٹی!! تم بڑی فرزانہ معلوم ہوتی ہو۔ یہ بات کہ میں نے ترکی زبان کہاں، کب اور

کس سے سیکھی شاید تمہیں ایک راز معلوم ہو جائے!''

انیسہ: ''آپ کیوں نہیں بتا دیتیں؟''

شوبھا دیوی: ''یہ میرا راز ہے اور میں اس راز کو اس وقت ظاہر کروں گی جب اس کا وقت آ جائے گا۔''

انیسہ: ''اور وہ وقت کب آئے گا؟''

شوبھا دیوی: ''جب سومنات فتح ہو جائے گا۔''

انیسہ: ''کیا آپ کو یقین ہے کہ سومنات فتح ہو جائے گا؟''

شوبھا دیوی: ''ہاں مجھے یقین ہے۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ غازی سلطان محمود نے کسی ملک یا شہر یا قلعہ پر حملہ کیا ہو اور اسے بغیر فتح کئے چھوڑ دیا ہو۔''

انیسہ: ''بے شک!! اچھا آپ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتی ہیں؟''

شوبھا دیوی: ''کیا چندر موہنی کو مسلمان اٹھا لائے ہیں؟''

چندر موہنی کا نام تمام مسلم عورتوں، مردوں حتیٰ کہ بچوں تک نے سنا تھا۔ انیسہ بھی جانتی تھی۔ اس نے کہا:

''نہیں، چندر موہنی کو مسلمان اٹھا کر نہیں لائے۔''

شوبھا دیوی: ''اور اگر لاتے تو سراپردہ میں ہی لے کر آتے!''

انیسہ: ''بیشک!! لیکن کیا چندر موہنی قلعہ میں سے غائب ہو گئی ہے؟''

شوبھا دیوی: ''ہاں، نہایت پراسرار طریقہ پر۔''

انیسہ: ''اور آپ اس کی تلاش میں ہو۔''

شوبھا دیوی: ''میں نے اس قلعہ میں، شہر میں، مندر میں، غرض ہر جگہ تلاش کیا۔ جب وہ وہاں نہیں ملی تب اسلامی لشکر میں ڈھونڈنے آئی ہوں۔''

انیسہ: ''لیکن میں اطمینان دلاتی ہوں وہ اسلامی لشکر میں نہیں لائی گئی۔''

شوبھا دیوی: ''مجھے اطمینان ہو گیا۔ اچھا بچی، خدا حافظ پھر آؤں گی اور پھر ملوں گی۔''

شوبھا دیوی چلی گئی اور انیسہ اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھتی رہ گئی۔

باب ۲۰

شریر حسینہ

انیسہ شوبھا دیوی کو اس وقت تک دیکھتی رہی جب تک وہ نظر آتی رہی۔ جب ٹیلوں کی آڑ میں غائب ہوگئی تو اس نے اپنے دل میں کہا:

"کس قدر نڈر اور جری ہے یہ جوگن؟ بے دھڑک اسلامی لشکر میں چلی آئی۔ اس کا چہرہ کس قدر خوشنما اور پرجلال معلوم ہو رہا تھا، ترکی زبان کس قدر صفائی اور روانی سے بول رہی تھی۔ تلفظ کتنا درست تھا............؟ ایک غیر مسلم عورت اور اس شگفتگی سے بولے تعجب ہے......! سنا ہے اکثر ہندو عورتیں جادوگر ہوتی ہیں............ کہیں یہ جادوگرنی تو نہ تھی۔"

وہ کچھ خوف زدہ ہوکر ادھر دیکھنے لگی جس طرف شوبھا دیوی گئی تھی لیکن اس کا پتہ نہ تھا۔ پھر اس نے خود ہی کہا:

"میں کس قدر ڈرپوک ہوں۔ جادو کا نام آتے ہی خوفزدہ ہوگئی۔ اول تو جادو کوئی چیز ہی نہیں اور اگر ہے بھی تو قرآن شریف کی آیتیں اور سورتیں پڑھنے سے باطل ہو جاتا ہے............"

وہ خیالات کے رو میں بہی جا رہی تھی کہ کسی نے پکارا:

"انیسہ !! کیا کھڑی سوچ رہی ہو؟"

وہ چونکی اور جب نگاہ اٹھا کر دیکھا تو برہان سامنے کھڑے تھے۔ وہ شوخی سے ان کی طرف گھوم گئی۔ برہان آہستہ آہستہ اس زرفام کی طرف بڑھے۔ انیسہ کے ہاتھ میں اب بھی تلوار تھی۔ برہان نے کہا: "شمشیر زنی کی مشق ہو رہی ہے؟"

انیسہ نے متبسم ہوکر کہا:

"جی ہاں!!............ آپ اس وقت یہاں کیسے آ نکلے؟"

برہان اس سیم تن کے پاس آ کر کھڑے ہوگئے اور للچائی ہوئی نگاہوں سے اس کے رخِ زیبا کو دیکھتے

ہوئے بولے: ''اتفاقیا آنکلا۔''

انیسہ نے تبسم کے پھول برساتے ہوئے کہا:

''اور اتفاق دیکھئے کہ آپ ہمیشہ اتفاقیہ ہی آنکلتے ہیں۔ اس روز بھی اتفاقیہ ہی آگئے تھے جس روز.........لیکن خیر!''

اس کی ناز بھری چتون سے شرارت اور ہوش ربا آنکھوں سے شوخی ٹپکنے لگی۔ لبِ لعلیں پر تبسم کھیلنے لگا۔ سرخ وسفید عارض پر حسن کی لہر دوڑ گئی۔

برہان اس حشر بہ داماں دوشیزہ کو محبت پاس نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، انہوں نے کہا:

''کہئے کہئے، کس روز میں اتفاقیا آنکلا تھا؟''

انیسہ: ''جس روز کفار نے کشتیوں کے ذریعہ سے حملہ کرنے کا قصد کیا تھا۔ وہ تو حسنِ اتفاق سے آپ آئے ورنہ.........''

برہان: ''ورنہ وہ تمہیں پکڑ کر لے جاتے انیسہ!''

انیسہ: ''نہ صرف مجھے بلکہ تمام لڑکیوں اور ساری خواتین کو۔ سب آپ کی بہت زیادہ مشکور ہیں۔ اکثر آپ کا تذکرہ سراپردہ میں ہوتا رہتا ہے۔''

برہان: ''مگر مجھے اس سے کیا؟''

انیسہ: ''تب آپ کیا چاہتے ہیں؟''

برہان: ''وہ بتِ سنگدل بھی میرا تذکرہ کرے جو میری خوابوں کی دنیا ہے۔''

انیسہ نے ہنس کر دریافت کیا: ''اور وہ کون ہے؟''

برہان: ''وہ تم ہو انیسہ۔ جب تک جاگتا رہتا ہوں تمہارے خیال میں پڑا رہتا ہوں اور جب سو جاتا ہوں تو خواب میں دیکھتا ہوں۔''

انیسہ شرما گئی۔ اس کی بڑی بڑی رسیلی آنکھیں جھک گئیں۔ برہان نے کہا:

''تم تو شرما گئیں۔ اس میں شرمانے کی کیا بات تھی؟''

انیسہ نے شرمیلی نظروں سے برہان کو دیکھتے ہوئے کہا:

''آپ اس قسم کا تذکرہ کیوں کرتے ہیں؟''

برہان: ''اس لئے تاکہ تمہیں میری کیفیت معلوم ہوتی رہے۔''

انیسہ: ''مہربانی کر کے اس قسم کا ذکر.........''

برہان نے قطعِ کلام کرتے ہوئے کہا:

''نہ کیا کروں............. بہت چاہتا ہوں کہ ضبط کروں حالِ دل نہ کہوں لیکن نہیں رہا جاتا۔ مگر تم اسے پسند نہیں کرتی ہو تو..............''

انیسہ: ''اس میں پسند اور ناپسند کا سوال نہیں ہے بلکہ بدنامی کا خوف ہے۔''

انیسہ نہیں چاہتی تھی کہ برہان یہ اقرار کرے کہ وہ اپنی کیفیت کا اظہار اس پر نہ کیا کرے گا۔ چونکہ اسے بھی دلی لگاؤ تھا۔ وہ بھی اس ذکر سے محفوظ ہو جایا کرتی تھی اور اسی پر کیا منحصر ہے، ہر لڑکی اور ہر عورت اپنی تعریف سن کر خوش ہو جایا کرتی ہے۔

برہان: ''بدنامی اس وقت ہو سکتی ہے جب میں تمہارا تذکرہ کسی اور سے کروں۔''

انیسہ: ''اگر آپ دانستہ ایسا نہ کریں تو نادانستگی میں ہو سکتی ہے۔''

برہان: ''اس وقت جب میں اپنے ہوش و حواس میں نہ رہوں!''

انیسہ نے بات ٹالنے کے لئے کہا:

''حقیقت یہ ہے کہ اس روز آپ نے خوب کام کیا۔ کشتی والے راجپوتوں کو کچھ بھی خبر نہ ہوئی اور آپ نے ان کے لئے جال بچھا دیا۔ پھر ایسا جال جس میں سب ہی بیچارے پھنس کر رہ گئے۔''

برہان: ''اگر تم میری اس ادنیٰ خدمت کی اس قدر مداح ہو تو...........''

انیسہ نے شوخی سے کہا:

''میں تعریف نہیں کر رہی ہوں کہیں آپ...............''

وہ مسکرا کر خاموش ہو گئی۔ پھر ایک توقف کر کے بولی:

''آپ کے آنے سے چند لمحے پہلے ایک ہندو جوگن یہاں آئی تھی!''

برہان نے متحیر ہو کر اس کی طرف دیکھ کر کہا:

''جوگن......اور وہ بھی ہندو جوگن؟ یہاں آئی تھی؟ بچی رہنا انیسہ! ان جادوگرنیوں سے۔ وہ ضرور تمہاری فکر میں آئی ہو گی۔ تمہیں قلعہ یا شہر میں لے جانے کے لئے اور شاید چندر موہنی سے تمہارا مقابلہ کرنے کے لئے۔''

انیسہ: ''وہ چندر موہنی ہی کا پوچھنے آئی تھی۔ راجکماری غائب ہو گئی ہے۔ اس جوگن کا خیال تھا کہ مسلمان اسے اٹھا لائے ہیں۔''

برہان: ''چندر موہنی غائب ہو گئی ہے.............. وہ کہاں جا سکتی ہے۔ اسے کون اٹھا کر لے جا سکتا ہے..............؟''

وہ کچھ سوچنے لگے اور کچھ وقفہ کے بعد بولے:

''میں سمجھ گیا۔ اس میں مہاراجہ سومنات اور ان کے مشیروں کی چال ہے۔ چندر موہنی کہیں نہیں گئی۔ وہ قصر میں ہے۔ اس کے غائب ہونے کی خبر اس لئے مشہور کی گئی ہے تا کہ سلطان محمود اس کے ملنے سے نا امید ہو کر واپس لوٹ جائیں۔ یہ ان کا فریب ہے۔ یہ ان کی چال ہے لیکن اس طرح وہ مسلمانوں اور سلطان کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔''

انیسہ برہان کی صورت تک رہی تھی۔ جب وہ خاموش ہوئے تو اس نے کہا:

''آپ کا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔ ضرور مہاراجہ سومنات نے چندر موہنی کو کہیں چھپا دیا ہے اور یہ مشہور کرایا ہے کہ وہ غائب ہو گئی ہے۔ یہ بات اگر میری سمجھ میں اس وقت آ جاتی جب جوگن یہاں تھی تو میں اس سے کہہ دیتی۔''

برہان: ''اس سے مہاراجہ کے دو مقاصد معلوم ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ مسلمان یہ سن کر واپس لوٹ جائیں اور دوسرا یہ کہ راجپوتوں میں چندر موہنی کی گمشدگی کی خبر مشہور کر کے انہیں یہ کہہ کر کہ مسلمان اسے پکڑ کر لے گئے ان میں جوش و غضب پیدا کرا دیں تا کہ وہ ٹوٹ کر لڑیں۔''

انیسہ: ''آپ کے دونوں خیال درست ہیں۔''

برہان: ''مجھے خوف ہے کہیں راجپوت اچانک مسلمانوں پر نہ آ پڑیں۔''

برہان کو شبخون کا واقعہ معلوم نہ ہوا تھا۔ وہ سمندر کے کنارے پر اتنے فاصلہ پر مقیم تھے کہ جنگ کا شور بھی ان تک نہ پہنچ سکا تھا۔ انہوں نے کہا:

''انیسہ اب دھوپ تیز ہو گئی ہے تم واپس سراپردہ میں جاؤ۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ تنہا نہ آیا کرو لیکن تم نہیں سمجھتی ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی فساد پڑ جائے۔''

انیسہ: ''اب میں زیادہ دور نہیں جاتی ہوں۔ آیندہ اور بھی احتیاط رکھوں گی۔''

وہ سراپردہ کی طرف چل پڑی۔ برہان اسے دیکھتے رہے۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو وہ بھی ساحلِ سمندر کی طرف چل پڑے۔

دھرمپال کی گرفتاری:

راجپوتوں کا شبخون ناکامیاب رہا تھا۔ انہیں زبردست ہزیمت ہوئی تھی۔ ہزاروں راجپوت قتل و زخمی ہو گئے تھے۔ ہزاروں جنگل میں گھس کر بھاگ گئے تھے۔ بہت کم سپاہی ایسے تھے جو صحیح اور سالم قلعہ میں واپس آئے تھے۔ ان میں سکھدیو بھی تھا۔

سکھدیو جنگ میں شریک ہی نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ جب وہ دھرمپال سے گفتگو کر کے بڑھا تو

مسلمانوں نے اچانک راجپوتوں پر حملہ کر کے انہیں نرغہ میں لے لیا تھا اور اس لئے سکھد یو قلعہ کی جانب خاموش کھڑا ہو کر جنگ گاہ کی طرف دیکھنے کی ناکام کوشش کرتا رہا تھا۔

جب چاند نکل آیا تھا تو وہ چاندنی میں ہولناک جنگ ہوتے دیکھتا رہا اور جب صبح کے وقت راجپوت شکست کھا کر تتر بتر ہوئے تو سب سے پہلے وہی بھاگ کر قلعہ میں داخل ہوا تھا اور اس نے ہی ان قلعہ والوں کو جو بھاگ رہے تھے اور شبخون کا نتیجہ معلوم کرنے کے منتظر تھے یہ بد خبر سنائی تھی کہ راجپوتوں کو شکستِ فاش ہوئی۔ مسلمان کامیاب ہوئے اور شبخون ناکامی پر ختم ہو گیا۔

اس خبر کو سن کر راجپوتوں میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ ان کے دلوں پر مسلمانوں کی ہیبت طاری ہو گئی اور وہ یہ سمجھ گئے کہ اگر جنگ کا یہی حال رہا تو مسلمان ضرور ایک دن سومنات کے قلعہ، شہر اور مندر پر قابض ہو جائیں گے۔

جب دن نکل آیا تو مہاراجہ سومنات قصر سے برآمد ہو کر دربارِ خاص کے کمرہ میں آ بیٹھے۔ انہیں راجپوتوں کی ہزیمت کا حال ابھی تک معلوم نہیں ہوا تھا۔ وہ خوشخبری سننے کے منتظر تھے کہ سکھد یو آیا اور نہایت ادب اور تعظیم سے سلام کر کے بیٹھ گیا۔

مہاراجہ نے اس کی صورت دیکھی۔ اس کے چہرہ سے مایوسی اور رنج و غصہ کی علامتیں ظاہر ہو رہی تھیں۔ مہاراجہ نے بھانپ لیا کہ معاملہ شاید دگرگوں ہو گیا ہے۔ انہوں نے دریافت کیا:

"کہیے شبخون کا کیا حشر ہوا؟"

سکھد یو گویا بھرا بیٹھا تھا۔ اس نے کہا:

"ناکامی ہوئی، راجپوتوں کو شکستِ فاش اٹھانی پڑی۔"

مہاراجہ کو اس خبر کے سننے سے ملال ہوا۔ انہوں نے افسوس کرتے ہوئے کہا:

"کس قدر افسوسناک امر ہے کہ مہادیو سومنات جی دیکھ رہے ہیں کہ پاپی ملیچھ ان کے پوتر استھان کو نجس کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ ان کے پجاریوں کو قتل و برباد کر رہے ہیں لیکن وہ ان کا ناس نہیں کرتے۔ اپنے سیوکوں کو ان کے ظالم ہاتھوں سے نہیں بچاتے .... ہاں کس قدر لشکر نے شبخون مارا تھا؟"

سکھد یو: "بیس ہزار راجپوتوں نے حملہ کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ہمارا خونخوار لشکر مسلمانوں کو پیس کر رکھ دے گا لیکن افسوس یہ تمام لشکر تباہ ہو گیا۔"

مہاراجہ کو دلی صدمہ ہوا۔ انہوں نے کہا:

"بیس ہزار راجپوت تباہ و برباد ہو گئے۔ اتنی عظیم تعداد فنا ہو گئی، یہ کیسے ہوا؟"

سکھدیو: ''اب اگر میں یہ بیان کروں کہ شبخون کیوں ناکامیاب ہوا، اتنا عظیم الشان لشکر کیسے برباد ہو گیا تو شاید حضور کو یقین نہ آئے گا۔''

سکھدیو کو دھرمپال سے کد ہو گئی تھی۔ یہ عداوت اس وقت سے اور بھی بڑھ گئی تھی جب سے اسے معلوم ہوا تھا کہ دھرمپال نے چندر موہنی سے اس کے عقد کی ممانعت کر کے شادی کے معاملہ کو کھٹائی میں ڈلوا دیا تھا۔ وہ اب تک اس دشمنی کو دل میں لئے رہا اور آج اس مخاصمت کو نکالنے پر آمادہ ہو گیا۔

مہاراجہ نے دریافت کیا:

''مجھے یقین کیوں نہ آئے گا؟ کیا میں نہیں جانتا کہ تم ملک وقوم کے بہی خواہ ہو، سومنات جی کے پجاری ہو۔ میرے اور میری قوم کے خیر اندیش ہو۔''

سکھدیو: ''یہ درست ہے۔ حضور یہ سب باتیں جانتے ہیں لیکن جن کی شکایت میں کرنے لگا ہوں، شاید آپ.........ایک لفظ بھی ان کے خلاف سننا پسند نہ کریں گے۔''

مہاراجہ کو ملال بھی تھا اور غصہ بھی۔ انہوں نے کہا:

''تم کہو، سب کچھ کہو، میں سنوں گا.......... میں سننا چاہتا ہوں کس نے غداری کی؟ کس نے ہندو جاتی کو نقصان پہنچایا؟''

سکھدیو: ''تو سنیئے، ان سے غداری کی کبھی امید نہیں کی جا سکتی جو ملک وقوم کے بہی خواہ سمجھے جاتے ہیں جن کا احترام نہ صرف حضور ہی کرتے ہیں بلکہ ساری ہندو قوم ان کی تعظیم کرتی ہے۔''

مہاراجہ: ''معموں میں باتیں نہ کرو۔ صاف صاف کہو وہ کون ہے۔''

سکھدیو: ''وہ دھرمپال ہیں، مہا گرو جی.....................''

مہاراجہ کی آنکھیں اور منہ فرطِ حیرت سے کھلے رہ گئے۔ چند لمحے تو ان کی باتیں کرنے کی قوت ہی جاتی رہی، کچھ توقف کے بعد انہوں نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا:

''کیا دھرمپال نے غداری کی؟''

سکھدیو: ''میں سنی ہوئی باتوں پر یقین نہیں کرتا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اسلامی لشکر کی طرف سے آتے ہوئے دیکھا...................''

مہاراجہ: ''وہ اسلامی لشکر کیوں گئے تھے؟''

سکھدیو: ''مسلمانوں کو شب خون کی اطلاع دینے اور ان کا کیا کام ہو سکتا تھا۔ دیکھئے حضور کو یقین نہیں آیا؟ میں نے پہلے ہی اس بات کو کہا تھا۔''

مہاراجہ: ''یقین آنیوالی بات ہی نہیں ہے۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو گویا خود میں نے ایسا کیا۔ صرف میں ہی نہیں بلکہ ساری قوم ان کا احترام کرتی ہے۔ وہ ہندوؤں کے ہمدرد اور ہندوستان کے بہی خواہ ہیں وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔''

سکھدیو نے مسکرا کر کہا:

''لیکن انہوں نے ضرور ایسا کیا۔ آپ بلا کر دریافت کر لیں۔ وہ سچ بولتے ہیں ممکن ہے اقبال کر لیں۔''

مہاراجہ: ''میں ابھی انہیں بلواتا ہوں۔''

مہاراجہ نے دستک دی۔ ایک چوبدار حاضر ہوا۔ مہاراجہ نے کہا:

''مہا گرو جی کو حاضر کرو۔''

چوبدار چلا گیا۔ سکھدیو نے کہا:

''ان داتا کو یاد ہوگا کہ جب شبخون مارنے کی تجویز کی جا رہی تھی تو گرو جی نے مخالفت کی تھی اور یہ بات بھی حضور نے سنی ہوگی کہ جب راجکماری مہا گرو جی سے ملنے گئی تھی تو دو ترک گرو جی سے ملنے آئے تھے۔''

مہاراجہ: ''یہ بھی سنا تھا!''

سکھدیو: ''اور گرو جی نے راجکماری کو ملیچھ سلطان کے حوالے کر دینے کا مشورہ بھی دیا تھا؟''

مہاراجہ: ''بے شک مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ انہوں نے ایسا مشورہ دیا تھا۔''

سکھدیو: ''کیا ان تمام باتوں کو ملا کر غور کرنے سے یہ بات واضح نہیں ہو جاتی کہ وہ دشمنوں سے ساز باز کئے ہوئے ہیں بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ راجکماری کو غائب کرنے میں بھی ان کا ہی ہاتھ ہے۔''

مہاراجہ: ''تم نے سچ کہا سکھدیو!! اِس وقت کی تمہاری گفتگو سے میرے دل اور آنکھوں پر پڑا ہوا پردہ اٹھ گیا ہے۔ میں اب تک مغالطہ میں رہا۔ میں نے انہیں ....''

اسی وقت چوبدار نے حاضر ہو کر مہا گرو جی کی باریابی کی اطلاع دی۔ مہاراج نے انہیں حاضر ہونے کی اجازت دے دی۔ دھرمپال نے آ کر سلام کیا۔ انہوں نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا کہ مہاراج کے تیور بدلے ہوئے ہیں، وہ ایک طرف بیٹھ گئے۔

سکھدیو نے دھرمپال سے مخاطب ہو کر کہا:

''گرو جی مہاراجہ!! آپ ہمیشہ سچ بولتے رہے ہیں۔ یقین ہے جو کچھ کہوں گا آپ سچ سچ جواب دیں گے۔''

دھرمپال: ''مجھے جھوٹ سے سخت نفرت ہے۔ ہمیشہ سچ بولتا رہا ہوں آئندہ بھی سچ بولوں گا۔''

سکھدیو: ''آپ رات اسلامی لشکر میں گئے تھے؟''

دھرمپال: ''ہاں گیا تھا۔''

مہاراجہ چونک پڑا اور حیرت سے دھرمپال کو دیکھنے لگا لیکن دھرمپال نے ان کی یہ کیفیت نہیں دیکھی۔

وہ سکھدیو کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سکھدیو نے کہا:

''اور آپ نے مسلمانوں کو راجپوتوں کے شبخون مارنے کی اطلاع دی۔''

دھرمپال نے دلیری سے کہا:

''جی ہاں میں نے انہیں اطلاع دی۔''

مہاراجہ کو سخت ناگوار گزرا۔ انہیں غصہ آ گیا، انہوں نے غضب ناک لہجہ میں کہا:

''آپ نے اطلاع دی، آپ نے غداری کی؟''

دھرمپال: ''بے شک میں نے ایسا کیا۔ میں شبخون مارنے کو اس لئے ناپسند کرتا تھا کہ یہ بزدلی کی بات تھی۔ راجپوت اس دغابازی کی جنگ کو کبھی پسند نہیں کرتا۔''

مہاراجہ: ''لیکن لڑائی میں دھوکہ دینا اور فریب کرنا ہر مذہب میں جائز و درست ہے۔''

دھرمپال: ''مگر بہادر آدمی اسے کبھی پسند نہیں کر سکتا۔''

مہاراجہ: ''افسوس گرو جی!! آپ نے بیس ہزار راجپوتوں کو برباد کرا کر قوم کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا دیا.................لیکن میں آپ کی اس نازیبا حرکت اور ناقابلِ معافی قصور سے چشم پوشی کر لوں گا بشرطیکہ آپ چندر موہنی کو مجھے دے دیں۔''

دھرمپال: ''مگر چندر موہنی میرے پاس ہے کہاں؟''

مہاراجہ: ''اسے آپ نے ہی غائب کرایا ہے، آپ ہی کا یہ کام ہے کہ اسے میرے پاس لے آئیں۔''

دھرمپال: ''یہ بالکل جھوٹ ہے کہ چندر موہنی کو میں نے غائب کرایا۔ آپ نہیں جانتے کہ مجھے اس سے کیوں اور کس قدر محبت ہے۔ میرے خیال میں اس کے راز کھلنے کا وقت آ گیا ہے..................''

مہاراجہ: ''آپ راز کھلنے کی دھمکی دے کر مجھے چپ رہنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ اگر ضرورت پڑی تو میں خود ہی ایک دن اس راز کو سب پر ظاہر کر دوں گا..........''

دھرمپال: ''لیکن آپ جس راز کو سمجھے میں اس کی طرف اشارہ نہیں کر رہا ہوں میں اپنے متعلق کہہ رہا

ہوں۔میری ذات سے بھی ایک راز تعلق رکھتا ہے۔"

مہاراجہ: "مجھے آپ کے راز سے کوئی سروکار نہیں، میں چندر موہنی کو چاہتا ہوں، اسے میرے حوالہ کر دیجئے۔"

دھرمپال: "میں سچ کہتا ہوں کہ چندر موہنی میرے پاس نہیں ہے۔میں سراغ لگا رہا ہوں کہ اسے کس نے غائب کیا ہے۔"

مہاراجہ: "کیا گروجی!! آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ سختی کروں؟"

دھرمپال: "میرے ساتھ سختی کرنا ملک اور قوم کو تباہ کر دے گا۔"

مہاراجہ: "آپ دھمکیاں دینے لگے ہیں...............؟"

مہاراجہ کو طیش آ گیا۔اس نے دستک دی۔چوبدار حاضر ہوا، مہاراجہ نے کہا:

"چند سپاہیوں کو بلاؤ۔"

چوبدار چلا گیا۔دھرمپال نے کہا:

"دیکھئے غصہ برا ہوتا ہے، غضبناک ہو کر ایسی حرکت نہ کیجئے جس سے بعد میں پچھتانا پڑے۔"

مہاراجہ: "میں جو کچھ کر رہا ہوں اسے خوب سمجھتا ہوں۔"

اس وقت چند سپاہی حاضر ہوئے، مہاراجہ نے حکم دیا:

"گروجی دھرمپال کو گرفتار کر لو۔"

سپاہی دھرمپال کو گرفتار کرنے کے لئے بڑھے۔سکھدیو کی آنکھوں سے فتح مندانہ مکاری کی چمک ظاہر ہوئی۔

دھرمپال نے دیکھ لیا، انہوں نے کہا:

"سکھدیو!! تم نے آج فساد کا جو بیج بویا ہے وہ زہریلا پھل لائے گا، سومنات تباہ ہو جائے گا۔میں اس فکر میں تھا کہ صلح وآشتی ہو جائے ملک برباد نہ ہو لیکن..........."

مہاراجہ نے غصہ بھرے لہجہ میں کہا:

"جو کچھ ہونا ہے، ہو کر رہے گا لیکن ایک غدار کو اس کی غداری کی سزا ضرور دی جائے گی۔"

دھرمپال نے سنجیدگی سے کہا:

"اب میں ایک لفظ بھی نہ کہوں گا لیکن میری بے گناہی ضرور ایک دن ظاہر ہو کر رہے گی۔"

مہاراجہ نے سپاہیوں کو کچھ اشارہ کیا اور وہ دھرمپال کو پابہ جولاں کر کے لے گئے۔

باب ۲۱

ایک مخبر سادھو

جب انیسہ برہان کی نظروں سے اوجھل ہوگئی تو وہ بندرگاہ کی طرف اپنے دستہ کی جانب روانہ ہوئے۔ وہ سوچتے جاتے تھے کہ کیا واقعی چندر موہنی غائب ہوگئی ہے یا مہاراجہ نے اسے کہیں چھپا دیا ہے اور اعلیٰ حضرت غازی الملت عالم پناہ سلطان محمود کو دھوکہ میں ڈالنے کے لئے یہ بات مشہور کی ہے۔

ان کا دل یہ گواہی دیتا تھا کہ وہ غائب نہیں ہوئی بلکہ اس کی مفقود الخبر ی کی خبر غلط دی گئی ہے۔

اس غور وخوض میں وہ سمندر کے ساحل پر جا پہنچے لیکن وہ کچھ ایسے خیالات میں محو و منہمک تھے کہ انہیں خبر ہی نہ ہوئی کہ کس طرف نکل آئے ہیں۔

خدا جانے وہ کب تک اور غریق خیال رہتے کہ انہوں نے ایسی آواز سنی جیسے کوئی پانی میں تیر رہا ہے۔ اس آواز کے سننے سے ان کا سلسلۂ خیال ٹوٹ گیا اور انہوں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔

سامنے سمندر تھا، نیلگوں پانی حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ انہوں نے دل میں کہا:

''کیا غلطی کی ہے میں نے؟ یہ میں کہاں چلا آیا...... دشمنوں کے عین سامنے۔ اگر وہ دیکھ کر حملہ کر دیں تو...... اوہ حملہ کر دیں کرنے دو جہاد ہی تو کرنے کے لیے آیا ہوں۔ شہادت میری عین تمنا ہے!...... لیکن تیرنے کی آواز کس کی آئی تھی؟''

انہوں نے پھر نگاہ اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا۔ بائیں جانب قصر شاہی کے دو بڑے برج تھے جو ان سے قدرے فاصلہ پر تھے۔ دونوں برج سمندر میں واقع تھے۔ بحرِ بیکراں کا پانی برجوں کی پابوسی کر رہا تھا۔

ان دونوں برجوں میں تقریباً ساٹھ گز کا فاصلہ تھا اور اس درمیانی فاصلہ میں سیڑھیاں بنی

ہوئی تھیں۔ ہر سیڑھی نو فٹ چوڑی تھی۔

برہان سمجھ گئے کہ قلعہ یا قصر شاہی سے آنیوالوں کے لئے برج بنائے گئے ہیں اور سیڑھیاں اس لئے ہیں تا کہ جب کشتی یا جہاز میں کوئی سوار ہونا چاہے تو ان سیڑھیوں کے ذریعہ سے پانی تک پہنچ جائے۔

دونوں برجوں کے متصل سیڑھیوں کے اختتام پر ناریل کے درختوں کے جھنڈ تھے۔ اسی طرف کشتیاں اور جہاز سمندر میں پڑے ہوئے تھے اور راجپوت ان کی محافظت کر رہے تھے۔

لیکن ان سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ایک جٹا دھاری سادھو پانی سے نکل کر ساحل پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ انہوں نے حیرت سے سادھو کو دیکھا۔

ابھی وہ دیکھ ہی رہے تھے کہ پانی کی زبردست موج نے سادھو کو ساحل سے دور سمندر میں پھینک دیا۔

برہان کی نگاہ سادھو کی طرف تھی۔ مطلع صاف تھا اور سورج نہایت تیزی سے چمک رہا تھا۔ قدرے ہوا چل رہی تھی۔ سمندر میں موجیں اٹھ رہی تھیں اور بڑھ بڑھ کر ساحل سے ٹکرا رہی تھیں۔

برہان نے دیکھا کہ سادھو پھر اپنی پوری قوت سے تیرتا ان کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔ جب وہ کنارے سے آلگا تو پھر موج نے اسے ہٹانا چاہا۔ برہان سمجھ گئے کہ سادھو کی طاقت جواب دے چکی ہے، اگر پھر کوئی لہر کھینچ کر اسے سمندر میں لے گئی تو وہ ڈوب جائے گا۔ انہوں نے جلدی سے اپنا عمامہ اتار کر آواز دی:

''خبردار!! گھبراؤ نہیں لو میرا عمامہ پکڑ لو۔''

یہ کہتے ہی انہوں نے عمامہ پھینکا۔ اتفاق سے اس کا پلہ سادھو تک پہنچ گیا جسے سادھو نے جلدی سے پکڑ لیا اور اس کے سہارے سے ساحل پر آ گیا۔

جب وہ سمندر سے نکل کر کھڑا ہوا تو اس نے مشکورانہ نظروں سے برہان کو دیکھتے ہوئے ترکی زبان میں کہا:

''میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔ آج آپ کی وجہ سے میری جان بچ گئی۔''

برہان نے حیرت ناک نظروں سے دیکھ کر کہا:

''شکریہ کی ضرورت نہیں۔ انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ انسان کو بچانے کی کوشش کرے لیکن تم ترکی زبان کیسے جانتے ہو؟''

سادھو: ''اس کی نہ پوچھو، ہم سادھو اکثر زبانیں جانتے ہیں۔ تمہارا نام کیا ہے جوان؟''

برہان: ”مجھے برہان کہتے ہیں۔“

سادھو: ”آپ کوئی افسر معلوم ہوتے ہیں۔“

برہان: ”ہاں ایک دستہ میرے تحت بھی ہے۔“

سادھو: ”میں ایسے ہی شخص کی تلاش میں تھا سنو!! میں سلطان تک ایک خبر پہنچانا چاہتا ہوں، کیا آپ اقرار کرتے ہیں کہ جو میں کہوں گا آپ سلطان تک پہنچا دیں گے؟“

برہان کی حیرت بڑھتی جاتی تھی۔ انہوں نے کہا:

”اطمینان رکھو جو کچھ تم کہو گے میں سلطان تک پہنچا دوں گا۔“

سادھو: ”تم ان سے کہ دو کہ دھر مپال کو مہاراجہ نے قید کر دیا ہے۔“

برہان کو یہ بات سن کر بڑا رنج ہوا، انہوں نے کہا:

”دھر مپال کو قید کر دیا، کیوں؟“

سادھو: ”ان پر مسلمانوں سے ساز باز کرنے کا الزام لگایا گیا ہے۔ اندیشہ ہے کہیں انہیں قتل نہ کر دیا جائے۔“

برہان: ”غالباً تم یہ چاہتے ہو کہ سلطان حملہ میں عجلت کریں۔“

سادھو: ”ہاں میرا یہی مطلب ہے۔ حملہ کی سختی کو دیکھ کر راجپوت اور مہاراجہ سب لڑائی کی طرف متوجہ رہیں گے۔ دھر مپال کے متعلق کوئی فیصلہ جلد نہ کر سکیں گے۔“

برہان: ”یقین ہے سلطان محمود اس خبر کو سنتے ہی سختی سے حملہ کر دیں گے۔“

سادھو: ”اب آپ مجھ پر حملہ کریں تا کہ وہ راجپوت جو مجھے اور آپ کو باتیں کرتے دیکھ رہے ہیں مشکوک ہو کر مجھے بھی گرفتار نہ کر لیں۔“

برہان: ”لیکن تم اب قلعہ میں جاتے ہی کیوں ہو؟“

سادھو: ”میرا واپس جانا ضروری ہے میں دھر مپال کی رہائی کی فکر میں ہوں۔“

برہان: ”اچھا ایک بات اور بتا دیجئے۔“

سادھو: ”کیا؟“

برہان: ”کیا چندر موہنی غائب ہو گئی ہے؟“

سادھو: ”ہاں پراسرار طریقہ پر غائب ہو گئی ہے، تمام راجپوتوں کا یہ خیال ہے کہ مسلمان اسے اٹھا کر لے گئے ہیں۔“

برہان: ”لیکن وہ اسلامی لشکر میں نہیں لائی گئی۔“

سادھو: ''مجھے اور دھرمپال جی کو اس کا یقین پہلے ہی سے ہے۔ اچھا اب آپ مجھ پر حملہ کریں۔''

برہان نے تلوار کھینچ لی سادھو زقند لگا کر پیچھے کودا۔ برہان نے بڑھ کر تلوار کا ہاتھ مارا۔ سادھو پینترا بدل کر پھر کودا اور سمندر میں جا پڑا۔ برہان نے بھی پائنچے چڑھائے اور کچھ دور تک پانی میں بڑھے لیکن اس عرصہ میں سادھو تیر کر دور تک نکل گیا اور برہان بلند آواز سے کہتے جھکتے پانی سے نکل آئے اور اپنے لشکر کی طرف پہنچے۔

اب وہ دھرمپال کے قید ہونے کے متعلق سوچنے لگے۔ سوچتے ہوئے چلے جا رہے تھے کہ کسی نے پکارا:

''خوب! آپ اس طرف سے کہاں سے آرہے ہو؟''

برہان چونک پڑے۔ انہوں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو ہارون سامنے کھڑے مسکرا رہے تھے

برہان نے کہا:

''دوست آج عجیب باتیں معلوم ہوئی ہیں!''

ہارون: ''میں باتیں پھر سنوں گا پہلے یہ بتاؤ کہ صبح سے تھے کہاں؟''

برہان: ''میں ذرا سراپردہ کی طرف چلا گیا تھا......!!''

ہارون نے ہنس کر کہا:

''اللہ رے اضطراب، اللہ رے شوق دید ضبط نہ ہوا۔ اچھا دیدار بھی ہوا یا نہیں؟''

برہان: ''ہوا دوست، آپ کے لئے ایک کیا دو خبریں لایا ہوں۔ پہلی تو یہ کہ چندر موہنی قصر شاہی سے غائب ہوگئی۔''

ہارون کو یہ سن کر ملال ہوا۔ انہوں نے پوچھا:

''کچھ معلوم ہوا کہاں گئی؟''

برہان نے انیسہ کے جوگن سے ملنے اور جوگن کے باتیں کرنے کی تمام روئیداد سنا دی۔

ہارون غور سے سنتے رہے، انہوں نے کہا:

''میں سمجھ گیا چندر موہنی کو سکھدیو نے غائب کیا ہے۔''

برہان نے چندر موہنی کے بارے میں جتنے خیالات قائم کئے تھے ہارون کا خیال ان سب سے جدا تھا۔ انہوں نے پوچھا:

''آپ کا یہ خیال کیوں ہے؟''

ہارون: ''سکھدیو کو غالباً یہ خیال ہوا کہ چندر موہنی کی شادی اس کے ساتھ نہ ہوگی۔ غرض وجہ کچھ بھی

ہو لیکن اسے غائب کس مکار نے کیا ہے میں اس سے نمٹ لوں گا۔ اسے چندر موہنی کو دینا ہوگا ورنہ اس کا سر کچل ڈالوں گا۔''

ہارون کا چہرہ جوش سے سرخ ہوگیا۔ فرطِ غیظ سے آنکھوں سے چنگاریاں سی جھڑنے لگیں۔

برہان: ''طبیعت پر قابو حاصل کیجئے ضبط ہر حالت میں اچھا ہوتا ہے۔''

ہارون: ''برہان!! میں ضبط کروں گا، اچھا دوسری خبر کیا ہے؟''

برہان: ''مہاراجہ نے دھرمپال جی کو مسلمانوں سے سازش کرنے کے الزام میں گرفتار کرلیا ہے۔''

اس کے بعد برہان نے سادھو کی تمام گفتگو سنادی۔ اب ہارون کو فکر و تشویش ہوئی، انہوں نے کہا:

''یہ برا ہوا، بہت برا۔ ہمیں فوراً یہ خبر سلطان کے گوش گزار کرنی چاہیے۔''

برہان: ''میں اسی لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔''

ہارون: ''بس تو ایک لمحہ ضائع نہ کرو فوراً چلو۔ کیا تیار ہو؟''

برہان: ''آؤ تو ابھی چلیں۔''

دونوں دوست اسی وقت شاہی لشکر کی طرف روانہ ہوگئے۔

سلطانی احکامات:

ہارون اور برہان دونوں شاہی خیمہ کے سامنے جا کر رکے۔ انہیں دیکھتے ہی خیمہ کے محافظ دستہ نے سلام کیا اور اس دستہ کے افسر نے بڑھ کر کہا:

''آپ کو جہاں پناہ یاد فرما رہے تھے۔''

ہارون: ''میں حاضر ہوگیا ہوں اعلیٰ حضرت سے اطلاع کردو۔''

افسر خیمہ کی طرف بڑھا۔ برہان نے اسے روک کر پوچھا:

''کیا اس وقت جہاں پناہ تنہا ہیں؟''

افسر: ''تنہا نہیں ہیں بلکہ التونتاش اور امیر علی خویشاوند بھی موجود ہیں۔''

ہارون: ''یہ دونوں کب آئے ہیں؟''

افسر: ''ابھی، آپ کی تشریف لانے سے چند لمحے ہی پہلے۔''

ہارون: ''اچھا تم اطلاع کرو۔''

افسر خیمہ کے اندر داخل ہوا اور تھوڑی دیر کے بعد آ کر بولا:

''چلئے جہاں پناہ آپ کے منتظر ہیں۔''

ہارون اور برہان دونوں عالیشان خیمہ میں داخل ہوئے۔ اس خیمہ میں چاروں طرف کشادہ برآمدے تھے اور برآمدوں کے درمیان نہایت وسیع اور خوشنما ہال تھا۔ جب یہ دونوں دوست برآمدہ طے کر کے ہال میں پہنچے تو ان کی نگاہیں سلطان پر پڑیں۔ اس وقت سلطان محمود کے چہرہ سے غیظ و غضب کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ جوش و جلال ٹپک رہا تھا۔ یہ دونوں نہایت ادب سے سلام کر کے ایک طرف خاموشی سے بیٹھ گئے۔ سلطان محمود نے سلام کا جواب کچھ سرسری طور پر دیا۔

ہارون نے دیکھا کہ سلطان محمود کے سامنے وہی بدرنگ خط کھلا ہوا ہے جسے وہ ایک مرتبہ پہلے بھی دیکھ چکے ہیں اور جس کے متعلق سلطان محمود نے فرمایا تھا کہ اس خط سے وابستہ کوئی راز ہے۔

ہارون کو حیرت ہوئی کہ یہ خط کس کا ہے، اس سے کیا تعلق ہے؟ سلطان محمود اسے اکثر کیوں اپنے سامنے کھول کر رکھ لیتے ہیں؟

ابھی وہ سوچ ہی رہے تھے کہ سلطان محمود نے سر اٹھا کر کہا:

''تمہیں معلوم ہوا ہارون کہ چندر موہنی قلعہ کے اندر سے غائب کر دی گئی ہے؟''

ہارون نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا:

''عالم پناہ میں نے بھی ابھی سنا ہے اور یہی اطلاع دینے اس وقت حاضر خدمت اقدس ہوا ہوں۔''

سلطان محمود: ''تو تمہیں بھی یہ بات معلوم ہو گئی تم نے کس سے سنا؟''

ہارون: ''اپنے دوست برہان سے۔''

سلطان محمود نے برہان سے مخاطب ہو کر پوچھا:

''تمہیں برہان کس سے معلوم ہوا؟''

اب برہان شش و پنج میں پڑ گئے۔ انہوں پہلی مرتبہ چندر موہنی کی گم شدگی کا حال انیسہ کی زبان سے سنا تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ انیسہ کا ذکر کریں لیکن جھوٹ بھی نہیں بول سکتے تھے، وہ کچھ غوطہ سے میں آ گئے۔ سلطان محمود ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے چند لمحے انتظار کرنے کے بعد کہا:

''کیا تم اس کا نام لینا نہیں چاہتے جس سے یہ ذکر سنا ہے؟''

التونتاش وہاں موجود تھے اور انیسہ التونتاش کی چہیتی بیٹی تھی۔ وہ کیسے اس کا نام لے دیتے۔ لیکن سلطان دریافت کر رہے تھے اور نام بتانا ضروری تھا۔ انہوں نے کہا:

''عالم پناہ!! مجھے نام بتانے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ جلالتمآب نے سنا ہوگا کہ ایک شب کو میں سر پردہ کے اس طرف دریائے عمان کے کنارہ پر جا نکلا تھا۔ ادھر سے کشتیاں آ رہی تھیں میں نے دیکھ لیا تھا۔''

سلطان محمود نے کہا:

''ہاں ہم یہ روئیداد سن چکے ہیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس وقت کوئی لڑکی بھی دریا کے کنارے پر موجود تھی۔''

برہان: ''جہاں پناہ نے درست سنا تھا۔ جب سے وہ واقعہ پیش آیا تھا میں اکثر جب مجھے شائبہ ملتا ہے سراپردہ کے دوسری طرف نکل جاتا ہوں، اتفاق سے آج بھی چلا گیا۔ دیکھا تو وہی لڑکی موجود تھی جو اس شب کو دریا کے کنارہ پر کھڑی ملی تھی، جہاں میں نے راجپوتوں کو گرفتار کرایا تھا کچھ سراسیمہ اور پریشان وہاں کھڑی تھی .... میں نے اس سے دریافت کیا کہ کیا واقعہ ہوا۔ وہ کیوں متعجب اور پریشان ہے تو اس نے بتایا کہ ابھی ایک جوگن وہاں آئی تھی ....''

سلطان محمود: ''کیا ہندو جوگن؟''

برہان: ''جی ہاں ہندو جوگن، اس نے انیسہ .... اس لڑکی کو بتایا۔''

برہان کی زبان سے اتفاقیہ انیسہ کا نام نکل گیا۔ التونتاش نے چونک کر برہان کو دیکھا۔

سلطان محمود نے پوچھا:

''اس لڑکی کا نام انیسہ ہے؟''

برہان: ''جی ہاں یہی نام بتایا تھا مجھے۔''

سلطان محمود: ''تم شاید جانتے نہیں کہ انیسہ کس کی لڑکی ہے۔ ہم بتاتے ہیں ہم سے سنو!! انیسہ التونتاش کی بیٹی ہے۔

برہان خود اس بات سے واقف تھے، انہوں نے کہا:

''جی انیسہ سے جوگن نے کہا کہ چندر موہنی قلعہ کے اندر اور قصر شاہی کے درمیان سے پر اسرار طریقہ سے غائب ہوگئی ہے اور وہ اس کی تلاش میں آئی تھی ....''

سلطان محمود: ''جوگن وہی خاتون ہوگی ضرور وہی ہوگی میرا دل گواہی دیتا ہے۔''

برہان اور ہارون دونوں حیران رہ گئے۔ ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ سلطان محمود کس خاتون کا ذکر کر رہے ہیں اور جوگن اور خاتون .... یہ کیسے ممکن ہے خاتون کوئی مسلمان عورت ہو سکتی ہے اور جوگن ہندو استری۔

وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ سلطان محمود نے جوش میں آ کر کہا:

''کاش اسے روک لیا جاتا اور اس جانب کوئی خبر کر دی جاتی۔''

ہارون نے ڈرتے ڈرتے کہا:

''عالم پناہ!! وہ کون خاتون تھی؟''

سلطان محمود نے سنبھل کر بولے:

''تم نہیں جانتے ہارون!! سومنات کی فتح پر ایک راز کھلے گا جس کا کئی شخصیات سے تعلق ہے اور جسے سن کر سننے والے حیران رہ جائیں گے۔ یہ خط تم دیکھ رہے ہو؟''

سلطان محمود نے اسی بدرنگ کاغذ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جسے ہارون نے آج دوسری مرتبہ دیکھا تھا۔ ہارون نے کہا: ''دیکھ رہا ہوں سرکارِ عالم!''

سلطان محمود: ''اس خط میں وہ راز بند ہے جو مجھے یہاں تک لانے کا باعث ہوا ہے لیکن اس کے اظہار کا ابھی وقت نہیں آیا۔ ہاں تو جوگن چندر موہنی کو تلاش کرنے آئی تھی، وہ غائب ہو گئی یا غائب کر دی گئی ہے۔''

برہان: ''غالباً غائب کر دی گئی ہے۔''

سلطان محمود: ''یہ کچھ نہیں فقط مہاراجہ کی چال ہے وہ ہمیں مغالطہ میں ڈالنا چاہتا ہے۔ اس کی گمشدگی محض ایک فریب ہے۔''

برہان: ''لیکن ایسا نہیں ہے عالم پناہ!!''

سلطان محمود: ''کیا تمہیں کوئی اور بات معلوم ہے؟''

برہان: ''مجھے اسی وقت ایک سادھو سمندر کے کنارے پر ملا تھا اس نے بتایا کہ چندر موہنی واقعی گم ہو گئی ہے۔''

سلطان محمود: ''اگر اس طرح اس کی گم شدگی کی تشہیر نہ کی جاتی تو لوگوں کو یقین کیسے آتا اور ہم تک اطلاع ہوتی۔''

برہان: ''لیکن وہ سادھو ایک خبر اور بھی سنا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چندر موہنی کی مفقود الخبری کی کچھ اصلیت ضرور ہے۔''

سلطان محمود: ''وہ کیا خبر ہے؟''

برہان: ''مہاراجہ نے دھرمپال کو قید کر لیا ہے۔''

سلطان محمود کے چہرہ سے نہایت تردد و پریشانی کی علامتیں ظاہر ہو رہی تھیں۔

انہوں نے کہا: ''یہ کب ہوا؟''

برہان: ''میں سادھو سے یہ دریافت نہ کر سکا۔''

سلطان محمود: ''میں اس سادھو کو بھی سمجھ گیا ہوں مگر تم نے اسے روک کیوں نہ لیا؟''

برہان: ''وہ دھرمپال کی بہبود کے لئے قلعہ میں واپس چلا گیا ہے۔''

سلطان محمود: ''افسوس!! یہ تو بہت برا ہوا کہ میری تمام محنت غارت ہونے والی ہے۔ (آسمان کی طرف دیکھ کر) یا اللہ تعالیٰ تو کیا میں نامراد رہوں گا؟ کیا تیرے دوستوں پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے؟ میرے مولا!! میرے آقا!! میری مدد کر۔ مجھے شادکام کر اور اپنے ان بندوں کی جو عرصہ سے تکلیفیں اٹھا رہے ہیں، اعانت کر۔''

سب سلطان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سلطان نے دعا مانگ کر دریافت کیا:

''کچھ اور کہا تھا اس سادھو نے؟''

ہارون: ''جی ہاں۔ یہ کہا تھا کہ اعلیٰ حضرت کو آج ہی اس سانحہ کی اطلاع کر کے عرض کر دو کہ وہ فوراً یورش کر دیں۔ ایسی سخت یورش جس سے مہاراجہ کی تمام تر توجہ جنگ کی طرف لگ جائے اور وہ دھرمپال کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کر سکے۔''

سلطان محمود: ''شاید مہاراجہ کو کچھ تصدیق کرنا ہے۔ اگر اسے اصلیت معلوم ہو گئی ہے تو حملہ نہایت ضروری بلکہ فرض ہو گیا ہے۔ میں ضرور حملہ کروں گا، فوراً ہی اور اس قدر سخت حملہ جس سے راجپوت سراسیمہ ہو جائیں اور مہاراجہ خود پریشانی میں ڈوب جائے۔ التونتاش!! تم نے تمام بات سن لی ہے! کل صبح ہوتے ہی اس شدت سے حملہ کرو جس سے دشمن بدحواس ہو جائے۔''

التونتاش نے قدرے خم ہو کر کہا:

''عالم پناہ یہ خانہ زاد سلطانی حکم کی تعمیل کرے گا۔''

سلطان محمود: ''اور امیر علی خویشاوند تم التونتاش کے ساتھ رہو۔ میں تمہارے عقب میں رہوں گا اور ہارون تم اور برہان بندرگاہ پر حملہ کر دو۔ اس قرارداد میں سرِ مو فرق نہ آئے۔ ہمیں دھرمپال کو بچانا ہے۔''

ہارون: ''اعلیٰ حضرت کل اس احقر کی کارگزاری کے متعلق سن لیں گے۔''

سلطان محمود: ''ابھی سے جا کر تیاریاں شروع کر دو۔ اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی دعا مانگو، میں بھی پاک پروردگار سے التجا کروں گا۔''

اس وقت تمام حاضرین اٹھ کر خیمہ سے نکلے اور اپنے اپنے کیمپ کی جانب روانہ ہو گئے۔

سلطان محمود سجدہ میں گئے اور اللہ تعالیٰ سے نہایت عاجزی، خلوص اور خضوع سے دعا مانگنے لگے۔

باب ۲۲

شدید حملہ

چونکہ اگلے روز قلعہ پر حملہ کرنے کی اطلاع تمام اسلامی لشکر میں پہنچ گئی تھی اس لئے مجاہدینِ اسلام نے رات ہی سے تیاریاں شروع کر دیں تھیں۔

صبح جب ہر دستہ نے جماعت کے ساتھ فجر کی نماز ادا کر لی تو مسلح ہو ہو کر میدانِ جنگ میں آنے اور صفیں مرتب کرنے لگے۔

جب ان راجپوتوں نے جو فصیل پر کھڑے تھے مسلمانوں کو مسلح اور صف بستہ ہوتے دیکھا تو وہ سمجھ گئے کہ آج ان کا ارادہ دھاوا کرنے کا ہے۔

انہوں نے فوراً سنکھ پھونکا اور جب اس کی پرشور آواز قلعہ میں گونجی تو ہر ہندو کو معلوم ہو گیا کہ آج پھر مسلمان قلعہ پر یورش کرنے والے ہیں۔

فوراً افسر فصیل پر آ گئے اور راجپوتوں کے فوجی دستے تمام قلعہ میں نقل و حرکت کرنے لگے۔

وہ تمام راجہ اور مہاراجہ جو سومنات کو مسلمانوں سے بچانے کے لئے معہ لشکروں کے آئے تھے، برجوں میں بیٹھے۔ سومنات کا مہاراجہ بھی مخصوص شاہی برج میں آ کر متمکن ہو گئے۔

فوجی افسروں نے فصیل پر چل پھر کر یہ دیکھ لیا کہ تیروں کے گٹھے اور سنگریزوں کے انبار کافی تعداد میں موجود ہیں یا نہیں۔ جس طرف کمی معلوم ہوئی اس طرف اور منگوا کر ڈھیر کر دیئے گئے۔

تمام اہلِ قلعہ فصیل کے جھروکوں اور دیوار کے اوپر سے جھانک کر مسلمانوں کو دیکھ رہے تھے۔

جب آفتاب طلوع ہو کر افقِ مشرق سے قدرے بلند ہو گیا اور اس کی ترچھی شعاعیں سرزمین سومنات میں پھیلنے لگیں تو مسلمانوں نے اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگایا۔

یہ نعرہ اس زور سے لگایا گیا کہ باوجود یہ کہ مسلمان قلعہ سے ایک میل کے فاصلہ پر تھے،

راجپوتوں کو ایسا معلوم ہوا جیسے قلعہ کے نیچے ہی سے نعرہ کی آواز بلند ہوئی ہے۔

اب اسلامی دستے آہستہ آہستہ بڑھنے لگے۔ راجپوتوں نے انہیں بڑھتے ہوئے دیکھتے ہی جے کارے لگانے شروع کیئے۔ ان کی جے کاروں کی آواز گونجتے ہی مندروں میں سنکھ اور گھڑیال بجائے جانے لگے۔ ان مختلف آوازوں سے تمام قلعہ کے قرب و جوار گونج اٹھے تھے۔ ان کے چہروں سے کینہ اور غصہ ٹپکا پڑتا تھا۔ اگر ان کا بس ہوتا تو وہ فصیل سے کود کود کر مسلمانوں کا تیا پانچا کر ڈالتے لیکن جانتے تھے کہ مسلمان میدانِ جنگ میں خونخوار شیر بن جاتے ہیں۔ اس لئے فصیل پر ہی کھڑے اظہارِ غیظ و غضب کر رہے تھے۔

مسلمان نہایت اطمینان سے بڑھے چلے آ رہے تھے۔ دور سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انسانوں کے مجمع میں لہریں اٹھ رہی ہیں۔

قلعہ سے کچھ فاصلہ پر آ کر اسلامی دستے رک گئے اور مسلمانوں نے حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ شانوں پر سے کمانیں اتاریں۔ ترکشوں میں سے تیر نکالے، تیروں کو چلوں میں جوڑا اور اپنے سردار کے حکم کے منتظر ہو گئے۔

سب سے آگے التونتاش کا دستہ تھا۔ التونتاش دستہ کے وسط میں تھے۔ انہوں نے بلند آواز سے تیر افگنی کا حکم دیا۔ فوراً مسلمانوں نے اس طرح تیر چھوڑے جیسے ایک ہی کمان سے نکلے ہوں۔

تیر ہوا کو چیر کر سنسناتے ہوئے فضا میں تیرتے فصیل کی اونچی دیواروں سے جا ٹکرائے۔ راجپوت جو دیوار کے اوپر سے جھانک رہے تھے جلدی سے نیچے بیٹھ گئے۔ چند تیر دیوار کو پھلانگ کر فصیل پر آ گرے۔

راجپوتوں نے بھی فصیل کے سوراخوں میں سے تیروں کی باڑھ ماری لیکن یہ تیر مسلمانوں تک نہ پہنچے بلکہ راستہ ہی میں گر گئے۔

اب مسلمانوں نے قدم قدم بڑھنا شروع کیا اور جگہ جگہ رک رک کر تیر برسانے لگے۔ ان کے تیر یا تو فصیل سے جا ٹکراتے تھے یا فصیل کی قد آدم دیوار سے گزر کر فصیل پر جا پڑتے تھے۔ اگر کوئی آفت رسیدہ راجپوت سپاہی ان تیروں کی زد پر آ جاتا تھا تو زخمی ہو کر چلانے اور مسلمانوں کو گالیاں دینے لگتا تھا۔

ایک طرف میدان کی جانب سے مسلمان تیر چلا رہے تھے اور دوسری طرف قلعہ کے اوپر سے راجپوت تیر برسا رہے تھے اور تیر اس کثرت سے چلائے جا رہے تھے کہ بعض اوقات آفتاب کو ڈھک لیتے تھے۔

چونکہ آج راجپوتوں کو یہ حوصلہ نہ ہوا کہ وہ فصیل کی دیوار کے اوپر سے تیر افگنی کریں بلکہ دیوار کے سوراخوں میں سے تیر برسا رہے تھے اس لئے مسلمانوں کو ان کے تیروں سے کوئی قابل تذکرہ نقصان نہ پہنچ رہا تھا۔ اسی طرح مسلمانوں کے تیروں سے بھی راجپوتوں پر زیادہ زیادہ زد نہ پڑ رہی تھی۔

لیکن مسلمانوں کو پیش قدمی کا موقع مل رہا تھا اور وہ بڑھتے جا رہے تھے۔

التونتاش نے آج اس طرح صف بندی کی تھی کہ ایک صف سے دوسری صف بیس گز پیچھے تھی، اس جہت سے کہ لشکر کی تعداد اصل سے دگنی معلوم ہونے لگی تھی۔

التونتاش کے دستے کے پیچھے امیر علی خویشاوند کا دستہ تھا اور اس دستہ کی صفیں بھی برابر بڑھتی چلی آ رہی تھیں۔

امیر علی کے دستہ کے عقب میں کچھ فاصلہ پر شاہی فوج کے رسالے جوش و غضب میں بھرے ہوئے چلے آ رہے تھے۔

گویا آج مسلمانوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ قلعہ پر سختی سے حملہ کر کے یا تو اسے فتح کر لیں گے یا اس کی فتح میں جانیں لڑا دیں گے۔

اسلامی دستے نہایت ضبط و انتظام کے ساتھ بڑھ رہے تھے لیکن ان کی رفتار اس قدر دھیمی تھی کہ دو پہر تک قلعہ کے قریب پہنچ سکے۔

راجپوتوں نے انہیں زد پر دیکھ کر ایک دم سنگ اندازی شروع کر دی۔ خاردار پتھروں کے ٹکڑوں اولوں کی طرح برسنے لگے۔ ان سنگریزوں سے مسلمان زخمی ہونے اور گھوڑے چٹیل ہو ہو کر بھڑکنے لگے۔

مسلمان اس سے دوگونہ مصیبتوں میں پھنس گئے۔ ایک سنگریزے انہیں زخمی کرنے لگے دوسرے ان کے گھوڑے ان کے قابو سے باہر ہونے لگے۔

انہوں نے حیرت انگیز چابکدستی سے اپنی بڑی بڑی سیاہ ڈھالیں اٹھائیں اور انہیں سروں پر گھوڑوں کے سامنے اس طرح پھیلا دیا کہ وہ انسانوں اور جانوروں کے لئے سپر بن گئے۔ ساتھ ہی گھوڑوں کی باگیں اٹھا دیں اور وفادار جانور تیزی سے قلعہ کی طرف بڑھنے لگے۔

راجپوتوں نے یہ کیفیت دیکھ کر شور کرنا اور نہایت پھرتی سے سنگریزے پھینکنے شروع کر دیئے۔ چونکہ اب مسلمانوں کی طرف سے تیر افگنی میں معتد بہ کمی آ گئی تھی اس لئے راجپوت فصیل کی دیوار کے اوپر سے جھانک جھانک اور تاک تاک کر پتھر پھینکنے اور تیر مارنے لگے تھے۔

ان تیروں اور پتھروں کی زد التونتاش کے رسالہ پر پڑ رہی تھی جس سے مجاہدینِ اسلام زخمی

ہوتے چلے جارہے تھے لیکن ان میں کچھ ایسا جوش اور ایسا استقلال تھا کہ زخمی ہونے کی پرواہ نہ کرتے تھے۔

امیر علی نے یہ کیفیت دیکھ کر اپنے رسالے سے اگلی دو صفوں کی تیر افگنی کا حکم دیا اور انہوں نے جوں ہی تیروں کی باڑھ تاک کر ماری سینکڑوں وہ راجپوت جو دیوار پر چڑھ کر جھانک رہے تھے زخمی ہو ہو کر قلعے کے نیچے گر پڑے اور چونکہ قلعہ کی دیوار ساٹھ فٹ سے بھی بلند تھی اس لئے زمین پر گرتے ہی ان کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو گئیں۔

دو تین ہی باڑھیں مارنے پر دیوار راجپوتوں سے خالی ہو گئی۔ کچھ ہندی سپاہی زخمی ہو کر قلعہ کے نیچے جا پڑے اور کچھ کود کر فصیل پر اتر گئے۔

اب سنگ باری کی شدت میں کمی ہو گئی اور مسلمانوں کو آگے بڑھنے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ وہ تیزی سے بڑھے اور فصیل کے نیچے جا پہنچے۔

آج مسلمان اپنے ساتھ نقب لگانے اور دیوار توڑ ڈالنے کے آلے بھی لائے تھے۔ کمندیں اور ریشم کی ڈوروں کی مضبوط سیڑھیاں بھی ان کے ساتھ تھیں۔

کچھ لوگ تو گھوڑوں پر کھڑے ہو کر کمندیں اور سیڑھیاں فصیل کے کنگوروں کی طرف پھینکنے لگے اور کچھ گھوڑوں کو دیوار سے ملا کر دیوار توڑنے اور نقب لگانے لگے۔

راجپوت سوراخوں سے جھانک کر ان کی یہ کاروائی دیکھ رہے تھے۔ وہ مسلمانوں پر رعب ڈالنے کے لئے زور وشور سے چلا رہے تھے اور فصیل پر کھڑے ہوئے بڑی پھرتی سے تیر اور نوکیلے پتھروں کے ٹکڑے برسا رہے تھے۔ سنکھ اور گھڑیال اب تک بج رہے تھے۔ شور وغل سے تمام قلعہ گونج رہا تھا۔

کچھ کمندیں اور چند سیڑھیاں کنگوروں میں پھنس گئی تھیں اور مسلمانوں نے ان پر چڑھنا شروع کر دیا تھا۔ بعض جیالے راجپوتوں نے دیواروں پر چڑھ کر کئی کمندوں اور سیڑھیوں کو کاٹ ڈالا تھا اور ان کے ذریعہ سے جو مسلمان چڑھ رہے تھے وہ نیچے گر پڑے تھے جس سے ان کی ہڈیاں اور پسلیاں ٹوٹ گئیں تھیں۔

لیکن جن راجپوتوں نے ان کمندوں اور سیڑھیوں کو کاٹا تھا ان کو مسلمانوں نے تیروں سے زخمی کر کے نیچے گرا دیا تھا اور وہ بھی نشانہ اجل بن گئے۔

آخر کچھ مسلمان کنگوروں کے برابر جا پہنچے، امیر علی کے دستہ نے انہیں دیکھ لیا تھا اور چونکہ اب ان کی تیر افگنی سے ان مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا احتمال تھا اس لئے انہوں نے تیر برسانے بند کر

دیئے۔

مسلمان دیوار پر چڑھ کر فصیل پر کود گئے اور تلواریں سونت سونت کر راجپوتوں پر اس طرح جا ٹوٹے جس طرح شیر بھیڑوں کے گلوں پر جا پڑتے ہیں۔

ان کی خاراشگاف تلواروں نے راجپوتوں کو نرم گھاس کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ فصیل کے اوپر قتل وخون ریزی کا بازار گرم ہو گیا۔

راجپوت بھی پل پڑے، انہوں نے بھی چوڑے چوڑے کھانڈے کھینچ لیے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں آ کر جرأت و ہمت سے لڑنے لگے۔

اول تو مسلمان بہت ہی کم تعداد میں فصیل پر پہنچے تھے، دوسرے ان کی آمد بڑی مدھم تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ چند ہی کمندیں اور سیڑھیاں کنگوروں میں پھنسی تھیں جن کے ذریعہ سے وہ چڑھ کر فصیل پر کود رہے تھے اور راجپوت فصیل پر بے شمار تھے۔ اس لئے جو مسلمان فصیل پر پہنچ جاتے تھے وہ دادِ جوانمردی دے کر اور پانچ پانچ سات سات راجپوتوں کو قتل کر کے خود بھی شہید ہو جاتے تھے۔

لیکن چونکہ ان کی آمد برابر جاری تھی اس لئے راجپوتوں کے قتل اور مسلمانوں کی شہادت کا سلسلہ برابر جاری رہا تھا۔

راجپوت مسلمانوں کو فصیل پر آتے ہوئے دیکھ رہے تھے اور فصیل توڑے جانے کی آواز بھی سن رہے تھے۔ وہ مسلمانوں کی قوت اور ان کی بہادری کے قائل ہوتے جاتے تھے۔

دن اس قدر ڈھل گیا تھا کہ تیسرا پہر آ گیا تھا۔ آج مسلمان ظہر کی نماز ادا نہ کر سکے تھے۔ وہ ایسے لڑائی میں مصروف تھے اور قلعہ میں داخل ہونے کی جدوجہد میں کچھ ایسے مشغول تھے کہ انہیں وقت کا خیال ہی نہ ہوا۔ ان کے مدنظر قلعہ پر قبضہ کر لینا تھا اور وہ اسی کوشش میں لگے تھے۔

یہ مسلمانوں کی ہی جرأت و ہمت تھی کہ سومنات کے لوہالاٹ قلعہ کی فصیل کو توڑ رہے تھے اور اس کی سربہ فلک چوٹی پر پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ موت سے نہیں ڈرتے تھے۔ انہوں نے فصیل پر خون کے پرنالے بہادیئے تھے، لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے تھے۔ راجپوتوں کی صفوں کی صفیں الٹ دی تھیں لیکن خود مسلمانوں کا بھی کافی نقصان ہو رہا تھا۔ جو مسلمان فصیل پر پہنچ جاتا تھا اس کی زندگی خطرہ میں پڑ جاتی تھی۔

لیکن وہ خوب جانتے تھے کہ مرنا اور مارنا ہی ان کا نصب العین ہے اس لئے بے دھڑک جنگ کر کے دشمنوں کو اس وقت تک قتل کرتے رہتے تھے جب تک ان کے ہاتھ میں تلوار اور جسم میں لڑنے کی طاقت باقی رہتی تھی۔ جب شدید طور پر مجروح ہو جاتے تھے تو گر پڑتے تھے اور ان بے بس

مسلمانوں کا راجپوت قیمہ کر ڈالتے تھے۔

غرض جنگ اسی اسلوب پر ہو رہی تھی کہ رفتہ رفتہ آفتاب حجلۂ مغرب کے قریب پہنچ گیا اور اس کی آخری کرنیں سمٹ سمٹ کر غائب ہونے لگیں۔ مشرق کی طرف سے اندھیرا بڑھ کر پھیلنے لگا۔ اس وقت سلطان نے مسلمانوں کو واپس لوٹ آنے کا اشارہ کیا۔

التونتاش نے فوراً مجاہدین کو واپس آنے کی اطلاع کرادی اور مسلمان فصیل سے نیچے اتر اتر کر جلدی سے گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ سب نے مل کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور واپس لوٹے۔

راجپوتوں نے ان پر پتھروں اور پھر تیروں کی بارش شروع کر دی لیکن مسلمان کسی نہ کسی طرح ان کے نرغے سے نکل آئے۔ اس طرح یہ شدید حملہ کچھ کامیاب تو نہ ہوا، البتہ اتنا ضرور ہوا کہ راجپوتوں پر مسلمانوں کی دھاک قائم ہوگئی اور وہ ان کی بہادری اور جرأت کے قائل ہو گئے۔

اس جنگ میں پانچ ہزار راجپوت اور ساڑھے تین سو مسلمان شہید ہوئے۔

سفاک انسان:

راجاؤں مہاراجاؤں کے ساتھ سکھدیو بھی ایک برج میں بیٹھا جنگ کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ جب دن چھپ گیا اور مسلمان واپس لوٹ گئے تب اوروں کے ساتھ وہ بھی اٹھا اور اپنی قیام گاہ کی جانب روانہ ہوا۔

اس وقت رات ہوگئی تھی اور ہر طرف اندھیرا پھیل گیا تھا۔ وہ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ کسی کے قدموں کی چاپ ہوئی۔ آواز اس کے پشت کی طرف سے آئی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا، ایک آدمی نہایت احتیاط سے دبے قدموں چلا آرہا تھا۔

سکھدیو نے للکار کر پوچھا: ”کون ہے؟“

آنے والے نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا بلکہ جس آہستگی سے آرہا تھا آتا رہا۔ سکھدیو کو خیال ہوا کہ شاید کوئی راہ رو ہے یا سرکاری ملازم ہے اور قصر شاہی میں جارہا ہے۔ وہ راستہ سے ایک طرف ہٹ کر ایک ایسی جگہ کھڑا ہوگیا جہاں دور کی روشنی کا عکس پڑ رہا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ جب آنے والا بڑھ جائے گا، تب وہ چلے گا لیکن آنے والا بھی سیدھا اس کی طرف آیا اور سامنے کھڑا ہو کر بولا: ”آپ مجھ سے کتراتے ہیں؟“

سکھدیو اس کی آواز سن کر چونک پڑا۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا:

”اوہ تم............!“

آنے والے نے سنجیدگی سے کہا:

''ہاں میں!! پہچان لیا مجھے آپ نے؟''

سکھدیو: ''آواز ہی سے پہچان لیا۔''

سکھدیو کے چہرہ پر روشنی کا عکس پڑ رہا تھا اور نووارد کا چہرہ اندھیرے میں تھا۔ نووارد نے کہا:

''اسی لئے آپ کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا............؟''

سکھدیو نے قدرے گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہا:

''میرا چہرہ...... ہاں.......... نہیں۔ میرا چہرہ زرد پڑنے کی کوئی وجہ نہیں۔''

نووارد: ''میں کوئی جن بھوت نہیں ہوں، ایک انسان ہوں، وہ انسان......''

سکھدیو نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا:

''اس بات کا ذکر نہ کرو تو اچھا ہے۔''

نووارد: ''شاید اسی تذکرہ سے آپ کے دل کو تکلیف پہنچتی ہے۔''

سکھدیو: ''ہاں!!''

نووارد نے جوش وغضب کے لہجہ میں کہا:

''سنگدل اور دغاباز...... میرے دل کو تکلیف پہنچ سکتی ہے............ تو............''

سکھدیو نے عاجزی سے کہا:

''موہن سنگھ سنبھلو، سوچو!! یہ عام راستہ ہے یہاں لوگوں کی آمدورفت ہے ایسے مقام پر ایسی گفتگو............''

نووارد نے ذرا تیز لہجہ میں کہا:

''کیا میں تیری عزت کا پاس کروں؟ ایک سفاک بے رحم اور ظالم کی عزت کا؟ ادھر دیکھ میری طرف.......... بتا اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچاتا ہے؟''

سکھدیو نے ہاتھ جوڑ کر کہا:

''شور نہ کرو۔ میری ایک بات ٹھنڈے دل سے سن لو!''

موہن سنگھ: ''کہہ ڈال۔''

سکھدیو: ''یہاں نہیں، میرے ساتھ چلو۔''

موہن سنگھ: ''کہاں چلوں؟ تیرے جائے قیام پر تا کہ تُو ....''

سکھدیو: ''نہیں میرے جائے قیام پر نہیں۔ میں جانتا ہوں اب تمہیں میری کسی بات کا یقین نہ آئے

گا۔"

موہن سنگھ: "پھر کہاں؟"

سکھد یو: "شاہی باغیچہ میں۔"

موہن سنگھ: "تاکہ تم مجھے وہاں پکڑوادو اور شاہی باغیچہ میں گھسنے کا الزام لگا کر مجھے پھانسی پر لٹکوادو؟"

سکھد یو: "سوچو کیا میں ایسی جرأت کر سکتا ہوں؟ اگر میں تمہیں پکڑوادوں تو تمہاری زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ مجھے تباہ کر سکتا ہے۔ تمہارے تختہ دار پر لٹکنے سے پہلے جلاد کی تلوار میرے سر کا فیصلہ کر ڈالے گی۔"

موہن سنگھ: "میں سمجھتا ہوں۔"

سکھد یو: "پھر یہ بے اعتباری کیوں ہے؟"

موہن سنگھ: "اس لئے کہ شاید تم نے کوئی اور فریب سوچا ہے۔"

سکھد یو: "میں اور تم وہاں دو ہی آدمی ہوں گے تیسرا کوئی نہ ہوگا۔ اسی لیے میں نے اس جگہ کو پسند کیا ہے۔ بولو چلتے ہو؟"

موہن سنگھ: "مگر تمہیں کہنا کیا ہے۔"

سکھد یو: "تمہاری غلط فہمی دور کرنی ہے۔"

موہن سنگھ نے پھر غصہ میں آ کر کہا: "غلط فہمی، دغا باز کتے!! میں فریب کا شکار ہوا تھا؟"

سکھد یو نے پھر انتہائی عاجزی سے کہا:

"موہن سنگھ پرماتما کے لئے غل نہ مچاؤ۔ تمہارا غصہ مجھے برباد کر دے گا تو تمہیں بھی کورا نہ چھوڑے گا۔ اگر میں گرفتار ہو گیا تو تم بھی گرفتار ہو جاؤ گے۔ میرے جرم میں تم بھی تو شریک تھے۔ جو سزا مجھے ملے گی وہی تمہیں بھی ملے گی۔ سنجیدگی سے غور کرو، میں سچ کہہ رہا ہوں یا غلط۔"

موہن سنگھ کچھ نرم پڑ گیا۔ اس نے کہا: "نہیں تم غلط نہیں سچ کہہ رہے ہو.......... اچھا چلو۔"

دونوں خاموشی سے روانہ ہوئے لیکن چونکہ دونوں ایک دوسرے سے خائف تھے اس لئے کوئی کسی کو پیچھے نہ ہونے دیتا تھا نہ کوئی کسی کے آگے چلتا تھا۔ دونوں برابر برابر ایک دوسرے کو دزدیدہ نظروں سے دیکھتے اور تلواروں کے قبضوں پر اس طرح ہاتھ رکھے کہ ضرورت کے وقت فوراً اُنہیں نکال کر کام میں لاسکیں، چل رہے تھے۔

دونوں ایک خفیہ دروازہ سے شاہی باغیچہ میں داخل ہوئے۔ سکھد یو نے کہا:

"یہ جگہ امن کی ہے، اب اطمینان سے باتیں کریں گے۔"

موہن سنگھ کا لہجہ پھر تیز ہو چلا۔اس نے درشتی سے کہا:
''امن اور اطمینان کی ضرورت نہیں، ہم دونوں ایک دوسرے دشمن ہیں......''
سکھد یو نے تلوار کے قبضہ پر سے ہاتھ اٹھا کر کہا:
''تم نے سچ کہا لیکن اب ہمیں دشمنوں کی طرح نہیں بلکہ دوستوں کی طرح باتیں کرنی چاہئیں!''
موہن سنگھ: ''لیکن مجھے زیادہ باتیں کی فرصت نہیں ہے میں پوچھتا ہوں جب میں نے تمہارے کہنے بموجب..........''
سکھد یو نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا:
''پر ماتما کے لئے چپ رہو۔جس واقع نے راز کی صورت اختیار کر لی ہے اسے اپنی زبان سے نہ کھولو۔''
موہن سنگھ: ''تب مجھے بتاؤ کیوں تم نے میرے ساتھ فریب کیا؟ کیوں مجھے جلادوں کے سپرد کیا گیا اور کیوں میری جان لینے کی کوشش کی گئی؟''
سکھد یو: ''تم جانتے ہو کہ میرے ایک خادم کا نام بھی موہن سنگھ ہے۔''
موہن سنگھ: ''ہاں جانتا ہوں۔''
یہ دونوں گفتگو کرتے ہوئے سمندر کی طرف چلے جا رہے تھے۔اس باغیچہ کا کچھ حصہ سمندر کے کنارے پر واقع تھا لیکن وہ سطح سمندر سے بیس اکیس فٹ بلند تھا۔
سکھد یو: ''تب سنو اور سمجھو کہ میں نے اپنے خادم کے قتل کا حکم دیا تھا لیکن بے ہودہ، بدتمیز اور بدعقل ملازموں نے اس کے بجائے تمہیں پکڑ لیا۔میں سچ کہتا ہوں کہ میں تمہیں زندہ دیکھ کر بڑا خوش ہوا......''
موہن سنگھ نے غضبناک ہو کر کہا: ''خوش..........؟ خوشی تو تمہارے چہرے سے ٹپک پڑی تھی۔میری آواز سنتے ہی تمہارا منہ فق پڑ گیا تھا۔''
سکھد یو: ''یہ سچ ہے میں دفعتاً اس لئے گھبرا گیا تھا کہ تم بے گناہ اور بغیر میرے حکم منشاء کے سمجھے ہوئے لیجائے گئے تھے۔جب مجھ پر الزام لگاؤ گے تو میں اس کا کیا جواب دوں گا..............موہن سنگھ!! ذرا خیال کرو اگر مجھے تم پر اعتماد نہ ہوتا تو میں تمہارے سپرد وہ کام کیوں کرتا جس کی وجہ سے میری عزت اور زندگی خطرہ میں تھی۔یہ میرے ملازموں کا قصور ہے ان کی خطا ہے میں انہیں سزا دوں گا۔نہایت سخت اور بڑی عبرتناک سزا۔''
اب یہ دونوں لوہے کے پھاٹک پر آ کر رکے۔اس پھاٹک میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔شاہی

خاندان کے افراد اکثر یہاں آ کر لوہے کی سلاخوں میں سے جھانک کر سمندر کے نظاروں کا لطف اٹھایا کرتے تھے۔

اس پھاٹک کی سلاخیں ٹوٹوال غغ تھیں۔ جب چاہتے اوپر کے حصہ کو نیچے گرا سکتے تھے۔

سکھدیو نے سمندر کی طرف دیکھ کر کہا:

''اف کس قدر اندھیرا پھیلا ہوا ہے۔ سمندر سے آسمان تک سیاہ چادر تنی معلوم ہوتی ہے لیکن ہوا کیسی خوشگوار آرہی ہے۔ ٹھہرو میں سلاخیں جھکا دوں۔''

یہ کہتے ہی اس نے اندھیرے میں کوئی کل دبائی اور پھاٹک کے اوپر کی سلاخیں نیچے چلی گئیں۔ صرف ناف تک جنگلہ باقی رہ گیا۔

موہن سنگھ نے کہا: ''سکھدیو!! مجھے یقین نہیں آتا تم نے میری جان لینے کی کوشش کی تھی اور اس لئے میں تمہیں آج ہرگز بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔''

سکھدیو: ''آخر تمہیں دنیا میں کسی کا یقین بھی ہے ...... ہاں خوب یاد آیا کامنی کی بات کا تم یقین کرتے ہو۔''

موہن سنگھ کو سکھدیو کی بہن کامنی سے محبت تھی: اس نے کہا:

''بے شک دنیا میں ایک ہی ہستی ایسی ہے جس کا میں یقین کر سکتا ہوں۔''

سکھدیو: ''تب ہم دونوں اس کے پاس چلیں گے اور وہ تمہارا اطمینان کر دے گی۔''

موہن سنگھ: ''مجھے منظور ہے۔''

سکھدیو: ''دیکھو کیسی فرحت بخش ہوا آرہی ہے۔''

وہ جنگلے سے جھانک کر دفعتاً بولا:

''اوہ ...... یہ سرخ سرخ کیا چیز چمک رہی ہے؟ کہیں مسلمان تو کوئی کشتی لے کر اس طرف نہیں آگئے؟''

موہن سنگھ نے بھی جھانک کر دیکھا۔ سکھدیو نے حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ موہن سنگھ کو اٹھا کر سمندر میں دھکیل دیا۔ ایک خوفناک چیخ کے ساتھ موہن کے پانی میں گرنے کی آواز آئی۔

سکھدیو نے فاتحانہ قہقہہ لگا کر کہا:

''اس وقت نہیں مرا تھا، تو اَب مَر!''

یہ کہتے ہی اس نے پھر کل دبائی اور پھاٹک کے نیچے گری ہوئی سلاخیں پھر اپنی جگہ پر آگئیں۔ سکھدیو فوراً اس جگہ سے نہایت خاموشی اور آہستگی کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

باب ۲۳

چالاک بھائی بہن

سکھد یونہایت خوش تھا۔ ایسا خوش جیسے اس نے کسی بڑے دشمن کو ٹھکانے لگادیا ہو۔ وہ باغیچہ سے نکل کر اپنی قیام گاہ پر پہنچا۔ جوں ہی وہ اپنے خاص کمرہ میں داخل ہوا، اس کی نگاہ کامنی پر پڑی۔ کامنی نے بھی اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔

چونکہ کمرہ میں تیز روشنی ہورہی تھی۔ اس لیے ایک نے دوسرے کے چہرہ کو دیکھ کر اس کی حالت کو بھانپ لیا۔ کامنی کچھ افسردہ تھی اور سکھد یو خرم و مسرور تھا۔

کامنی نے کہا: ''تم آگئے بھیا!!''

سکھد یو نے بیٹھتے ہوئے کہا: ''ہاں آگیا۔''

کامنی: ''بڑے خوش ہو۔ کیا بات ہے کیا ہاتھ آگیا۔''

سکھد یو: ''تم جیسی بہن کو بھی دیکھ کر خوش نہ ہوں کامنی!! لیکن تم کچھ دل گرفتہ معلوم ہوتی ہو کیا وجہ ہے؟''

کامنی: ''میں............ ہاں میں ملول وحزین ہوں۔ شاید دل گرفتگی میری قسمت ہی میں لکھی ہے۔''

سکھد یو: ''آخر کیوں؟''

کامنی: ''جب سے تمہاری سازش میں شریک ہوئی...............''

سکھد یو: ''سازش کے ذکر کو رہنے دو۔ کیا سنا نہیں کہ دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں۔''

کامنی: ''سنا ہے اور جانتی ہوں مگر تمہیں سمجھانے کے لئے...............''

سکھد یو: ''صرف اشارہ ہی کافی ہے۔ کیا کوئی نئی بات ہوگئی ہے؟''

کامنی: ''ہاں!!''

سکھد یو: ''کیا؟''

کامنی: ''تم تو کہتے تھے بھیا کہ موہن سنگھ کا خاتمہ ہو گیا ہے۔''

سکھدیو: ''مجھے ایسی ہی اطلاع ملی تھی۔''

کامنی: ''لیکن وہ زندہ ہے۔''

سکھدیو: ''مجھے بھی آج ہی ایسی اطلاع ملی ہے۔''

کامنی: ''اس نے مجھے دھمکی دی ہے۔''

سکھدیو: ''کیا؟''

کامنی: ''یا تو میں اس کی بات مانوں ورنہ وہ مجھے اور تمہیں دونوں کو گرفتار کرادے گا۔''

سکھدیو نے غضب ناک ہو کر کہا:

''ذلیل اور نمک حرام کتا!!''

کامنی: ''آپ نے اس پر اعتماد کیوں کیا؟''

سکھدیو: ''سچ ہے کامنی، میں نہ جانتا تھا کہ وہ تجھ سے محبت کرتا ہے..................''

کامنی شرما گئی۔ اس کی بھولی بھالی نگاہوں میں حیا گھل گئی۔

سکھدیو نے بات کو ٹالنے کے لئے کہا:

''لیکن اب کوئی اندیشہ نہیں رہا ہے۔''

کامنی نے پر شوق نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

''کیا وہ رضامند کر لیا گیا ہے۔''

سکھدیو: ''نہیں بلکہ اس کی زبان بندی کر دی گئی ہے۔''

کامنی: ''آخر کس طرح؟''

سکھدیو: ''اس وقت یہ بات بتانا مناسب نہیں ہے ایک دن از خود ہی معلوم ہو جائے گا۔''

کامنی: ''لیکن میں اس سے ڈرنے لگی ہوں بھیا!! اس کا سامنا ہوتے ہی میں کانپ گئی تھی۔''

سکھدیو: ''اطمینان رکھو اب وہ تمہارے سامنے نہ آئے گا۔''

کامنی: ''مسلمانوں نے آج بھی غضب کا حملہ کیا۔''

سکھدیو: ''بے شک انہوں نے جان لڑا دی۔ وہ قلعہ پر چڑھ ہی آئے تھے۔ وہ تو ہماری جمعیت فصیل پر بہت کافی تھی اس لئے وہ مجبور ہو گئے۔''

کامنی: ''نہیں، بلکہ دن چھپ گیا اس لئے واپس لوٹ گئے۔''

سکھدیو: ''بات یہ بھی ہوئی۔ مسلمانوں کی قوم نہایت جنگجو اور بڑی بہادر ہے۔ کمبخت ایسا جی توڑ کر

لڑتے ہیں کہ ان کا مقابلہ دشوار ہو جاتا ہے۔''

کامنی: ''اس ہنگامہ میں تم نے ہارون کو تو نہیں دیکھا تھا؟''

سکھدیو: ''میں نے بڑا غور کیا، خوب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا لیکن وہ نظر نہیں آیا۔ شاید سلطان کے ساتھ ہوگا۔''

کامنی: ''سنا ہے کہ سلطان محمود کو اس سے بڑی محبت ہے۔''

سکھدیو: ''میں نے بھی ایسا ہی سنا ہے۔''

کامنی نے ازخودرفتگی کے انداز میں کہا:

''وہ ہے بھی اس قابل!''

سکھدیو نے حیرت اور غصہ بھری نگاہوں سے کامنی کو دیکھا۔

کامنی سمجھ گئی کہ اس سے سخت غلطی ہو گئی ہے۔ ایک راجپوت کے سامنے ایک مسلمان کی تعریف کرنا نہایت ہی نامناسب بات ہے۔

کامنی نے کہا:

''لیکن اس کا زندہ رہنا خطرناک ہے۔''

سکھدیو: ''نہایت خطرناک۔ لیکن یہ بھی فکر ہے کہ اس تک دسترس کیسے ہوں؟''

کامنی: ''اگر دورانِ جنگ نہ ہوتا تو اس کا پھانس لینا کیا بڑی بات تھی۔''

سکھدیو: ''کس طرح؟''

کامنی: ''کسی حسین وجمیل چھوکری کو بھیج دیا جاتا اور وہ اسے فریب دے کر لے آتی۔''

سکھدیو: ''بات تو معقول ہے۔ دیکھو، اس امر پر غور کروں گا۔''

کامنی: ''لیکن اگر وہ تمہارے ہاتھ آ گیا تو تم کیا کرو گے؟''

سکھدیو: ''فوراً قتل کرادوں گا۔''

کامنی کے دل پر چوٹ سی لگی اور اس کا چہرہ فق پڑ گیا۔ لیکن اس نے فوراً ہی کہا:

''چاہیے تو ایسا ہی لیکن جب تک سلطان محمود واپس نہ چلا جائے اس وقت تک اس کا قتل کرنا بھی مناسب نہ ہوگا۔''

سکھدیو: ''مگر کامنی!! وہ میرے ہاتھ آسانی سے آنے ہی کیوں لگا جبکہ وہ سلطان محمود کا منظورِ نظر اور مسلمانوں کا محبوب ہے کس طرح وہ ہمارے ہاتھ آ سکتا ہے؟''

کامنی: ''ابھی چند لمحے توقف کرو پھر میں اس کی کوئی تدبیر سوچوں گی۔''

سکھدیو: ''اب اگر کسی طرح سلطان محمود واپس لوٹ جائے یا ہزیمت اٹھا کر بھاگ جائے تو سب کام درست ہو جائیں۔''

کامنی: ''مگر سنتی ہوں سلطان محمود دھن کا پورا ہے، یوں تو وہ واپس لوٹے گا نہیں اور اگر اسے شکست ہو گئی تو پھر انتقام لینے کے لئے حملہ کرے گا۔''

سکھدیو: ''یہ پاجی اگر ایک دفعہ یہاں سے شکست کھا کر بھاگ جائے تو پھر اس طرف آنے کا حوصلہ ہی نہ رہے گا۔ تم نہیں جانتی ہو راستہ کس قدر دشوار گزار ہے۔ مجھے یہ بھی حیرت ہے کہ وہ ڈیڑھ سو میل کے لق و دق میدان کو کیسے طے کر کے آیا............؟ اچھا اب تم جاؤ کامنی!!''

کامنی نے اٹھتے ہوئے کہا:

''اور میں موہن سنگھ کی طرف سے بالکل مطمئن رہوں؟''

سکھدیو: ''ہاں مطمئن رہو۔ اب وہ تمہیں یا مجھے کوئی گزند نہ پہنچا سکے گا۔''

کامنی چلی گئی۔ سکھدیو نے آہستہ سے کہا:

''میں کامنی کو بڑی سیدھی بھولی اور معصوم سمجھتا تھا لیکن اس میں تو بڑی چالاکی آ گئی ہے............ ہارون کو بچانا چاہتی ہے............ میں وجہ سمجھتا ہوں! اگر وہ میرے ہاتھ آ گیا تو............''

سکھدیو نے دانت پیس کر کہا:

''میں اس کے فوراً ہی ٹکڑے اڑا دوں گا۔ نہ معلوم اس میں کیا خوبی ہے؟ ہر وہ لڑکی جو اسے دیکھتی ہے اس پر فدا ہو جاتی ہے۔ چندر موہنی اسے چاہتی تھی۔ کامنی بھی اس کی طرف مائل ہے کیا ایک راجپوت کا خون کھولانے کے لئے یہ کچھ کم بات ہے۔''

ابھی وہ اسی قدر سوچنے اور کہنے پایا تھا کہ ایک خادم نے حاضر ہو کر کہا:

''بلبیر چندر حاضری کی آ گیا (اجازت) چاہتا ہے۔''

سکھدیو نے نظر اٹھا کر خادم کو دیکھتے ہوئے کہا:

''آ گیا ہے۔''

خادم چلا گیا اور ایک جوان العمر جسیم آدمی کمرہ میں داخل ہوا۔ یہ بلبیر چندر تھا۔ اس نے آتے ہی نہایت ادب سے سکھدیو کو سلام کیا۔ سکھدیو نے کہا:

''بیٹھو بلبیر چندر۔ تمہارے چہرے سے وحشت برس رہی ہے، آخر کیوں؟''

بلبیر چندر نے بیٹھتے ہوئے کہا:

''حضور وہ فرار ہو گیا۔''

سکھدیو: ''کون؟ موہن سنگھ؟''

بلبیر چندر: ''جی ہاں۔''

سکھدیو: ''تم نے اس کی کیا نگرانی کی؟''

بلبیر چندر: ''نگرانی کی نہ پوچھئے، بڑا سخت پہرہ تھا۔''

سکھدیو: ''پھر وہ کیسے فرار ہوا؟''

بلبیر چندر: ''پرماتما ہی جانے۔ میں بڑا فکر مند ہوں!''

سکھدیو: ''فکر نہ کرو۔ وہ میرے پاس آیا تھا!''

بلبیر چندر: ''کب؟''

سکھدیو: ''ابھی تھوڑی دیر ہوئی۔''

بلبیر چندر: ''غضب ہو گیا۔ کیا حضور نے پھر اسے گرفتار کر لیا؟''

سکھدیو: ''نہیں۔''

بلبیر چندر: ''پھر کہاں گیا وہ؟''

سکھدیو: ''وہاں، جہاں اسے جانا چاہیے تھا۔''

بلبیر چندر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا:

''آخر کہاں گیا؟''

سکھدیو: ''موت کی گود میں!''

بلبیر چندر: ''کیسے؟''

سکھدیو نے تمام روئیداد سنا دی۔ بلبیر چندر کی پژمردگی اور وحشت دور ہو گئی۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا اور خوش ہو کر کہا:

''بہت خوب کیا آپ نے ورنہ وہ نہ معلوم کس کس کو نقصان پہنچاتا، کسے کسے گرفتار اور قتل کرا دیتا۔ اب ایک خطرہ اور رہ گیا ہے۔''

سکھدیو: ''وہ کس کا؟''

بلبیر چندر: ''دھرمپال کا۔''

سکھدیو: ''مگر وہ تو گرفتار ہے۔''

بلبیر چندر: ''اور جس وجہ سے وہ گرفتار ہے اسے بھی آپ جانتے ہیں۔''

سکھدیو: ''جانتا ہوں۔''

بلبیر چندر: ''اور یہ بات بھی آپ کو معلوم ہے کہ وہ بڑا جوتشی اور نجومی ہے۔''

سکھدیو: ''ہاں معلوم ہے۔''

بلبیر چندر: ''تب وہ اپنے علم سے کچھ معلوم کر کے مہاراجہ کو بتا دے گا اور مہاراجہ..........''

سکھدیو نے مضطرب ہو کر کہا:

''اوہ اس بات کا مجھے خیال ہی نہیں ہوا تھا۔ پھر کیا کرنا چاہیے؟ کیا اس کے محافظوں سے مل کر اسے قتل کرا دوں۔''

بلبیر چندر: ''یہ بات ناممکن ہے۔ اس کے محافظوں کو اس سے اس قدر ہمدردی ہے کہ وہ ہرگز بھی کسی لالچ میں نہ آئیں گے۔''

سکھدیو نے استفہامیہ نظروں سے بلبیر چندر کو دیکھتے ہوئے کہا:

''تب..........؟؟''

بلبیر چندر: ''صرف ایک ہی بات میرے ذہن میں آئی ہے۔''

سکھدیو: ''کیا؟''

بلبیر چندر: ''مہاراجہ اس سے سخت ناخوش ہو گئے ہیں۔ انہیں اس کی جانب سے اور مشکوک کر کے اسے قتل کرنے کا حکم حاصل کر لیجئے۔''

سکھدیو: ''یہ ذرا مشکل امر ہے۔''

بلبیر چندر: ''کوشش تو کیجئے۔''

سکھدیو: ''میں اسی وقت مہاراجہ سے ملوں گا۔''

بلبیر چندر: ''تب یقین ہے یہ کانٹا بھی نکل جائے گا۔''

بلبیر چندر چلا گیا اور سکھدیو مہاراجہ کے پاس جانے کی تیاری میں مصروف ہوا۔

راجپوتوں کا عزم:

مہاراجہ سومنات تمام دن برج میں بیٹھے جنگ کا نظارہ کرتے رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا تھا کہ کس جوش سے مسلمانوں نے حملہ کیا تھا اور کس استقلال سے تیروں اور پتھروں کی بارش میں جمے رہے تھے اور نہ صرف جمے رہے تھے بلکہ آگے بڑھ کر فصیل کے نیچے پہنچ گئے تھے اور آلاتِ نقب زنی کے ذریعہ سے فصیل توڑنے لگے تھے۔ پھر کچھ جیالے کمندیں اور ریشمی ڈور کی سیڑھیاں کنگوروں میں

پھنسا کر او پر چڑھ گئے تھے اور کس جرأت و دلیری سے لڑے تھے۔

وہ نہایت غور سے ان واقعات کو دیکھتے رہے تھے۔ جب دن چھپے کے بعد انہیں خبر دی گئی کہ آج کی جنگ میں پانچ ہزار راجپوت مارے گئے اور دو ڈھائی ہزار زخمی ہوئے تو انہیں بہت افسوس اور ملال ہوا۔ ساتھ ہی جب انہوں نے یہ بھی سنا کہ مسلمان کل ساڑھے تین سو ہی قتل ہوئے ہیں تو اور بھی رنج و فکر ہوا۔ اس قدر غم و اندوہ ہوا کہ بھوک نہ لگی کھانا بھی نہ کھایا۔

کچھ رات گئے انہوں نے تمام راجاؤں اور مہاراجاؤں کو دربار خاص میں طلب کر لیا۔ مہاراجہ سومنات اکثر رات ہی کو دربار کیا کرتے تھے، رات ہی کو کچہری کرتے تھے اور یہ دربار اور کچہری دربار خاص میں ہی اس وقت ہوتی تھی جب سومنات کے بت کو غسل دیا جاتا تھا۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ روزانہ گنگا کا پانی آتا تھا اور دن چھپنے کے کچھ عرصہ کے بعد سومنات کو غسل دیا جاتا تھا۔

چنانچہ آج بھی جب سومنات کو غسل دیا جا چکا تب دربار خاص منعقد ہوا اور جب وہ راجہ اور مہاراجہ آ گئے، جنہیں مدعو کیا گیا تھا تو مہاراجہ سومنات نے کہا:

''آج آپ سب اصحاب نے دیکھا ہوگا کہ مسلمانوں نے کس جی داری، کس دلیری اور کس جوش سے حملہ کیا اور کس استقلال سے مردِ میدان بنے۔ تیروں اور پتھروں کی بارش میں ڈٹے رہے، کس طرح بڑھ کر فصیل کے نیچے پہنچ گئے اور کس طرح فصیل توڑنے کی کوشش کی۔ اگر فصیل مضبوط نہ ہوتی تو وہ ضرور اس میں اس قدر شگاف پیدا کر لیتے جس میں سے کم سے کم ایک گھوڑ اسوار بہ آسانی گزر سکے لیکن فصیل کی مضبوطی نے قلعہ کو فتح ہونے سے بچا لیا۔ پھر جس بے باکی اور ہمت سے وہ فصیل پر پہنچے اور لڑے، سچ پوچھو تو وہ انہیں کا خاصہ تھا۔ سب سے زیادہ اندوہناک امر یہ ہے کہ آج پانچ ہزار جواں مرد راجپوت مارے گئے اور سب سے زیادہ حیرت میں ڈالنے والی بات یہ ہے کہ مسلمان صرف ساڑھے تین سو ہی کام آئے۔

''اگر جنگ اسی طرح ہوتی رہی اور بہادر راجپوت اسی طرح قتل ہوتے رہے تو یقیناً مسلمان فتح یاب ہو جائیں گے اور مقدس مقام جو ہندوستان بھر کے ہندوؤں کا تیرتھ گاہ ہے مسلمانوں کے قبضہ میں چلا جائے گا۔

''آپ نے سنا ہوگا سلطان محمود جس مقام کو فتح کرتا ہے اسے تاراج کر ڈالتا ہے۔ یہ قلعہ، شہر اور مندر بھی تاراج کر ڈالے جائیں گے اور کوئی نہیں کہہ سکتا ہمارا دیوتا بھی باقی رکھا جائے گا یا ملیچھ سلطان محمود کا گرز اس کے ٹکڑے اڑا دے گا''۔

یہاں پہنچ کر مہاراجہ کی آواز بھاری ہوگئی۔ رنج وقلق نے اس کا گلا دبا دیا اور وہ آگے کچھ نہ کہہ سکے۔

ایک مہاراجہ نے اٹھ کر پر جوش لہجہ میں کہا:

''یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ پاپی سلطان قلعہ کو فتح کر لے، شہر کو ویران کر دے، مندر کو تاراج کر ڈالے اور ہمارے محترم و معظم اور باعظمت وجلال دیوتا سومنات جی کو ہاتھ بھی لگا سکے۔ یقین جانئے ایسا ہونے سے پہلے دیوتا سومنات جی مسلمانوں کو بھسم کر ڈالیں گے۔''

مہاراجہ نے یاس بھرے لہجہ میں کہا:

''میں بھی ایسا ہی سمجھتا رہا ہوں لیکن اب کچھ ناامیدی ہونے لگی ہے یا تو ہمارے اعتقادات میں فرق آ گیا ہے یا دیوتاؤں میں وہ عظمت وجلال باقی نہیں رہا جن کا تذکرہ پرانوں (مذہبی کتابوں) میں لکھا ہوا ہے۔''

دوسرا مہاراجہ: ''یہ بات نہیں ہے۔ ہم وہی ہیں، ہمارے اعتقادات وہی ہیں۔ دیوتا وہی ہیں، ان کے عظمت وجلال وہی ہیں لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے جب دیوتا سومنات جی کو اپنا جلال ظاہر کرنے کا موقع ملے۔''

مہاراجہ سومنات: ''وہ کب آئے گا؟ کیا مسلمان ہم پر حملے نہیں کر رہے ہیں؟ کیا دیوتا سومنات جی کے عقیدت مند مارے نہیں جا رہے؟ کیا عورتیں بیوہ نہیں ہو رہی ہیں؟ کیا بچے یتیم نہیں ہو رہے ہیں؟ یہی وقت تو ہماری مدد کرنے کا ہے!''

ایک راجہ: ''مدد ہوگی اور ضرور ہوگی لیکن ابھی ہمارا امتحان لیا جا رہا ہے! ہمارے صبر وضبط کا، ہمارے ہمت واستقلال ان سے کہیں کم ہیں۔ ہماری دون ہمتی یہ ہے کہ ہم زیادہ تعداد میں ہوتے ہوئے کم تعداد مسلمانوں سے ڈرتے اور سہے ہوئے قلعہ بند ہیں۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ میدان میں نکل کر حملہ کرتے اور فتح یا شکست سے ہمکنار ہو جاتے۔''

دوسرا راجہ: ''یہ آپ نے بالکل صحیح فرمایا۔ میرے بھائی نے بھی ٹھیک کہا کہ ہمارا امتحان لیا جا رہا ہے لیکن ہم امتحان میں پورے نہیں اترے بلکہ ہم نے محصور ہو کر اپنی بہادری، نیک نامی اور شہرت پر بدنما دھبہ لگا لیا ہے۔ بات تو جب ہی تھی جب مسلمانوں کے آتے ہی قلعہ سے باہر نکل کر ان کے سامنے قیام کرتے اور ان سے کلہ بہ کلہ لڑتے۔''

تیسرا راجہ: ''اب بھی کیا بگڑا ہے ہمارے پاس اب بھی کافی لشکر ہے۔ ہم اب بھی میدان میں نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔''

مہاراجہ سومنات: ''یہ کیسے ممکن ہے جب کہ راجکماری چندر موہنی کو مسلمان اٹھا کر لے گئے اور راجپوتوں کے خون میں حرارت نہ آئی۔ انہوں نے اس قومی بے عزتی کو ٹھنڈے دل سے برداشت کرلیا۔ اگر ان میں ذرا بھی عزت، تھوڑی بھی ہمت اور برائے نام بھی جرأت ہوتی تو میرے روکنے پر بھی نہ رکتے اور مسلمانوں پر جا ٹوٹتے، ان کی ہڈیاں توڑ ڈالتے اور ان کے جسموں کے ٹکڑے کر دیتے۔ ان کا وجود مٹا دیتے اور یا پھر خود مٹ جاتے، خود مسلمانوں کی تلواروں سے ذبح ہو جاتے۔''

ایک مہاراجہ: ''آپ یہ صحیح فرما رہے ہیں لیکن آپ کو معلوم نہیں ہے کہ راجپوتوں کو کس قدر رنج ہے، ان میں کس قدر جوش ہے! لیکن وہ مجبور ہیں، اپنے جوش کو اس لئے دبا رہے ہیں کہ انہیں قلعہ سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔''

مہاراجہ سومنات: ''مگر مجھ سے آج تک کسی نے یہ بات نہیں کہی۔''

دوسرا مہاراجہ: ''دراصل ہم سب آپ کی طرف دیکھتے رہے۔ ہم سب آپ کی مدد کرنے آئے ہیں۔ آپ کے حکم کی تعمیل کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اپنی طرف سے کچھ کہنا یا کرنا نہیں چاہتے۔ آپ ہمیں حکم دیں پھر دیکھیں ہم میدان میں نکل کر کس جوش سے مسلمانوں پر حملہ کرتے ہیں۔''

مہاراجہ سومنات نے مجمع کی طرف دیکھ کر کہا:

''کیا آپ سب میدان میں نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کو تیار ہیں۔''

ہر شخص نے بلند آواز سے کہا:

''جی ہاں! ہم سب تیار ہیں۔''

مہاراجہ سومنات: ''اچھا اب آپ یہ غور کرلیں کہ کیا قلعہ سے باہر نکل کر حملہ کرنا مناسب ہے؟''

ایک راجہ: ''میرے خیال میں نامناسب بھی نہیں ہے۔''

دوسرا راجہ: ''اگر سچ پوچھو تو مسلمانوں کی ہمت اسی وجہ سے بڑھی ہوئی ہے کہ ہم انہیں دیکھ کر قلعہ میں ایسے گھس جاتے ہیں جیسے چوہا بل میں گھس جاتا ہے۔ اگر ہم میدان میں نکل کر ان پر حملہ کر دیں تو وہ دب جائیں۔ پھر یا تو ان شرائط پر صلح کریں جو ہم پیش کریں یا ڈر کر بھاگ جائیں۔''

تیسرا راجہ: ''آپ نے یہ باتیں میری زبان سے چھین لیں، میں بھی یہی کہنے والا تھا۔ ہمیں ضرور قلعہ سے نکل کر حملہ کرنا چاہیے۔''

پھر سب نے کہا:

''یہی رائے ہم سب کی ہے، میدان میں نکل کر حملہ کرنا ہی مناسب ہے۔''

مہاراجہ سومنات: ''تب تم سب آج رات کو تیاری کرلو۔ میرا ارادہ صبح سویرے ہی حملہ کرنے کا ہے۔

آپ سب اپنے اپنے لشکر لے کر قلعہ کے دروازہ پر آ جائیں۔"

سب نے کہا: "ہم اس حکم کی تعمیل کریں گے۔"

مہاراجہ سومنات: "اچھا تو اب جایئے اور ہر سپاہی سے کہہ دیجئے کہ مارنے یا مرنے کے لئے میدان میں نکلے۔ یا تو کل غروب والے آفتاب کی کرنیں مسلمانوں کی لاشوں پر پڑیں گی یا مردہ راجپوتوں پر۔ جنگ کا فیصلہ کل ہی کرنا ہوگا!"

سب نے اٹھتے ہوئے کہا:

"دیوتا جی نے چاہا تو کل مسلمانوں ہی کی لاشوں پر سورج کی آخری کرنیں پڑیں گی!!"

سب راجہ اور مہاراجہ رخصت ہو کر چلنے لگے۔ جب یہ لوگ جا رہے تھے اس وقت سکھد یو آ رہا تھا۔ وہ واقف کار راجاؤں مہاراجاؤں سے ملتا اور سلام کرتا مہاراجہ سومنات کے حضور میں پہنچا اور نہایت ادب سے انہیں سلام کر کے بیٹھ گیا۔

مہاراجہ نے کہا:

"خوب وقت پر آئے سکھد یو۔ آج دربار نے یہ طے کر دیا ہے کہ صبح قلعہ سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ کیا جائے۔"

سکھد یو نے بظاہر خوش ہو کر قطع کلام کرتے ہوئے کہا:

"نہایت مناسب فیصلہ کیا ہے، میں بھی اس وقت یہی عرض کرنے حاضر ہوا تھا"

مہاراجہ: "بس تو تم بھی اپنا لشکر لے کر دن نکلنے سے پہلے دروازہ پر پہنچ جاؤ۔"

سکھد یو: "ایسا ہی ہوگا۔ میں ایک اور بات بھی عرض کرنے آیا تھا۔"

مہاراجہ نے اس کے چہرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"کہو سکھد یو!"

سکھد یو: "مجھے اور تمام راجاؤں اور مہاراجاؤں کو دھرمپال پر بڑا غصہ ہے۔ سب یہ چاہتے ہیں کہ اسے اس کی غداری کی کل ہی سزا ملے۔ بہتر یہ ہے کہ اسے قتل کرنے کے بعد حملہ کیا جائے۔"

مہاراجہ نے انقطاعی لہجہ میں کہا:

"ابھی نہیں، اسے اس پر الزام لگانے کے بعد جواب دہی کرنے اور صفائی دینے کا موقع دیا جائے گا اور یہ بات جنگ کے فیصلہ کے بعد ہوگی۔"

سکھد یو کو اور کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ مہاراجہ اٹھ کر چلے گئے۔ وہ بھی بادلِ نخواستہ چلا آیا۔

باب ۲۴

سلطانی تجویز

سلطان غازی محمود بھی اسلامی علم کے نیچے کھڑے شیرانِ اسلام کو تیروں اور پتھروں کی بے پناہ بارش میں سینہ سپر ہوتے اور موت کی پرواہ نہ کر کے بڑھتے اور فصیل پر چڑھ کر لڑتے دیکھ چکے تھے۔
مسلمانوں کا جوشِ جہاد اور شوقِ شہادت دیکھ کر ان کے دل میں بھی حرارت پیدا ہو رہی تھی۔ وہ خود بھی یورش کر کے قلعے کی فصیل پر پہنچنا چاہتے تھے لیکن انہیں ان سے لشکر کے افسر جو سلطان محمود کے سچے جانباز اور ان کے پسینہ کی جگہ خون گرانے والے تھے، انہیں روک رہے تھے۔
پھر بھی ایک مرتبہ جب فصیل پر چڑھے ہوئے مسلمانوں پر راجپوتوں نے یورش کی تھی تو انہیں ایسا جوش آ گیا تھا کہ وہ صفوں کو چیر کر بڑھنے لگے تھے۔ جانثارانِ خاص نے انہیں سمجھایا اور کہا کہ اعلیٰ حضرت ذرا توقف فرمائیں، شاہی خدام اور سلطانی جانثاروں کی دلیری دیکھ لیں۔ سرفروش مجاہدین کو جانبازی کا موقع دیں، ابھی سلطان کے یورش کرنے کا وقت نہیں آیا ہے۔
سلطان نے فرمایا تھا کہ راجپوت مسلمانوں پر یورش کر رہے ہیں، میرا خون میرے جسم میں جوشِ حرارت سے کھول رہا ہے، میں کیسے اس بات کو گوارا کروں کہ مسلمان شہید ہوں اور میں کھڑا تماشہ دیکھتا رہوں!

حقیقت میں سلطان محمود کو بڑا جوش آ گیا تھا۔ انہیں مسلمانوں سے بڑی ہمدردی اور محبت تھی۔ وہ حقیقی معنوں میں انہیں اپنی اولاد یا اپنا بھائی سمجھتے تھے۔ ان کا جی چاہتا تھا کہ وہ بھی مجاہدین کے ساتھ فصیل پر چڑھ جائیں اور راجپوتوں سے لڑ کر دادِ شجاعت دیں۔
لیکن سلطان کے خیر اندیشوں نے انہیں سمجھا بجھا کر ان کے جوش کو ٹھنڈا کیا اور حملہ کرنے سے روک لیا۔
سلطان محمود کا جوش و خروش دیکھ کر سلطان محمود کے لشکر اور رسالۂ خاص کے سواروں کو بھی

جوش وغصہ آ گیا تھا۔ وہ بھی سر بکف ہو کر بڑھنا اور بڑھ کر فصیل پر پہنچنا چاہتے تھے لیکن افسروں نے انہیں بھی اس کی اجازت نہ دی۔

دراصل سلطانی لشکر کے افسر یہ چاہتے تھے کہ التونتاش اور امیر علی خویشاوند کے دستے مصروفِ پیکار رہیں اور سلطانی لشکر الگ کھڑا رہے جس سے راجپوتوں کو خیال رہے کہ ابھی تو تھوڑے سے مسلمان ہی جنگ میں کود کر ان کا قافیہ تنگ کر رہے ہیں اگر کسی وقت سارا لشکر حملہ آور ہو گیا تو ان کو عافیت معلوم ہو جائے گی۔

ان کی یہ تدبیر نہایت مناسب رہی۔ راجپوت جو فصیل پر تھے وہ دیکھ رہے تھے کہ بہت تھوڑے سے مجاہدین نے قلعہ پر دھاوا کیا تھا اور باقی تمام لشکر پرا جمائے خاموش کھڑا تھا۔ وہ ان تھوڑے سے مسلمانوں کی بہادری اور جرأت دیکھ کر مرعوب ہو گئے۔ ان کے دلوں پر مسلمانوں کی دلیری کی دھاک بیٹھ گئی اور وہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ اگر سارا اِسلامی لشکر قلعہ پر ٹوٹ پڑا تو ان کے ہاتھوں سے اس کا بچانا ناممکن ہو جائے گا۔

شام کے وقت جب جنگ بند ہوئی اور اسلامی دستے واپس لوٹے تو سلطان محمود نے حکم دیا کہ آج تمام لشکر ایک ہی جگہ مغرب کی نماز ادا کرے۔

اس سے پہلے پانچ جگہ جماعت ہوتی تھی۔ ایک حاجب علی کے دستہ میں، دوسری ہارون اور برہان کے دستہ میں، تیسری امیر علی خویشاوند کے دستہ میں، چوتھی التونتاش کے دستے میں اور پانچویں خود سلطان محمود کے لشکر میں۔

چونکہ آج التونتاش امیر علی خویشاوند اور سلطانی لشکر مل گئے تھے اس لئے ان تینوں لشکروں کے سپاہیوں نے دن چھپتے ہی گھوڑوں سے اتر کر وضو کیا، چند خوش الحان مجاہدوں نے مل کر پرزور آواز سے اذان دی تو اِس کے بعد جماعت کھڑی ہوئی۔ غازیانِ اسلام صف در صف خدائے بے نیاز کے دربار میں ہاتھ باندھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ افسروں نے بڑھ کر صفیں ایسی سیدھی کر دیں کہ کہیں نام کو بھی خم نہ رہا۔

چونکہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ

''ہمیشہ نماز کے وقت جماعت میں کسی صف میں ذرا سا خم نہ رہے''۔

چنانچہ مسلمان اس بات کا خاص طور پر خیال اور لحاظ رکھتے تھے لیکن اس زمانہ کے ہم مسلمان اس امر کا بھی لحاظ نہیں رکھتے ہیں۔

جمعتہ الوداع یا عیدین، کی نماز میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ صفیں اس درجہ ٹیڑھی ہو جاتی ہیں کہ

ایک صف دوسری سے جاملتی ہے لیکن کسی اللہ کے بندہ کو اس کا خیال نہیں ہوتا اور اگر اس طرف لوگوں کو توجہ دلائی جاتی ہے تو وہ کاہلی کے باعث اٹھ کر صفیں سیدھی کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

مسلمان سن رکھیں یہ بھی آنحضور اکرم ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی ہے اور جو مسلمان اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول کریم ﷺ کی عدول حکمی کرتا ہے اس کا ایمان مکمل نہیں ہے۔ مسلمان تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول کریم ﷺ کی پوری پوری اطاعت کرے۔

مسلمانوں کی شانِ امتیازی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسولِ معظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے احکام کی تعمیل کرے۔ جس طرح انسان اشرف المخلوقات ہے اسی طرح مسلمان اشرف الامت ہے اور آنحضور اکرم ﷺ اشرف الانبیاء علیہم السلام ہیں۔

آنحضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''یعنی نماز میں صفوں کو سیدھا کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے قلوب میں اختلاف ڈال دے گا''۔

(مسلم)

تعجب ہے کہ اس صاف وصریح حدیثِ پاک کے ہوتے ہوئے مسلمان صفوں کو سیدھا کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ ضرورت ہے کہ ہر شخص صفیں سیدھی کرنے کی کوشش کرے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ثواب دے گا۔

غرض صفیں سیدھی ہوگئیں اور خود سلطان محمود نوی نے امام بن کر مغرب کی نماز پڑھائی۔

نماز پڑھ کر ہر دستہ اپنے اپنے جائے قیام پر پہنچ کر کھانے کے انتظام میں مصروف ہوا۔ انہیں دوپہر کا کھانا نصیب نہ ہوا تھا۔ ہر شخص کو بھوک لگ رہی تھی اور ہر سپاہی چاہتا تھا کہ کھانا تیار مل جائے تو وہ کھالے مگر جب کہ ہر شخص میدان جنگ میں پہنچ گیا تھا تو کون اور کس کس کے لئے کھانا تیار کرتا۔

آخر سب نے خود ہی کھانا تیار کیا اور کئی کئی آدمیوں نے مل مل کر کھایا۔

عشاء کی نماز کے بعد سلطان محمود نے مشہور افسروں کو طلب کر کے کہا:

''اس میں شک نہیں کہ آج مسلمانوں نے بڑی جی داری اور نہایت سرفروشی سے کام لیا لیکن قلعہ پر رسائی پھر بھی نہ ہوئی۔ اگر اسی طرح جنگ ہوتی رہی تو بہت طول پکڑے گی اور ہم لڑائی کو طول دینا پسند نہیں کرتے۔ ایک تو رسد کی طرف سے فکر ہے کہیں رسد ختم نہ ہوجائے اور مجاہدوں کو فاقہ کشی کرنی پڑے۔ دوسرا ہمارا دارلسلطنت سے زیادہ عرصہ تک دور اور غیر حاضر رہنا بھی مناسب نہیں۔

کہیں سرحدی لوگ جو کافر ہیں، پایہ تخت کو خالی دیکھ کر نہ چڑھ دوڑیں۔ تیسرے جوں جوں دیر ہوتی جاتی ہے سومنات کے محصورین کو مدد پہنچتی جاتی ہے اس لئے ہم یہ چاہتے ہیں جلد سے جلد اس جنگ کا فیصلہ ہو جائے۔''

التونتاش: ''عالم پناہ، جس بات کو آج ظاہر فرمایا ہے ہم خداماں سلطانی نے اسے پہلے ہی سے سوچ اور سمجھ لیا تھا۔ ہم سب اپنی مقدور بھر کوششیں کر رہے ہیں لیکن آج معلوم ہو گیا کہ فصیل اس قدر مضبوط ہے کہ اس توڑنا آسان اور ہنسی کھیل نہیں۔ تقریباً ایک پہر کامل جوانمردوں نے اسے توڑ ڈالنے کی کوشش کی لیکن اتنا بھی رخنہ پیدا نہ کر سکے جس میں بلی بھی گزر جائے اور چونکہ کمندوں اور سیڑھیوں کے ذریعہ سے تمام لشکر کا فصیل پر پہنچنا ناممکن ہے اس لئے یہ طریقہ بھی کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے۔''

امیر علی: ''میں دیکھ رہا تھا کہ مسلمانوں نے قلعہ پر رسائی حاصل کرنے کے لئے بڑی محنت و مشقت کی مگر کوئی کوشش کارگر نہ ہوئی۔''

سلطان محمود: ''یہ بات مہ بدولت بھی دیکھ رہے تھے۔ مسلمانوں کی جرأت و ہمت قابلِ داد تھی لیکن سوچنا تو یہ ہے کہ کیا تدبیر کی جائے جس سے قلعہ پر چڑھائی ممکن ہو۔''

التونتاش: ''اگر روغنِ نفت مل جائے تو قلعہ پر چھڑک کر آگ لگا دی جائے۔''

سلطان محمود: ''مگر مہ بدولت اسے پسند نہیں کرتے۔ قلعہ مضبوط اور عمدہ ہے اسے جلا ڈالنا انسانیت نہیں ہے۔ پھر ہم یہاں رہنے اور اس سرزمین پر سلطنت کرنے نہیں آئے۔ ہمارا مدعا چندر موہنی کو حاصل کرنا ہے، اس کے لئے قلعہ اور شہر کو برباد کر دینا بڑا ظلم ہے۔''

امیر علی: ''تب ہم سب مل کر کل پورے جوش و خروش سے حملہ کریں گے اور قلعہ کے تین اطراف سے یورش کر کے راجپوتوں کی توجہ ہٹا کر کسی نہ کسی سمت سے اوپر چڑھنے میں کامیابی حاصل کر لیں گے۔''

التونتاش: ''بہتر ہے، کل اسی طرح کیا جائے گا۔''

سلطان محمود: ''مجاہدین کو اس بات پر آمادہ کرو کہ جس طرح بھی ہے وہ قلعہ پر چڑھنے یا فصیل توڑ ڈالنے کی جدوجہد کریں۔''

امیر علی: ''ایسا ہی کیا جائے گا۔''

سلطان محمود: ''اچھا اب تخفیفِ تصدیعہ کیجئے۔''

سب لوگ اٹھ اٹھ کر چلے گئے اور ہر سپہ سالار نے اپنے ماتحت افسروں کو سلطانی فرمان سنا کر اس کی تعمیل کی ہدایت کر دی۔

ہر افسر نے ہر سپاہی تک یہ فرمان پہنچا دیا۔ مسلمان رات کو نہایت اطمینان اور آرام سے سوئے اور صبح ہوتے ہی اذان کی آواز سن کر اٹھے۔ ضروریات سے فراغت کی اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔

ابھی دعا مانگ کر مسلمان فارغ ہی ہوئے تھے اور میدان میں قدرے اندھیرا پھیلا ہوا تھا کہ پھاٹک کھلنے کی آواز آئی۔

جونہی مسلمانوں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا انہیں راجپوتوں کے رسالوں کا سیلاب قلعہ سے نکل نکل کر میدان کی طرف بہتا ہوا نظر آیا۔

رفتہ رفتہ اندھیرا چھٹنے لگا اور روشنی پھیلنے لگی اور اب مسلمانوں نے پورے طور پر دیکھا کہ بہادر راجپوتوں کا ٹڈی دل لشکر قلعہ سے نکل کر بڑی تیزی سے ان کی طرف بڑھ رہا ہے۔

تمام مسلم افسروں اور سپہ سالاروں نے مسلمانوں کو جلدی سے مسلح ہو کر میدان میں نکلنے کا حکم دیا۔

مسلمان اپنے خیموں کی طرف دوڑے اور جلد جلد مسلح ہو کر میدانِ جنگ میں پہنچنے اور صف بستہ ہونے لگے۔

پر جوش حملہ:

راجپوتوں کے رسالے نہایت تیزی سے قلعہ سے نکل نکل کر میدان میں پھیلتے جاتے تھے۔ انہیں دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سومنات کا ہر شخص فوج میں بھرتی ہو کر نکل آیا ہے۔ ان کی کثرت سے میلوں لمبا چوڑا میدان پٹ گیا تھا۔

مسلمان بھی تیزی اور پھرتی سے میدان میں بڑھ بڑھ کر صف بستہ ہونے لگے تھے۔ ان سے کچھ فاصلہ پر راجپوتوں نے صفیں مرتب کرنی شروع کر دی تھیں۔

اسلامی لشکر کے میسرہ میں التونتاش، میمنہ میں امیر علی خویشاوند اور قلب میں خود سلطان محمود تھے اور ہر دستہ میں متعدد چھوٹے بڑے افسر تھے۔

راجپوتوں نے بھی مسلمانوں کی طرح میمنہ، میسرہ اور قلب قائم کر لیا تھا اور چونکہ ان میں راجہ اور مہاراجہ کثرت سے تھے اس لئے ہر دستہ میں وہی افسر مقرر کئے گئے تھے۔ مہاراجہ سومنات قلب کی پشت پر تھے، ان کے ساتھ ہی سکھد یو تھا۔

جب مسلمانوں نے راجپوتوں کی طرف دیکھا تو انہیں ہر طرف ان کے دستے پھیلے اور تمام

میدان ان سے لبریز نظر آیا۔

سلطان محمود نے اپنے خادمِ خاص سے آہستہ سے کہا:

''جاؤ اور خرقہ (ا) مبارک جناب شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا لے آؤ۔''

خادم چلا گیا اور تھوڑی ہی دیر میں خرقہ مبارک لے کر آ گیا۔ سلطان محمود کو اسلامی بزرگوں سے بڑی عقیدت و محبت تھی۔ انہوں نے خرقہ مبارک جناب شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا لے لیا، اسے چوما اور گھوڑے سے اترے۔

خادم نے جلدی سے مصلّٰی بچھا دیا۔ سلطان محمود نے خرقہ مبارک اوڑھ کر نہایت خشوع و خضوع سے دعا مانگی۔

''پاک پروردگار!! مسلمان تیری امداد کے بھروسہ پر وطن سے دور دشمنوں کے ملک میں کافروں سے جہاد کرنے آئے ہیں۔ ان کی کثرت سے میدان بھر گیا ہے، میرے مولا! مسلمانوں کی مدد کر۔ اگر تیرے پرستاروں کو شکست ہوگئی تو مجھ گنہگار کی وجہ سے اسلام کو زبردست نقصان پہنچے گا اور مسلمانوں کی ہوا اُکھڑ جائے گی۔

''الہ العالمین!! رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ اور اپنے حبیب ولی کامل حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے طفیل میں مسلمانوں کی مدد کر۔ اسلام کو رسوا اور مسلمانوں کو ذلیل ہونے سے بچا لے۔ تو بڑا کارساز اور زبردست مدد کرنے والا ہے حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس خرقہ کی لاج رکھ لے۔ اپنے گنہگار بندہ محمود کی لاج رکھ لے آمین ثم آمین!!''

سلطان محمود دعا مانگتے جاتے تھے اور آنسوؤں کا سیلاب بہاتے جاتے تھے۔ وہ اس قدر روئے اور اس قدر ان کے آنسو جاری ہوئے کہ ان کی داڑھی تر ہوگئی۔

کچھ دیر کے بعد ان کے قلب کو سکون ہوگیا۔ وہ اٹھے، ان کے دل میں جوش کا دریا امنڈ آیا، فکر و تردّد دُور ہو گئے۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر بڑھے اور سب سے اگلی صفوں کے سامنے جا کر میمنہ اور میسرہ کی طرف چلے۔

انہیں دیکھتے ہی مسلمانوں نے ادب و تعظیم سے سر جھکا دیئے۔ سلطان محمود نے پورا چکر لگایا اور پھر درمیان میں ٹھہر کر پر جوش لہجہ میں بولے:

''مسلمانو! اس بات سے اندیشہ نہ کرنا کہ تم تھوڑے اور بہت ہی تھوڑے اور دشمن زیادہ ہے

ا۔ از تاریخ اسلام جلد اول صفحہ ۲۸۹

بہت ہی زیادہ۔ مسلمان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر لڑتا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ مسلمانوں کی مدد کی ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ آج بھی وہ ہماری مدد کرے گا۔ مسلمانوں کی شان ہی یہ رکھی ہے کہ تھوڑے ہو کر بھی کثیر التعداد دشمنوں سے لڑے اور فتح یاب ہوئے ہیں۔ تم خدائے واحد و بزرگ و برتر کے پرستار ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے جنت کا وعدہ کیا ہے۔ جنت شمشیر کے سایہ میں ہے اور شہادت جہاد کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ لڑو اور جی کھول کر لڑو۔ اس طرح لڑو جو تمہاری روایاتِ دیرینہ کو تازہ کر دے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں، پتھروں، درختوں، جانوروں، دریاؤں اور دوسری چیزوں کو پوجتے ہیں قدرتی طور پر وہ بہادر نہیں ہو سکتے۔ تمہارے شدید حملے انہیں پسپا کر دیں گے"۔

اس تقریر نے مسلمانوں کے دلوں میں جوش و دلیری کی لہریں اٹھا دیں۔ وہ سرفروشی کے لئے تیار ہو گئے۔

راجپوتوں کے لشکر میں نقارے بجائے جانے اور سنکھ پھونکے جانے لگے چونکہ ہر دستہ میں فوجی باجے بجنے لگے تھے اس لیے تمام میدان گونج اٹھا تھا۔

مسلمانوں اور ہندوؤں کے لشکروں میں ایک تیر سے زیادہ کا فاصلہ تھا۔ دونوں فوجیں کیل کانٹے سے لیس حملہ کرنے کے لئے تیار کھڑی تھیں۔

تھوڑی ہی دیر میں راجپوتوں نے جے کارے لگائے اور ان کے رسالے آہستہ آہستہ مسلمانوں کی طرف بڑھنے لگے۔ وہ اس طرح کمان کی قسم کے دائرہ میں بڑھ رہے تھے جیسے مسلمانوں کے گرد چھا جائیں گے اور انہیں گھوڑوں کے سموں سے روند ڈالیں گے۔

تمام تاریخوں میں لکھا ہے کہ راجپوتوں کے اس پر زور حملہ کر دیکھ کر سلطان محمود غازی اضطراب وسناٹے کے عالم میں کھڑے تھے۔ بار بار کبھی ہندوؤں کے ٹڈی دل لشکر کی طرف دیکھتے اور کبھی آسمان کی طرف دیکھ لیتے تھے۔

راجپوتوں کا تمام لشکر حرکت میں تھا۔ میمنہ سے قلب اور قلب سے میسرہ تک پُر جوش راجپوتوں کے دستے دریا کی لہروں کی طرح بڑھ رہے تھے۔

دفعتاً سلطان محمود سنبھلے اور انہوں نے اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگایا۔ مسلمان جو عالمِ خود رفتگی میں کھڑے تھے چونکے اور انہوں نے اس زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ زمین لرز گئی، فضا تھرا گئی اور راجپوتوں کے نقاروں کی آواز اس زور و شور میں مدغم ہو کر رہ گئی۔

اب عساکرِ اسلامیہ نے حرکت کی، اسلامی رسالے بھی شان و دبدبہ کے ساتھ بڑھنے اور دشمنوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے لگے۔ ان کے سفید لباس اور جھلملاتے ہتھیار آفتاب کی شعاعیں

پڑنے سے جگمگا رہے تھے۔

راجپوتوں نے تیر افگنی شروع کی۔ مسلمانوں نے بھی کمانیں سنبھالیں اور تیروں کی باڑھ ماری۔

دونوں فریقوں نے اس کثرت سے تیر چلانے شروع کئے کہ بسا اوقات آفتاب تیروں کے پیچھے چھپ جاتا تھا۔ بالکل اس طرح جیسے ہلکا ابر چھا گیا ہو۔

ان جان لیوا تیروں نے مردِ میداں سرفروشوں کو زخمی کرنا شروع کر دیا۔ جس جانور یا جس انسان کے جس جگہ جا کر لگتے تھے جسم کے اسی حصہ میں پیوست ہو جاتے تھے۔ زخمی گھوڑے تو الف ہو کر کودنے لگتے تھے اور مجروح انسان گھوڑوں سے گر کر یا تو سموں سے روندے جاتے تھے یا تڑپنے اور تلملانے لگتے تھے۔

چونکہ تیر نہایت کثرت سے برسائے جا رہے تھے اس لئے فریقین کے رسالے ان تیروں کو ڈھالوں پر روکتے ہوئے قدم قدم بڑھ رہے تھے اور چونکہ ایک فریق دوسرے کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا اس لئے متخاصمین کا فاصلہ ہر لحظہ کم ہوتا جاتا تھا۔ پھر بھی ایک لشکر دوسرے لشکر سے کافی دوری پر تھا۔

اکثر تیر جو پوری قوت سے نہیں چھوڑے جاتے تھے درمیان ہی میں گر پڑتے تھے اور ایسے تیر زیادہ تر راجپوتوں کی طرف سے چلائے جاتے تھے۔ یا تو عجلت میں پوری قوت سے کمان کھینچ کر تیر نہ چھوڑتے تھے یا ان کے بازوؤں میں اس قدر طاقت ہی نہ تھی کہ وہ زور سے چلہ کھینچ کر تیر چھوڑتے اور وہ زد پر جا کر لگتا۔

اس کے علاوہ راجپوتوں کے تیر بے ترتیبی سے چل رہے تھے۔ ہر دستہ کے تیر آگے پیچھے دوڑ رہے تھے، اس سے مسلمانوں کو ان سے بچنے کا کافی موقع مل جاتا تھا اور وہ ڈھالوں پر انہیں روک کر گرا دیتے تھے۔

ادھر مسلمان پوری قوت سے کمان کھینچتے تھے، نہایت طاقت سے تیر پھینکتے تھے اور اس طرح باڑھیں مارتے تھے کہ تمام تیر برابر برابر فضا کو چیرتے ہوئے دشمنوں پر جا کر گرتے تھے۔

جب کوئی باڑھ راجپوتوں پر جا کر پڑتی تھی تو اکثر و بیشتر سواروں کو مجروح کر کے گھوڑوں سے نیچے گرا دیتی تھی۔ راجپوت زخمی ہو کر گر پڑتے تھے اور چیخنے چلانے اور مسلمانوں کو گالیاں دینے لگتے تھے۔

پھر فوراً ہی ان مجروح سپاہیوں کو یا تو ان کے ہی گھوڑے روند ڈالتے تھے یا پچھلی صفوں کے سوار آگے بڑھ کر انہیں مسل دیتے تھے۔

ان تیروں کی لڑائی میں مسلمانوں سے زیادہ راجپوتوں کا نقصان ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جس ڈھنگ اور جس طریقہ سے مسلمان تیر چلاتے تھے، راجپوت اس سے ہرگز واقف نہ تھے۔

اگرچہ راجپوتوں کے تیر بڑے پھل والے، چوڑے اور تیز پر والے تھے۔ برعکس اس کے، مسلمانوں کے تیروں کے چھوٹے پھل معمولی اور مضحکہ خیز نظر آتے تھے لیکن راجپوتوں کے تیروں سے کہیں زیادہ مسلمانوں کے تیر کارگر ہو رہے تھے۔

راجپوتوں کے تیر پھل بڑے ہونے کی وجہ سے زخم تو چوڑا لگاتے تھے لیکن جسم کے اندر زیادہ دور تک نہ جاتے تھے اور مسلمانوں کے تیر جس عضو پر پڑتے تھے اس کے اندر جاتے تھے نیز بسا اوقات ہڈیوں تک تراز و ہو جاتے تھے۔

اس لئے تیر افگنی سے مسلمانوں سے زیادہ ہندوؤں کو نقصان پہنچ رہا تھا۔ راجپوت زخم کھا کھا کر گرتے تھے اور ان کے گھوڑے گھبرائے ہوئے دولتیاں جھاڑتے پھر رہے تھے۔ اکثر یہ گھوڑے جب تیر کھا کر زخمی ہوتے تھے تو بے تحاشا اپنے ہی سواروں کی صفوں میں گھس کر ابتری پھیلا دیتے تھے۔ مجبوراً راجپوتوں کو ان بے سوار گھوڑوں کو قتل کر کے ان کے شر سے محفوظ ہونا پڑتا تھا۔

باب ۲۵

آتشِ جنگ

جوں ہی مسلمانوں اور راجپوتوں کی صفیں ایک دوسرے سے ہم آغوش ہوئیں فوراً ہی فریقین نے کمانیں شانوں پر ڈالیں اور راجپوتوں نے اپنے چوڑے چوڑے کھانڈے سنبھالے اور مسلمانوں نے لچکدار سمرقندی تلواریں اٹھائیں۔

کھانڈے اور تلواریں اتنی صاف اور چمکدار تھیں کہ سورج کی کرنیں پڑنے سے آئینہ کی طرح جگمگانے لگیں۔

مسلمانوں کی ڈھالیں یا تو سیاہ دھات کی تھیں اور یا گینڈوں کی کھالوں کی تھیں اور وہ بھی کالی تھیں۔لیکن راجپوتوں کی ڈھالیں کسی سفید دھات کی تھیں جو نزدیک سے بھی چاندی کی معلوم ہوتی تھیں۔دھوپ پڑنے کی وجہ سے سفید سفید چمک رہی تھیں۔

چونکہ دونوں فریق جوش وغضب میں بھرے ہوئے تھے اس لئے کھانڈے اور تلواریں سونت سونت کر ایک دوسرے پر بڑے زور سے حملہ آور ہوئے۔

ان کھانڈوں اور تلواروں سے بچنے کے لئے مسلمانوں نے اپنی سپریں اور ہندوؤں نے اپنی ڈھالیں اٹھالیں۔

اس وقت عجیب منظر ہو گیا تھا۔مسلمانوں کی سیاہ ڈھالیں اور راجپوتوں کی سفید ڈھالیں، مسلمانوں کی نازک اور لچکدار تلواریں اور راجپوتوں کے چوڑے چوڑے کھانڈے نہایت ہولناک نظارہ پیش کر رہے تھے۔

راجپوت مسلمانوں پر پل پڑے تھے اور مسلمان راجپوتوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔

جنگ شروع ہوگئی۔موت کے فرشتے سرفروش جانبازوں کے سروں پر منڈلانے لگے تھے۔ سروتن کے فیصلے ہونے لگے تھے۔ہاتھ، پیر، سر، دھڑ کٹ کٹ کر گرنے لگے تھے خون کی بارش ہونے

اور خون کے پرنالے بہنے لگے تھے۔

چونکہ میمنہ سے قلب اور قلب سے میسرہ تک ایک ساتھ ہی جنگ شروع ہو گئی تھی اور میمنہ سے میسرہ کئی میل کے فاصلہ پر تھا اس لئے اتنی دوری میں تلواروں کا کھیت اُگا ہوا نظر آتا تھا۔ کھانڈے، تلواریں اتنی جلدی جلدی اٹھ رہی تھیں کہ دیکھنے والوں کو یہ دھوکہ ہوتا تھا کہ لوگ انہیں دست بقبضہ لئے کھڑے ہیں یا ان سے جدال وقتال کر رہے ہیں۔

راجپوتوں نے حسبِ عادت زور زور سے چلانا اور شور مچانا شروع کر دیا تھا اور فوجی باجے بھی تیزی سے بجانے اور سنکھ زور زور سے پھونکنے لگے تھے۔ ان مختلف آوازوں سے نہ صرف تمام میدانِ جنگ ہی گونجنے لگا تھا بلکہ اس شور کی آواز میلوں دور جا رہی تھی۔

راجپوت غضب ناک ہو ہو کر مسلمانوں کی صفوں میں گھس گئے تھے اور مسلمانوں نے جوش میں آ کر راجپوتوں کی صفوں کو الٹ دیا تھا۔ نہایت گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی موت بڑی سرعت سے اپنی کھیتی کاٹ رہی تھی۔ سروں پر سر اچھل کر گر رہے تھے۔ لاشوں پر لاشیں گرتی جاتی تھیں۔ ہاتھ اور پیر بھی بے شمار کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ خون کے فوارے اس طرح اُبل رہے تھے جیسے زمین سے خون کی دھاریں بلند ہونے لگی ہوں۔

جوں جوں خونریزی بڑھتی جاتی تھی توں توں صف شکن بہادروں کا جوش وخروش بھی بڑھتا جاتا تھا۔

راجپوت بھی قتل ہو رہے تھے اور مسلمان بھی شہید ہو ہو کر گر رہے تھے۔ لڑائی کی چکی دونوں فریقوں کو پیس رہی تھی اور آتشِ جنگ مسلمانوں اور ہندوؤں کو بڑی تیزی سے جلا رہی تھی۔

چونکہ راجپوتوں نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد اِن کے مقابلہ میں حد درجہ کم ہے اس لئے وہ بڑھ بڑھ کر پر جوش حملے کر رہے تھے۔ ان کی بے پناہ تلواریں بے دریغ ہندوؤں کو قتل کر رہی تھیں۔

ہر مسلمان کچھ ایسا جنگ و پیکار میں منہمک تھا کہ ایک دوسرے کی حالت کی مطلق بھی خبر نہ تھی۔ ہر مجاہد اپنے حال میں گرفتار تھا لیکن ہر مسلم جانباز بڑی دلیری اور جرأت سے لڑائی کر رہا تھا۔

رفتہ رفتہ تمام صفیں مصروف جنگ ہو گئی تھیں۔ نہ راجپوتوں کی کوئی صف سالم باقی رہی تھی اور نہ مسلمانوں کی۔ مسلمان راجپوتوں کی صفوں کو درہم برہم کر کے ان میں رخنے ڈال کر گھس گئے تھے۔

جوں جوں دن چڑھتا جاتا تھا جنگ کی آگ بھڑکتی اور شعلے تیز سے تیز تر ہوتے جاتے تھے۔ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے پر اس بے جگری سے حملے کر رہے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا

تھا جیسے انہوں نے تہیہ کر لیا ہے یا تو دشمن فنا کر دیں گے یا خود مٹ جائیں گے۔

راجپوت مسلمانوں کو نہایت حقارت اور کینہ پرور نگاہوں سے دیکھ کر بڑے جوش سے حملے کرتے تھے۔ ان کے تیغے جب بلند ہوتے تھے تو ہیبت چھا جاتی تھی۔ بڑے خوفناک معلوم ہوتے تھے اور جب وہ مسلمانوں کے سروں پر جھکتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دو ڈھالوں کو پھاڑ کر مسلمانوں کے سروں کی پھانکیں کھول دیں گے۔

لیکن یہ عجیب اور حیرتناک بات تھی کہ مسلمان انہیں دیکھ کر خوف و متوحش نہ ہوتے تھے بلکہ نہایت بے باکی اور بے خوفی سے ان کے پُر زور وار کو ڈھالوں پر بڑی آسانی سے روک لیتے تھے اور کچھ اس ترکیب سے کہ ڈھالوں پر خط تک نہ آتا تھا۔ البتہ جس مجاہد کی نگاہ جھپک جاتی تھی کھانڈا اُس کے سر و تن کا فیصلہ کر دیتا تھا۔

راجہ اور مہاراجہ دور کھڑے جنگ کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی جنگ میں شریک نہیں ہوا تھا خصوصاً سومنات کے مہاراجہ اپنے رسالۂ خاص کے جھرمٹ میں جنگ گاہ سے ایک میل کے فاصلہ پر قلعہ کے نزدیک پھاٹک کے سامنے ایک بلند ٹیلہ پر کھڑے تھے۔

وہ ایک نہایت قوی ہیکل گھوڑے پر سوار تھے۔ گھوڑے کا تمام ساز چاندی کا تھا جس میں سونے سے پچی کاری ہوئی تھی۔

ساز کے علاوہ گھوڑے کی گردن میں جو ہینکل پڑی ہوئی تھی وہ خالص سونے کی اور نہایت بیش قیمت تھی۔ ہینکل کے دانوں میں سچے موتیوں کی جھالریں تھیں جو جھلمل جھلمل کر رہی تھیں۔

خود مہاراجہ بیش قیمت موتیوں اور سنہرے زیورات سے ملبوس تھے۔ گلے سے ناف تک کے برہنہ جسم پر چھوٹے بڑے کئی ہار پہنے ہوئے تھے۔

یہ تمام ہار بیش قیمت سنہرے موتیوں اور جواہرات کے تھے۔ برہنہ بازوؤں پر سونے کی آستینیں کہنیوں تک تھیں۔ کانوں میں بندے تھے جن میں دونوں طرف ایک ایک لعل پڑا تھا۔ سر پر مکٹ تھا اور اس میں ہیرے، جواہرات اور متعدد لعل بڑی کاریگری سے جڑے ہوئے تھے۔ ریشمی دھوتی کی کناری چوڑی اور زرد رنگ کے ریشم کی تھی۔ مہاراجہ کے زیورات آفتاب کی ضو پڑنے سے اس قدر جگمگا رہے تھے کہ ان کی طرف دیکھنا دشوار تھا۔

چونکہ گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی اور ابھی یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کون فریق غالب اور کون مغلوب ہو جائے، اس لئے مہاراجہ کچھ افسردہ خاطر اور متفکر تھے۔

مسلمان نہایت دلیری اور بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ ہر مجاہد پیکرِ جوش و غضب بنا ہوا

تھا۔ اپنی ہستی کو بھولا ہوا بڑے جوش وخروش سے لڑ رہا تھا۔

مجاہدوں نے گویا تہیہ کر لیا تھا کہ یا تو دشمنوں کو قتل کر ڈالیں گے یا خود شہید ہو جائیں گے۔ وہ نگاہیں اٹھا کر کسی طرف بھی نہ دیکھتے تھے کہ ان کے اردگرد کیا ہو رہا ہے۔ وہ یا تو دشمن کے حملے روکنے میں مشغول تھے اور یا خود حملے کر رہے تھے۔

ان کی بے پناہ اور خاراشگاف تلواریں ڈھالوں کے پرزے اڑا کر دشمنوں کے سروں کی پھانکیں کھول رہی تھیں۔ یا شہ رگیں کاٹ کر سینہ میں اتر جاتی تھیں اور پسلیوں کو کھول کر رکھ دیتی تھیں۔

اسلامی لشکر کے افسر بھی نہایت دلیری اور بڑی جرأت سے لڑ رہے تھے۔ وہ بھی عام مسلمانوں کی طرح خاموش تھے اور نہایت خاموشی سے جنگ کر رہے تھے اور کچھ اس درجہ منہمک تھے کہ کسی طرف بھی آنکھیں اٹھا کر نہ دیکھتے تھے۔

ان کا ہر حملہ نہایت زور وقوت سے ہوتا تھا اور ہر حملہ میں دو چار راجپوتوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔

جب وہ جوش میں آ کر دشمنوں کے گروہ میں گھس جاتے تھے اور راجپوت انہیں نرغہ میں لے کر چاروں طرف سے ان پر تلواروں کا مینہ برساتے تھے تو وہ ایسی پھرتی سے چوکھا پھیرتے تھے کہ دشمنوں کے حوصلے ڈھیلے پڑ جاتے تھے اور وہ خود انہیں راستہ دے کر نکل جانے کا موقع دے دیتے تھے۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ عام مجاہدین اپنے افسروں کو دشمنوں میں گھرا ہوا دیکھ کر اس زور سے حملہ کر دیتے تھے کہ لاشوں پر لاشیں ڈال کر انہیں منتشر کر دیتے تھے۔

التونتاش اور امیر علی خویشاوند دونوں بڑے جوش وخروش سے لڑ رہے تھے۔ ان کی تلواریں اس پھرتی سے اٹھ کر دشمنوں کے سروں پر پڑتی تھیں جیسے ان کے ہاتھوں میں بہت سی تلواریں ہوں۔

وہ دشمنوں کو بے دریغ قتل کر رہے تھے۔ راجپوتوں پر ان کی ہیبت چھا گئی تھی اور وہ ان کے سامنے سے کترا کر ادھر ادھر ہٹ یا دب جاتے تھے۔

غازی سلطان محمود ابھی تک جنگ سے الگ تھلگ تھے۔ وہ نہایت غور بین نگاہوں سے جنگ کی رفتار کو دیکھ رہے تھے۔ مجاہدینِ اسلام کی بےنظیر جرأت وہمت دیکھ دیکھ کر مسرور ہو رہے تھے۔

ان کے جلو میں اس وقت پانچ سو دلیرانِ صف شکن کا رسالہ تھا۔ گو کہ اتنی جمعیت کسی شمار قطار میں نہ تھی لیکن وہ ایسے دلاور تھے جو کہ ہزاروں پر بھاری تھے۔ سلطان محمود کو ان پر بڑا بھروسہ تھا۔ وہ ان کے ساتھ حملہ کرنے کے لئے وقت اور موقع کا انتظار کر رہے تھے۔

سلطان محمود نے دفعتاً کچھ سوچا اور ایک سوار سے مخاطب ہو کر کہا:

''تم دوڑ کر حاجب علی کے پاس چلے جاؤ، کہنا وہ اپنا دستہ لے کر جلد اس طرف آ جائیں۔''

سواری تیزی سے چلا کہ تھوڑی دیر میں سوائے گھوڑے کی گرد کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔

سلطان محمود اس طرف دیکھ رہے تھے، ان کے دیکھتے ہی دیکھتے گرد بھی غائب ہو گئی۔

سلطان محمود نے سوچا، بڑا چست و چالاک سوار ہے غالباً اب واپس آنے والا ہو گا۔

ان کے اتنا کہتے ہی گرد پھر نمودار ہوئی اور بڑھتے بڑھتے اس میں سے سوار دکھائی دینے لگا۔

تھوڑی ہی دیر میں سوار قریب آیا۔ اس نے کہا:

''عالم پناہ!!! اس طرف سے بھی راجپوتوں کا لشکر آ رہا ہے۔''

سلطان محمود کو حیرت ہوئی اور تردد بھی ہوا۔ انہوں نے کہا:

''اس طرف سے کون آ رہا ہے؟''

سوار: ''معلوم ہوا ہے کہ مہاراجہ انہلو اڑہ آ رہا ہے۔''

سلطان محمود: ''کس قدر لشکر ہے اس کے ساتھ؟''

سوار: ''اس کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکا۔''

سلطان محمود: ''اچھا تم ہارون کو جا کر اطلاع کرو کہ وہ اپنا دستہ لے کر حاجب علی کی مدد کو چلا جائے اور برہان بندرگاہ کی طرف نگاہ رکھے۔''

''بہتر ہے'' سوار نے کہا اور تیزی سے روانہ ہو گیا۔

ایک فتح:

جبکہ اس طرف یہ ہنگامۂ دار و گیر برپا تھا اس وقت مہاراجہ انہلو اڑہ (۱) اپنی جمعیت لے کر آ گیا تھا۔ حاجب علی نے دور ہی سے اس لشکر کو دیکھ کر اپنے دستہ کو اس کا مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ و مستعد کر لیا تھا۔

مہاراجہ انہلو اڑہ کے ساتھ دس ہزار آزمودہ کار سوار تھے۔ اگرچہ اس کا بیٹا سکھد یو اس سے پہلے ہی سومنات کے مہاراجہ کی مدد کے لئے آ گیا تھا لیکن چونکہ ابھی تک اس جنگ کے واقعات اسے معلوم نہ ہو سکے تھے اس لئے اب وہ خود بھی چلا آ رہا تھا۔

۱۔ از تاریخ فرشتہ جلد اول

جب اس نے دور سے حاجب علی کا دستہ دیکھا اور اسے اس کی تعداد بہت کم معلوم ہوئی تو اس نے سبقت کی اور اپنے سواروں سے کہا:

''پر ماتما نے ان تھوڑے سے ملیچھوں کو تمہارے مقابلہ میں لا ڈالا ہے ان کا خاتمہ کر کے راستہ صاف کرو۔''

چونکہ راجپوت جنگجو قوم ہے اس لئے تمام فوجی جوان تیار ہو گئے۔ انہوں نے اپنے ہتھیاروں کی اچھی طرح دیکھ بھال کر لی اور دور سے ہی پرے جما کر نہایت شان سے بڑھنے لگے۔

حاجب علی نے بھی راجپوتوں کے اس لشکر کو دیکھ لیا تھا۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ آنے والا لشکر راستہ نکالنے کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ اس نے بھی اپنے دستہ کو ترتیب دے لیا تھا۔

عین اس وقت سلطان محمود کا قاصد اس کے پاس پہنچا تھا۔ اس نے قاصد سے کہہ دیا تھا کہ غالباً ادھر سے مہاراجہ انہلو اڑہ آ رہا ہے، میں اپنے محاذ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔

چنانچہ قاصد واپس آ گیا تھا اور حاجب علی راجپوتوں کو روکنے اور مقابلہ کرنے کی تجاویز سوچنے لگے تھے۔

مہاراجہ انہلو اڑہ نے اسلامی لشکر کے پاس پہنچ کر اپنے دستوں کو آگے بڑھایا اور خود قلبِ لشکر میں ٹھہر گیا۔

راجپوتوں نے مسلمانوں پر نہایت سختی سے حملہ کر دیا۔ اس شدت سے کہ یہ یقین ہو چلا تھا کہ ان کا پہلا حملہ ہی مسلمانوں کو پسپا کر دے گا۔

لیکن مسلمانوں کا استقلال اور مسلمانوں کی ہمت قابل صد ہزار تحسین تھی انہوں نے اس پُر زور حملہ کو نہایت جوانمردی اور بڑے ضبط سے روکا۔ خود راجپوتوں کو بھی ان کے ضبط و استقلال پر تعجب ہوا۔

تلواریں تڑپ کر میانوں سے نکل آئی تھیں اور ڈھالیں ان کے استقبال کے لئے بلند ہو گئی تھیں۔ ہنگامۂ دار و گیر شروع ہو گیا تھا۔ مسلمان راجپوتوں کی صفیں اور راجپوت مسلمانوں کی صفیں توڑنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔

جنگ کی آگ بھڑک اٹھی تھی اور آتشِ پیکار کے شعلے دور تک پہنچ گئے تھے۔

صاف اور چمکدار تلواریں جانبازوں کے خون میں نہا کر سرخ ہونے لگیں تھیں۔ ہاتھ، پیر، سر اور دھڑ کٹ کٹ کر گرنے لگے تھے۔ خون جہاں تہاں بہنے لگا تھا۔ خون کے چھینٹے سرفروشوں کے کپڑوں اور جسموں کو رنگ رنگ کر گلنار کرنے لگے تھے۔

صف شکن جانباز خون کی ہولی کھیلنے لگے تھے۔ موت نے اپنے ڈیرے خیمے لگا لئے تھے۔ یکے بعد دیگرے صفیں ٹوٹتی جاتی تھیں۔ مسلمان راجپوتوں کی صفوں میں گھس گئے تھے اور مسلمانوں کی صفوں میں راجپوت در آئے تھے۔

جنگ اس شور سے ہو رہی تھی کہ ہر شخص فنا فی الحرب ہو گیا تھا۔ ایک ہاتھ میں تلوار اور ایک میں ڈھال لئے حملے کر رہا تھا۔

مہاراجہ انہلواڑہ اپنے جانبازوں کو للکار للکار کر شہ دے رہا تھا اور راجپوت اس کی آواز پر جان توڑ کر لڑ رہے تھے۔

چونکہ مسلمان بہت تھوڑے تھے اس لئے راجپوتوں کے مقابلہ میں ان کا شمار بھی کچھ نہ تھا۔ اس وجہ سے راجپوت مسلمانوں پر پلے پڑتے تھے، چاہتے تھے کہ جلد سے جلد انہیں فنا کے گھاٹ اتار دیں۔

لیکن مسلمان کچھ ایسے جوش و خروش اور جرأت و استقلال سے لڑ رہے تھے کہ راجپوتوں کے بنائے کچھ نہ بنتی تھی۔ ان کے پرزور حملے رد کر دیئے جاتے تھے اور جو لوگ جوش میں آ کر بڑھتے تھے، ان میں سے بہت کچھ موت کی آغوش میں پہنچ جاتے تھے۔

یہ کیفیت دیکھ کر راجپوتوں کو جوش آتا تھا اور وہ پھر حملہ کرتے تھے لیکن مسلمان سدِ سکندری کی طرح جم گئے تھے۔ وہ ہر حملہ کو روک کر خود بھی کوہ شکن حملہ کرتے تھے اور حملہ آور راجپوتوں کو تلواروں کی دھاروں پر رکھ لیتے تھے۔

جنگ اسی اسلوب سے ہو رہی تھی کہ کہیں راجپوت حملہ کر کے مسلمانوں پر جا گرتے تھے اور کبھی مسلمان راجپوتوں پر جا ٹوٹتے تھے۔

ہر حملہ میں مسلمان اور راجپوت دونوں ہی کافی مارے جاتے تھے۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ تلواریں دوست اور دشمن کا امتیاز کئے بغیر برابر کاٹ کر رہی ہیں۔ جو بھی ان کی زد میں آ جاتا تھا نقدِ جان گنوا کر لمبا لیٹ جاتا ہے لیکن ان کے جوش میں کمی نہ آتی تھی۔ وہ مر رہے تھے اور مرنے والوں کی جگہ زندہ لے کر نہایت جوش و خروش سے جنگ کو جاری رکھے ہوئے تھے۔

مسلمان نہایت پھرتی اور چابکدستی سے تلواریں چلا رہے تھے اور پینترے بدل بدل کر حملے کر رہے تھے۔ جو پیدل تھے وہ اس طرح لڑ رہے تھے اور جو سوار تھے وہ گھوڑوں کو ادھر سے ادھر، ادھر سے ادھر دھکے دے کر نہایت جوش اور بڑی قوت سے حملہ کر رہے تھے۔

آبدار تلواریں ڈھالوں کو کاٹ ڈالتی تھیں، لوہے کی ٹوپیوں کو پچکا دیتی تھیں اور جب گردن

پر پڑتی تھیں تو اس طرح کاٹتی تھیں جس طرح چاقو ککڑی سے گزر جاتا ہے۔

حاجب علی بھی تلوار سے نہایت شدت سے حملے کر رہے تھے۔ ان کی تلوارِ آبدار نے ان گنت راجپوتوں کو موت کی آغوش میں پہنچا دیا تھا۔ مرنے والوں کے خون کی چھینٹیں پڑ پڑ کر ان کے کپڑوں اور جسم کے اعضاء پر جم گئی تھیں۔

چونکہ وہ اس دستہ کے سردار تھے اس لئے ہر مجاہد کی خبر رکھنا اور اس کی مدد کرنا چاہتے تھے۔ وہ گھوڑے کو تیزی سے دوڑا کر نہایت پرزور حملے کر رہے تھے۔ جس بھی مسلمان پر نرغہ دیکھتے تھے اسی طرف حملہ کر کر کے راجپوتوں کو مار کاٹ کر مسلمانوں سے دور کر دیتے تھے۔

راجپوت دانت پیس پیس کر حملے کر رہے تھے کہ وہ ان تک پہنچنے ہی نہ پاتے تھے۔

ان کا گھوڑا پسینہ میں شرابور ہو گیا تھا۔ اس کے منہ سے کف نکلنے لگا تھا۔ خود حاجب علی کے بازو بھی مارتے کاٹتے شل ہو چکے تھے اور نہ صرف حاجب علی کے بازو بلکہ ہر مسلمان اپنی قوت میں کمزوری محسوس کرنے لگا تھا۔

لیکن اس پر بھی ہر شخص اب بھی نہایت جوش و خروش سے لڑ رہا تھا اور بڑی پھرتی اور چابکدستی سے حملوں پر حملے کر کے دشمنوں کو ٹھکانے لگا رہا تھا۔

مگر راجپوتوں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ مسلمانوں کی طاقت جواب دینے لگی ہے۔ انہوں نے حملوں میں اور بھی شدت کر دی تھی۔ اب مسلمان دبنے اور پیچھے ہٹنے لگے تھے۔

یہ کیفیت دیکھ کر راجپوتوں کے ولولے تازہ ہو گئے اور حوصلے اس قدر بڑھ گئے کہ وہ برابر مسلمانوں کو دباتے پیچھے ہٹاتے بڑھنے لگے۔

اس وقت دفعتاً اللہ اکبر کے پرشور نعرہ کی آواز آئی۔ راجپوتوں اور مسلمانوں دونوں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ انہیں مسلمانوں کے رسالے گھوڑے دوڑاتے نظر آئے۔ مسلمان انہیں دیکھتے ہی خوش ہو گئے۔ انہوں نے سنبھل کر نعرۂ تکبیر لگایا اور اس جوش سے حملہ کیا جیسے وہ ستا کر تازہ دم ہو گئے ہوں۔

راجپوتوں نے مسلمانوں کی جرأت و جسارت دیکھی۔ وہ حیران و خوف زدہ ہو گئے۔ مہاراجہ انہلواڑہ پرم دیو بھی کچھ متاسف نظر آنے لگا۔

یہ آنے والے رسالے ہارون کے تھے۔ مجاہدینِ اسلام گھوڑے دوڑاتے اس تیزی سے آ رہے تھے جیسے مالِ غنیمت لوٹنے کے لئے چلے آ رہے ہوں۔

انہوں نے آتے ہی اپنی صفوں کو کھول دیا اور ادھر ادھر پھیل کر نہایت جوش اور زور سے

راجپوتوں پر حملہ کیا اور پہلے ہی حملہ میں ان کے سواروں کو الٹ دیا۔ بے شمار دشمنوں کو گھاس اور ترکاری کی طرح کاٹ کر ڈال دیا۔

راجپوتوں نے ہر چند قدم جما کر ان کا مقابلہ کرنا چاہا لیکن وہ جم ہی نہ سکے یا یہ کہیے کہ مسلمانوں نے انہیں جمنے ہی نہ دیا۔ جوں ہی وہ ٹھٹکے اور رکے، فوراً ہی دوسرا حملہ کیا اور یہ حملہ پہلے حملہ سے بھی سخت ہوا۔ بہت سے راجپوت قتل و مجروح ہو ہو کر گرے اور بہت سے شدید زخمی ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔

پرم دیو نے یہ کیفیت دیکھی تو سمجھ گیا کہ جنگ کا پانسہ پلٹ گیا ہے۔ فتح شکست سے بدلنے والی ہے۔ تازہ دم مسلمان راجپوتوں کا ستھراؤ کر ڈالیں گے اس لئے اس نے اپنے لشکر کو واپسی کا اشارہ کیا۔

جوں ہی راجپوتوں نے یہ اشارہ دیکھا وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر میں انہوں نے اتنے راجپوت مار ڈالے جتنے جنگ شروع ہونے سے اب تک بھی نہ مارے گئے تھے۔

پرم دیو نے لشکر کو واپسی کا اشارہ کر کے بڑی غلطی کی۔ اس نے اپنی اس حرکت سے بے شمار جوانوں کو موت کی گود میں بھیج دیا تھا۔

مسلمانوں نے دور تک ان کا تعاقب کیا اور جب وہ ان کی دسترس سے باہر نکل گئے تب وہ لوٹے اور مردہ راجپوتوں کے ہتھیاروں اور رسد کے ذخائر پر قبضہ کرنے لگے۔

کچھ مسلمانوں نے گھوڑوں سے اتر کر شہیدوں کو ایک جگہ جمع کیا اور پھر سب نے مل کر جنازہ کی نماز پڑھی اور انہیں ان کے اس لباس میں جسے پہن کر وہ شہید ہوئے تھے دفن کر دیا۔

انہوں نے شمار کیا تو پونے تین سو مسلمان شہید ہوئے تھے اور تین ہزار کے قریب راجپوت مارے گئے۔

پرم دیو پر مسلمانوں کی کچھ ایسی ہیبت چھائی کہ اس نے جنگل کے راستہ سے بھی سومنات میں پہنچنے کی کوشش نہیں کی بلکہ سیدھا انہلواڑہ کی طرف واپس لوٹ گیا۔

مسلمانوں کو یہ پہلی نمایاں کامیابی نصیب ہوئی اور مال غنیمت بھی کافی ملا۔

اس مہم سے فارغ ہو کر ہارون اپنے رسالے کو لے کر اپنے جائے قیام کی طرف لوٹ گئے۔

باب ۲۶

حشر خیز جنگ

قلعہ کے سامنے سلطانی لشکر سے ابھی تک جنگ ہو رہی تھی۔ راجپوت جی توڑ کر لڑ رہے تھے، انہیں اپنی فتح یابی کا پورا یقین تھا۔

یوں تو ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک ہزاروں جنگیں ہوئی تھیں اور ان میں ہزاروں ہی مشہور اور قابل تذکرہ بھی تھیں لیکن یہ جنگ بھی اس نوعیت کے لحاظ سے خاص تھی اور بعد میں اس قدر مشہور ہوئی کہ آج تک سینکڑوں برس گزر جانے پر بھی ہندو اور مسلمانوں کی زبانوں پر اس کا ذکر ہے۔

ہندو اپنے دیوتا سومنات کی حرمت پر کٹ مرنے کو تیار ہو گئے تھے۔ انہوں نے گویا طے کر لیا تھا کہ یا تو مسلمانوں کو شکست دے کر بھگا دیں گے یا ان کا قلع قمع کر کے ہی دم لیں گے۔

اسی طرح مسلمانوں نے بھی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ یا تو ہم شہید ہو جائیں گے یا راجپوتوں کو شکست دے کر قلعہ پر قبضہ کر لیں گے۔

چنانچہ یہی ہو رہا تھا، نہ مسلمان موت سے ڈر رہے تھے نہ راجپوت اس کی پرواہ کر رہے تھے۔ دونوں فریق پورے جوش و خروش اور پورے عزم و استقلال سے لڑ رہے تھے۔

خون آلود تلواریں اور خون میں نہائے ہوئے کھانڈے نہایت تیزی سے اور اس پھرتی سے اٹھ اٹھ کر چمک رہے تھے کہ اٹھے ہوئے تو معلوم ہوتے تھے مگر جھکتے نظر نہ آتے تھے۔

مار دھاڑ بڑے زور شور سے ہو رہی تھی۔ سر کٹ کٹ کر اولوں کی طرح برس رہے تھے۔ دھڑوں پر دھڑ گرتے جاتے تھے اور دھڑوں میں سے اس طرح خون نکل نکل کر بہہ رہا تھا جس طرح سوراخوں میں سے پانی نکل کر بہا کرتا تھا۔

جتنی دوری میں جنگ ہو رہی تھی اتنی دوری میں میدان لاشوں سے پٹ گیا تھا اور مُردوں کے جسموں کو لڑنے والوں کے گھوڑے روند رہے تھے۔

عربوں میں مرنے والوں کی لاشوں کو پامال کرنا یعنی گھوڑوں کے سموں سے کچل دینا بڑا معیوب سمجھا جاتا تھا لیکن ترک اور راجپوت اس وقت بلا اس امتیاز کے کہ وہ کس کی لاشوں کو پامال کر رہے ہیں مُردوں کو کچل رہے تھے۔

جو لوگ زندہ تھے اور لڑ رہے تھے انہیں ایک لحہ کے لئے بھی اپنے زندہ رہنے کی امید نہ تھی کیونکہ تلواریں اور کھانڈے نہایت تیزی سے چل رہے تھے اور بہت پھرتی سے کاٹ رہے تھے۔ چونکہ ہر شخص لڑائی میں مشغول تھا اس لئے اگر تلوار کسی کا سر اڑا دیتی تھی تو کسی کا کھانڈا کسی کا سینہ کھول دیتا تھا۔

غرض نہایت ہی حشر خیز جنگ ہو رہی تھی، ایسی قیامت بہ داماں کہ جنگجو بہادروں کے لئے آج ہی محشر بپا ہو چکا تھا۔ انہیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ساری دنیا جنگ میں مبتلا ہوگئی ہے اور اب کوئی دم میں موت کے گھاٹ اترنے والی ہے۔ قیامت کا منظر ان کے سامنے تھا۔

حقیقت میں کوئی شخص جب مرتا ہے اس کے لئے تو وہی وقتِ قیامت ہے یا جو مرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے وہ سمجھ لیتا ہے کہ قیامت آ گئی ہے، ساری دنیا فنا ہو رہی ہے۔

غرض جنگ ہو رہی تھی نہایت خونریز اور بڑی قیامت خیز، نہ کسی کی زندگی محفوظ تھی نہ کوئی زندگی کی حفاظت کر سکتا تھا۔ تلواریں نہایت تیزی سے انسانی کھیتی کاٹ رہی تھیں۔ جنگجو بڑی پھرتی سے کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔

منظر نہایت ہولناک ہو گیا تھا۔ جہاں تہاں لاشیں روندھی پڑی تھیں اور گھوڑوں نے انہیں کچل کر ایسا بدہیت کر دیا تھا کہ ان کا شناخت ہونا مشکل ہو گیا تھا۔ سر ٹھوکریں کھا رہے تھے۔ خون کے چکدے جگہ جگہ جم کر گوشت کی ہیبت میں منتقل ہو گئے تھے۔

لڑائی برابر جاری تھی اور زندہ لوگ برابر موت سے ہمکنار ہو ہو کر گر رہے تھے۔ خون کی چھینٹیں اڑ رہی تھیں اور بارش کی طرح برس رہی تھیں۔

جاں باز بہادر بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے اور سرفروش سر کٹوا رہے تھے۔

اس وقت سلطان نے دل میں کہا:

''مجھ پر حیف ہے میں کھڑا ہوں اور مسلمان جانیں دے رہے ہیں............ اگر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ تو موت سے ڈرا اور سہما کھڑا رہا اور مسلمان شہید ہوتے رہے تو کیا جواب دوں گا۔ کیا عذر پیش کروں گا۔ کیا میری جان مسلمانوں کی جانوں سے زیادہ قیمتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں! میں بھی مسلمان ہوں، میں بھی مجاہد ہوں۔ مجھے بھی لڑنا چاہیے!''

یہ کہتے ہی انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ ان کے رسالہ نے اس مبارک نعرہ کی پرشور آواز

میں تکرار کی۔

سلطان محمود نے اپنے گھوڑے کی باگیں ڈھیلی کر دیں۔ رسالہ والوں نے بھی گھوڑے چھوڑ دیئے اور وہ شیروں کی طرح راجپوتوں پر جا ٹوٹے۔

خود سلطان محمود نے تلوار بلند کی اور ''نصر من اللہ و فتح قریب'' (یعنی فتح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہ قریب ہے) کا نعرہ لگایا اور نہایت شدت سے حملہ کیا۔

اگرچہ سلطان ضعیف العمر تھے لیکن ان کے قویٰ بڑے مضبوط تھے۔ انہوں نے پھرتی سے حملے کر کے دشمنوں کو قتل کرنا شروع کر دیا اور اس تیزی سے کہ جیسے تمام راجپوتوں کو خود ہی مار ڈالنا چاہتے تھے۔

ان کے رسالہ کا ہر سوار بھی انہیں کی سی جرأت و دلیری سے لڑنے لگا۔ اس رسالہ نے دشمنوں کی جمعیتوں کو درہم و برہم کر دیا۔ چشم زدن میں ہزاروں راجپوتوں کو کاٹ کر ڈال دیا۔ کشتوں کے پشتے لگا دیئے، خون کے دریا بہا دیئے۔

سلطان محمود کا یہ حملہ ایسا سخت ہوا کہ راجپوت گھبرا کر پیچھے ہٹنے لگے۔

جب عام مسلمانوں نے خود سلطان محمود کو شریکِ جنگ ہو کر لڑتے دیکھا تو ان میں جوش و ولولہ کی لہر اُٹھی اور وہ پہلے سے بھی زیادہ جوش و خروش سے لڑنے لگے۔

اس وقت ہر مسلمان خونخوار شیر بن گیا اور ہر مجاہد اپنی طاقت سے زیادہ محنت و مشقت کرنے لگا۔

جنگ کی آگ کے شعلے دفعتاً بھڑک اٹھے اور ایسے تیز ہو گئے کہ اس سے پہلے اب تک نہ ہوئے تھے۔

راجپوت بھی جم گئے۔ انہوں نے بھی مسلمانوں پر وار کر کے انہیں ٹھکانے لگانا شروع کر دیا لیکن مسلمانوں میں جو جوش سلطان محمود کے شریکِ جنگ ہونے سے پیدا ہو گیا تھا وہ ان میں نہ تھا اس لئے تھوڑی ہی دیر میں ان کی جرأت و ہمت جواب دے گئی۔ ان کے قدم اُکھڑ گئے اور وہ بدحواس ہو کر بھاگے۔

جوں ہی انہوں نے پشت دکھائی مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے پُرزور حملے کر کے انہیں تلواروں کی باڑھوں پر رکھ لیا۔

راجپوت آگے آگے بھاگے جا رہے تھے اور مسلمان ان کے پیچھے انہیں قتل و گرفتار کرتے ہوئے دوڑ رہے تھے۔ تمام میدان میں کچھ عجیب قسم کی ابتری پھیل گئی تھی۔ جس طرف اور جہاں تک نظر

جاتی تھی سوار گھوڑے دوڑاتے بھاگتے نظر آتے تھے۔

راجپوتوں پر مسلمانوں کی کچھ ایسی ہیبت طاری ہوگئی تھی کہ ان کا ہر سوار جو میدانِ جنگ سے پشت دکھا کر بھاگا تھا یہ سمجھ رہا تھا کہ تمام اسلامی لشکر اس کے پیچھے اسے قتل یا گرفتار کرنے کے لئے دوڑ رہا ہے اور اس لئے وہ گھوڑوں کی پسلیوں میں مہمزیں گھسیڑے دیتے تھے تاکہ وہ اپنی پوری قوت سے دوڑیں اور انہیں مسلمانوں کے نرغہ میں سے نکال کر لے جائیں۔ ان کے گھوڑے صاءغغ رفتار بن گئے تھے اور نہایت تیزی سے دوڑ رہے تھے۔ بعض گھوڑے تو بے حال ہو کر گر پڑے اور انہوں نے سواروں کو بھی گرا کر ان کی ہڈی پسلی توڑ دی۔ بعض بدحواسی میں ایک۔ دوسرے سے ٹکرا گئے اور پہلے سوار گرے اور پھر گھوڑے ان کے اوپر جا پڑے۔ اسی طرح بعض راکبوں کو گھوڑوں نے الٹ دیا اور وہ ان کے سموں سے روندے گئے۔

ادھر مسلمان قضائے مبرم کی طرح ان کے پیچھے دوڑے چلے جا رہے تھے اور برابر راجپوتوں کو گرفتار کر رہے تھے۔

مہاراجہ سومنات یہ ابتری اور اپنے لشکر کی ہزیمت دیکھ کر پہلے ہی بھاگ کھڑے ہوئے اور سیدھے قلعہ میں جا کر رکے۔ ان کے بھاگتے ہی اور راجہ مہاراجہ بھی بھاگ نکلے اور انہوں نے بھی قلعہ کے اندر ہی جا کر دم لیا۔ ان کے پیچھے ہی شکست خوردہ لشکر داخل ہونا شروع ہوا۔

اب آفتاب غروب ہونے لگا تھا۔ جھٹپٹا وقت ہو گیا تھا۔ سلطان محمود نے یہ دیکھ کر کہ مسلمان تمام دن بے آب و دانہ بڑے جوش اور بڑی قوت سے لڑتے رہے ہیں انہیں واپس لوٹنے کا حکم دیا۔ جن مسلمانوں نے اس حکم کو سن لیا وہ تو رک کر لوٹ گئے لیکن جو مجاہدین نہ سن سکے وہ بڑھ کر قلعے کے دروازہ پر پہنچ گئے اور انہوں نے قلعہ کے اندر داخل ہونے کی کوشش کی۔

مگر جب نگاہیں اٹھا کر دیکھا اور بہت کم مسلمان وہاں نظر آئے تو وہ باہر ہی رک گئے اور مزید مسلمانوں کو بلانے کے لئے آوازیں دینے اور نعرے لگانے لگے۔

راجپوتوں نے اس خوف سے کہ کہیں مسلمان قلعہ کے اندر راجپوتوں کے ریلے کے ساتھ نہ گھس آئیں، جلدی سے پھاٹک بند کر لیا اور یہ مطلق خیال نہ کیا کہ ابھی ان کے سینکڑوں بہادر قلعہ کے باہر ہی رہ گئے ہیں۔

جو راجپوت باہر رہ گئے تھے ان پر وہ مسلمان ٹوٹ پڑے جو قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے تھے اور انہوں نے جلدی ہی پرزور حملے کر کے ان سب کو قتل کر ڈالا۔

جب دن چھپ گیا اور اندھیرا پھیل گیا تب یہ حملہ آور مسلمان بھی اپنے لشکر کی طرف واپس

لوٹے۔

اگرچہ آج راجپوتوں نے نہایت بہادری اور بڑے حوصلہ سے حملہ کیا تھا اور سارا دن بڑی جانبازی اور جی داری سے لڑتے رہے تھے مگر بالآخر ہزیمت اٹھا کر نہایت بدحواسی سے پسپا ہوئے۔

اس معرکہ میں پانچ ہزار سے زیادہ راجپوت مارے گئے اور دو ہزار کے قریب گرفتار ہوئے۔

مسلمانوں کو کامیابی اور فتح یابی کی بالکل بھی امید نہ تھی لیکن ہر مسلمان نے خشوع اور خضوع سے خدائے آمرزگار سے نصرت کی دعا مانگی تھی۔ خصوصاً غازی سلطان محمود نے حضرت شیخ الوالحسن خرقانی کا خرقہ اوڑھ کر نہایت عاجزی سے زاری کرتے ہوئے فتح کی دعا کی تھی۔

خدا نے جو مسلمانوں کا حامی و کارساز ہے انہیں مدد دی اور اس کی نصرت و مدد سے مجاہدینِ اسلام کو دونوں محاذوں پر یعنی انہلواڑہ کے مہاراجہ کے مقابلہ اور مہاراجہ سومنات کے مقابلہ میں فتح عظیم حاصل ہوئی۔

غازیانِ اسلام نے میدانِ جنگ سے ہٹتے ہی مغرب کی نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں سجدۂ شکر ادا کیا۔ نماز پڑھ کر جو لوگ زخمی ہوئے تھے ان کی مرہم پٹی کی گئی۔ کچھ آدمیوں کو سلطان محمود نے مشعلیں دے کر میدانِ جنگ میں بھیجا تا کہ اگر کچھ مسلمان زخمی وہاں پڑے رہ گئے ہوں تو انہوں اٹھالائیں۔ چنانچہ ساٹھ ستر زخمی مسلمان غشی کی حالت میں ملے۔ فوراً اُن کو لا کر اُن کی دوا دوش کی گئی۔

ان تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد مسلمانوں نے کھانا تیار کرنا شروع کیا۔

حیرتناک خبر:

مہاراجہ سومنات کو اس شکست کا بڑا ہی رنج و قلق ہوا۔ صبح جب ان کا پر جوش اور ٹڈی دل لشکر میدان میں نکلا تھا تو انہیں توقع تھی کہ وہ مسلمانوں کو پیس کر رکھ دے گا۔ دوپہر تک راجپوت نہایت دلیری اور بڑے حوصلے سے لڑتے رہے تھے جس سے ان کا پلہ بھاری نظر آتا تھا۔ اس سے مہاراجہ سومنات کو کامیابی کی امید اور بھی بڑھ گئی تھی اور انہیں یہ صاف نظر آنے لگا تھا کہ شام تک مسلمانوں کا صفایا ہو جائے گا۔

لیکن جوں جوں دن ڈھلنا شروع ہوا راجپوت دبنے اور مسلمان ابھرنے لگے تھے۔ اس سے مہاراجہ سومنات کو اضطراب و اضطرار لاحق ہو گیا تھا اور وہ تذبذب میں پڑ گئے تھے۔ پھر بھی جب کبھی راجپوت کسی گوشہ میں مسلمانوں کو چیر کر آگے بڑھ جاتے تھے تو پھر مہاراجہ کو فتح کی امید ہونے لگتی

تھی اور جب مسلمان راجپوتوں کو دبا کر ہٹا دیتے تھے تو ان کی امید ٹوٹ جاتی تھی۔

غرض اسی طرح امید و بیم کا عالم طاری تھا لیکن جب چار گھڑی دن باقی تھا اس وقت سے مہاراجہ کی پریشانی بڑھ گئی تھی اور انہیں فتح کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔

وہ دیکھ رہے تھے کہ آفتاب کے ڈھلنے کے ساتھ ہی راجپوتوں کی جرأت و ہمت اور ان کے اقبال کا آفتاب بھی ڈھلتا جاتا تھا۔ آخر سورج کے غروب ہوتے ہی شکست ہوگئی۔

مہاراجہ کو اس ہزیمت کا اس درجہ رنج، قلق ہوا کہ وہ سیدھے قصر شاہی میں پہنچ کر اپنے کمرۂ خاص میں داخل ہو کر بستر پر نیم جان ہو کر جا پڑے۔

داسیوں نے کمرہ میں روشنی کا انتظام پہلے ہی کر دیا تھا۔ اس وقت مہاراجاؤں تک کے محلوں میں شمعیں یا جھاڑ فانوس روشن نہ ہوتے تھے نہ یہ چیزیں ہندوستان میں آئی تھیں نہ ہندو انہیں جانتے تھے۔

عام ہندوؤں کے گھروں میں تو مٹی کے دیئے جلتے تھے اور وہ اس صورت و شکل کے ہوتے تھے جیسے آج بھی دیوالی کے موقع پر دیکھے جاتے ہیں۔ عام طور پر سرسوں کا تیل جلایا جاتا تھا لیکن امیروں، رئیسوں، راجاؤں اور مہاراجاؤں کے محلات میں پیتل کے بڑے چراغ ہوتے تھے جو لکڑیوں یا کسی دھات کے ڈیوڑیوں پر رکھے جاتے تھے۔ روشنی زیادہ کرنے کے لئے ان میں کئی کئی بتیاں لگا دی جاتی تھیں۔

ان میں تیل ڈالنے کے لئے بین کی طرح کی کپیاں ہوتی تھیں۔ ان میں تیل بھر کر چراغوں میں پتلی دھار سے ڈالا جاتا تھا۔ اس قسم کی کپیاں آج بھی ان نائیوں کے پاس دیکھی جاتی ہیں جو دیہات میں مشعلیں روشن کر کے کسی تقریب میں شریک ہوتے ہیں۔

زنانخانوں میں دائیاں اس خدمت پر مامور ہوتی تھیں کہ وہ چراغوں میں کپیوں سے تیل ڈالتی رہیں تاکہ چراغ بجھنے نہ پائیں اور مردانوں میں مرد اس کام کو سرانجام دیتے رہتے تھے۔

غرض قصر شاہی میں ہزاروں چراغ روشن تھے جو دور سے دیکھنے پر دیوالی کا منظر پیش کرتے تھے۔ گویا انواس میں روز ہی دیوالی ہوتی تھی۔

خاص خاص کمروں میں کئی کئی چراغ روشن کئے جاتے تھے۔ مہاراجہ سومنات نہایت اندوہ و ملال کے عالم میں پڑے تھے کہ مہارانی آئیں۔ اس وقت وہ گھومدار ریشمی کپڑے کا لہنگا اور ناف تک لمبا شلوکا پہنے تھیں۔ لہنگے کے حاشیہ اور شلوکا کے کناروں پر سنہری لیس ٹکی ہوئی تھی جو تین انگشت چوڑی تھی اور اس لیس میں سچے موتیوں اور ہیرے اور زمرد کی دلفریب جھالر لگی ہوئی تھی۔

مہارانی بھی غمگیں وحزیں تھی۔اس نے آتے ہی کہا:

''ناتھ!! آپ غمگیں کیوں ہو؟''

مہاراجہ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا:

''اس لئے کہ قسمت کا ستارہ گردش میں آگیا ہے، تقدیر پھوٹ گئی ہے۔''

مہارانی: ''آخر ہوا کیا مجھے بھی تو کچھ بتایئے۔''

مہاراجہ: ''ہوا وہ جس کا یقین نہ تھا۔''

مہارانی: ''میں بھی تو سنوں۔''

مہاراجہ: ''کیا تم سن نہیں چکیں کہ راجپوت شکست کھا کر آئے ہیں۔''

مہارانی: ''سن چکی ہوں۔''

مہاراجہ: ''کیا یہ بات شرم وملال کی نہیں؟''

مہارانی: ''ضرور ہے لیکن سنتی ہوں مسلمان تعداد میں زیادہ تھے۔''

مہاراجہ: ''یہ تم نے غلط سنا ہے۔افسوس اس بات کا ہے کہ مسلمان راجپوتوں سے اتنے کم تھے کہ اگر راجپوت ان کے اوپر جا پڑتے تو انہیں مسل کر رکھ دیتے۔''

مہارانی: ''تب کیا راجپوتوں نے بزدلی دکھائی بہادری سے نہیں لڑے۔''

مہاراجہ: ''یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔انہوں نے خوب خوب دادِ شجاعت دی، جی توڑ کر لڑے مگر ان کی ایک بھی پیش نہ گئی۔''

مہارانی: ''تو حقیقت میں مسلمان بہادر ہیں!''

مہاراجہ: ''میں نے ان کی بہادری کے افسانے سنے تھے لیکن یقین نہ آتا تھا مگر آج ان کے جو حیرتناک کارنامے دیکھے ہیں ان سے ان کی دلیری کا قائل ہونا پڑا ہے۔کمبخت ایسی قوم ہے جو مرنا جانتی ہی نہیں۔''

مہارانی: ''عجیب بات ہے یہ تو۔''

مہاراجہ: ''اور عجیب تر تو یہ ہے کہ ان کی نازک نازک لچکتی اور چھوٹی چھوٹی تلواریں اس غضب کی کاٹ کرتی ہیں کہ لوہے اور پتھر تک کو کاٹ ڈالتی ہیں۔انسانوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔''

مہارانی: ''جیسا مشہور ہے یہ لوگ حقیقت میں جادوگر تو نہیں ہیں۔''

مہاراجہ: ''کیا کہا جا سکتا ہے، ممکن ہے بدبخت جادو بھی جانتے ہوں گے۔اگر آج مہاراجہ انہلواڑہ حسبِ وعدہ آجاتے تو شاید ہمیں ہزیمت نہ ہوتی۔''

مہارانی: "لیکن انہیں تو آ جانا چاہیے تھا۔"

مہاراجہ: "مجھے زیادہ رنج و قلق یہی ہے کہ اس دیس کے راجہ اور مہاراجہ بھی مسلمانوں سے ڈرنے لگے ہیں، وہ بھی ڈر ہی گئے۔"

اس وقت سکھدیو اندر داخل ہوا۔ اس نے کہا:

"ان داتا!! نہیں وہ ڈرے نہیں۔"

مہاراجہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"پھر آئے کیوں نہیں؟"

سکھدیو نے غالیچہ پر بیٹھتے ہوئے کہا:

"وہ آئے اور مسلمانوں سے لڑے لیکن بدبخت مسلمانوں نے انہیں راستہ ہی نہ دیا اور وہ واپس لوٹ گئے۔"

مہاراجہ نے حیرت اور خوف بھرے لہجہ میں کہا:

"واپس لوٹ گئے............ کیا انہیں بھی شکست ہوئی؟"

سکھدیو: "جی ہاں!!"

مہاراجہ: "یہ خبر اور بھی اندوہناک ہے۔ افسوس میں کس خیال میں تھا اور ہوا کیا......؟ لیکن تمہیں یہ کیسے بات معلوم ہوئی؟"

سکھدیو: "ابھی ایک سوار جنگل کے راستہ سے آیا ہے اس نے یہ بات بیان کی ہے۔"

مہاراجہ: "مگر وہ بھی جنگل کے ذریعہ سے یہاں کیوں نہ آ گئے؟"

سکھدیو: "مسلمانوں نے ان کا تعاقب اس حد تک کیا کہ وہ جنگل میں بھی داخل نہ ہو سکے۔"

مہاراجہ: "تب تو مسلمانوں کی بہادری میں کوئی شک نہیں ہے۔ اگر اک طرف وہ ہم سے لڑتے رہے تو دوسری طرف مہاراجہ انہلواڑہ سے جنگ کرتے رہے! کس قدر حیرتناک بات ہے۔"

سکھدیو: "سنا ہے بندرگاہ کی طرف سے جب ہمارے سپاہیوں نے حملہ کیا تو اس طرف بھی مسلمانوں کے ایک دستہ نے انہیں روک دیا۔"

مہاراجہ: "سلطان محمود بڑا تجربہ کار جنگجو ہے۔ اس نے اس طرح ناکہ بندی کر دی ہے کہ ہمارا تعلق بیرونی دنیا سے منقطع ہو گیا ہے۔ اگر یہ کیفیت اور چند دن رہی تو رسد کا ذخیرہ ختم ہو جائے گا اور لوگ بھوکے مرنے لگیں گے۔"

سکھدیو: "اس میں شک نہیں ہے۔ بازار میں ہر چیز کا نرخ اس قدر گراں ہوتا چلا جا رہا ہے کہ غریب

آدمی بے چین ہونے لگے ہیں۔ تعجب نہیں جو قلعہ اور شہر میں غدر ہو جائے۔"

مہاراجہ: "یہ خبر اور بھی غم ربا اور تشویشناک ہے۔ معلوم نہیں کیوں مہا دیو سومنات جی ہم سے ناخوش ہو گئے ہیں، کیوں وہ ملیچھوں کا خاتمہ نہیں کر ڈالتے۔"

"اس لئے کہ ان کی پوجا سچے دل سے نہیں کی جاتی" ایک آواز آئی۔

مہاراجہ، مہارانی اور سکھدیو نے جب نگاہیں اٹھا کر دیکھا تو سومنات کا مہا پجاری آرہا تھا۔ وہ بھی آکر مسند کے ایک گوشہ پر بیٹھ گیا۔ مہاراجہ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا:

"یہ میرے کرموں کا پھل ہے۔"

پجاری: "میں عرصہ سے چیخ رہا ہوں کہ لوگوں کو پوجا کی طرف توجہ کرنی چاہیے لیکن کوئی نہیں سنتا۔ سب عیش و عشرت میں غرق ہیں!"

مہاراجہ: "اور اسی ملک و قوم پر نحوست کی گھٹا چھا گئی ہے۔ اچھا میں اعلان کرائے دیتا ہوں کہ کل صبح کے وقت سومنات کا ہر باشندہ اور ہر لشکر کے آدھے جوان پوجا میں شریک ہو کر دیوتا سومنات جی کو راضی کریں اور پرارتھنا (عرض) کریں کہ ہمیں فتح عطا فرمائے۔ بقیہ آدھا لشکر رات کو غسل کے بعد پوجا میں شریک ہو کر دعا مانگے۔ تمام چھوٹے بڑے افسر، سردار، سپہ سالار اور راجہ مہاراجہ صبح کی پوجا میں شرکت کریں۔ میں خود بھی صبح کی ہی پوجا میں شریک ہوں گا۔"

پجاری: "میں بھی اس وقت اسی لئے آیا تھا کہ پوجا کے لئے حکم حاصل کروں۔"

مہاراجہ: "سکھدیو!! تم جا کر منتری جی تک ہمارا حکم ابھی پہنچا دو۔"

سکھدیو نے اٹھتے ہوئے کہا:

"بہت اچھا!"

پجاری بھی تھوڑی دیر کے بعد اجازت لے کر رخصت ہو گیا۔ اب مہارانی بولی:

"میری بچی کا پتہ نہیں چلا؟"

مہاراجہ: "پتہ تو جب چلتا جب ان پاپی ملیچھوں کو شکست دے کر بھگا دیا جاتا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا جاتا۔"

مہارانی: "مگر مجھے آج ایک بات بڑی حیرت کی معلوم ہوئی ہے۔"

مہاراجہ: "کیا؟"

مہارانی: "چندر موہنی مسلمانوں کے پاس نہیں ہے۔"

مہاراجہ: "پھر کہاں ہے؟"

مہارانی: ''یہیں قلعہ ہی میں ہے!''

مہاراجہ چونک کر اٹھ بیٹھے۔ فرطِ حیرت سے ان کا منہ کھلا اور آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ انہیں اپنی سماعت پر شبہ ہوا اور اس لئے انہوں نے تصدیق کے لئے پھر پوچھا:

''کیا یہیں قلعہ میں؟''

مہارانی نے سنجیدگی سے کہا:

''جی ہاں قلعہ میں۔''

مہاراجہ: ''یقین نہیں آتا۔''

مہارانی: ''مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا لیکن اس کی فوراً تصدیق ہوگئی۔''

مہاراجہ: ''کس طرح؟ ذرا مفصل سناؤ۔''

مہارانی: ''ایک شرط ہے۔''

مہاراجہ: ''کیا مجھ سے کوئی وچن لینا چاہتی ہو؟''

مہارانی: ''میں آپ کی داسی ہوں اور اس لئے ناتھ!! مجھے یہ حق تو نہیں ہے لیکن سوامی!! میں ملک و قوم کی بہتری کے لئے وچن لینا چاہتی ہوں۔''

مہاراجہ: ''اچھا کیا وچن لینا چاہتی ہو؟''

مہارانی: ''جب تک پاپی ملیچھ سلطان بھاگ نہ جائے یا مارا نہ جائے آپ اس وقت تک مشتبہ شخص پر کوئی سختی نہ کریں گے نہ اسے اس بات سے آگاہ ہونے دیں گے کہ آپ کو اس کے کرتوتوں کا علم ہوگیا ہے۔''

مہاراجہ: ''تو کیا چندر موہنی واپس آجائے گی؟''

مہارانی: ''نہیں جب ہم الزام لگانے ہی کو تیار نہیں تو چندر موہنی کیسے آجائے گی؟''

مہاراجہ: ''اور تم صبر کرلو گی!''

مہارانی نے آزردگی کے لہجہ میں مگر استقلال سے کہا:

''صبر کرنا ہی پڑے گا۔ ایک طرف ممتا ہے اور دوسری طرف ملک کی محبت اور مذہب کی حرمت کا خیال............ میں ضبط و صبر کروں گی سوامی!!''

مہاراجہ: ''مگر وہ ہے کون چنڈال؟''

مہارانی: ''سب بتادوں گی پہلے آپ وچن دے دیں۔''

مہاراجہ: ''اچھا میں وچن دیتا ہوں کہ ملزم سے اس وقت تک کوئی باز پرس نہ کروں گا جب تک جنگ

کا فیصلہ نہ ہو جائے گا، اب مفصل حال سناؤ۔"

مہارانی: "ملزم خود سکھدیو ہے۔"

مہاراجہ اچھل پڑے انہوں نے کہا:

"سکھدیو.............. جسے میں اپنا بچہ سمجھنے لگا تھا وہی مارِ آستین نکلا؟؟"

مہارانی: "ہاں وہی۔ اسی نے مجھے اور تمہیں دونوں کو روحانی صدمہ پہنچایا ہے۔ اسی نے چندر موہنی کو زبردستی اس کی خوابگاہ سے اٹھوالیا۔"

مہاراجہ کو اس قدر غصہ آیا تھا کہ اگر وچن دیا نہ ہوتا تو یقیناً وہ اسی وقت سکھدیو کو طلب کر کے اس کا سر اڑوا دیتے۔ ان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ انہوں نے پوچھا:

"مگر یہ حقیقت کھلی کس طرح؟"

مہارانی: "آج میرے پاس چمپا آئی۔ چمپا موہن سنگھ کی نوجوان بہن ہے اور موہن سنگھ سکھدیو کا نجی ملازم ہے۔ چمپا نے مجھے سارا حال سنایا۔ وہ شاید ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالتی کیونکہ موہن سنگھ خود اس جرم میں شریک تھا لیکن سکھدیو نے اس راز کو چھپانے کے لئے یا تو موہن سنگھ کو قتل کر دیا ہے یا کہیں تہ خانہ میں چھپا دیا ہے۔

"جب چمپا کو یقین ہو گیا کہ اس کا بھائی مارا گیا ہے تب اس نے آج مجھ سے آ کر سارا حال اس طرح بیان کیا کہ سکھدیو کو یہ شک ہو گیا تھا کہ چندر موہنی اس کے ساتھ شادی کرنے پر راضی نہیں ہے کہ اسے کسی ملیچھ سے محبت ہو گئی ہے.............."

مہاراجہ نے جوش میں آ کر کہا:

"یہ جھوٹ ہے قطعی جھوٹ۔"

مہارانی: "میں بھی اس بات کا یقین نہیں کرتی لیکن سکھدیو کو کسی طرح یہ شبہ ہو گیا اس لئے اس نے موہن سنگھ کو آمادہ کر کے چندر موہنی کو اٹھوالیا۔ اب وہ اس فکر میں ہے کہ اگر موقع مل جائے تو اسے انہلواڑہ میں لے جائے۔"

مہاراجہ اس وقت سوچ رہے تھے کہ سکھدیو نے کس طرح آ کر اظہارِ ہمدردی کر کے یہ بات بتائی تھی کہ مسلمان چندر موہنی کو اٹھا کر لے گئے، کس طرح اس نے شبخون مارنے کا مشورہ دیا۔ انہوں نے کہا:

"ضرور یہ سکھدیو ہی کی حرکت ہے، اب مجھے یقین آ گیا (دانت پیس کر) ذرا جنگ کا فیصلہ ہو جائے، اسے اور اس کے باپ کو وہ سزا دی جائے گی جس سے دوسروں کو بھی عبرت ہو۔"

مہارانی: ''درست ہے۔''

مہاراجہ: ''خیر یہ تو اطمینان ہو گیا کہ چندر موہنی مسلمانوں کے پاس نہیں ہے بلکہ یہیں قلعہ میں ہے۔''

مہارانی: ''سکھدیو کو کوئی شبہ نہ ہو۔''

مہاراجہ: ''اطمینان رکھو!''

مہارانی: ''اب کچھ لیجئے۔''

مہاراجہ: ''کیا کھاؤں اس وقت میری یہ حالت ہے۔''

مہارانی: ''بغیر کھائے گزارہ نہیں۔''

مہاراجہ: ''تب اس جنگ کا نتیجہ کیا ہو گا۔''

مہارانی: ''سومنات جی بہتر کریں گے۔''

مہاراجہ: ''میں نے حکم دے دیا ہے کہ کل سارے سومنات کے باشی مہادیو جی کی پوجا کریں۔''

مہارانی: ''یہ بہت اچھا کیا آپ نے، اچھا میں کھانا منگواتی ہوں۔''

مہارانی نے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ اٹھ کر چلی گئی اور تھوڑی ہی دیر میں کھانا لے کر آ گئی۔ دونوں الگ الگ بیٹھ گئے اور دونوں کے سامنے کئی تھال رکھ دیئے گئے۔ دونوں نے کھانا کھانا شروع کیا۔

باب ۲۷

طنزیہ قہقہہ

کامنی ایک شاندار کمرہ میں نہایت اطمینان سے ایک زرنگار مسند پر بڑی شان وتمکنت سے بیٹھی تھی۔اس نے اس وقت گلابی رنگ کا شلوکہ پہن رکھا تھا اور نارنجی رنگ کی ریشمی ساڑھی اوڑھ رکھی تھی۔اس ساڑھی کے حاشیوں پر چوڑی سنہری لیس ٹکی ہوئی تھی اور لیس میں موتیوں کی جھالر لگی ہوئی تھی۔بقیہ تمام ساڑھی میں روپہلے ستارے ٹنکے ہوئے تھے جو روشنی میں جھلملا رہے تھے۔جب وہ حرکت کرتی تھی تو ستارے ایسے جگمگانے لگتے تھے کہ دیکھنے والے کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔

کامنی حسین تھی، بہت زیادہ حسین۔اس وقت اس لباس میں اور بھی پیکرِ حسن معلوم ہو رہی تھی۔وہ کسی گہرے خیال میں غرق کچھ سوچ رہی تھی۔کچھ وقفہ کے بعد آہستہ سے بولی:

''چندر موہنی کو میرے بھیا سے شادی کرنی ہی پڑے گی۔اب تو وہ بھیا کے بس میں ہے۔ انکار بھی کرے تو کوئی نتیجہ نہیں۔بھیا اس پر بری طرح لٹو ہو رہے ہیں۔

''میں بھیا کی سازش میں اس لئے شریک ہوئی ہوں کہ...........چھوڑو اس ذکر کو...........آہ ہارون...........جانتی ہوں تو ملیچھ ہے تو میرے مذہب میری قوم میرے ملک کا دشمن ہے میرا بھی دشمن ہو گا لیکن میں...........تیری پریمی ہوں! تجھے چاہتی ہوں، روح کی گہرائیوں کے ساتھ! دنیا کے دیوتا سومنات جی ہیں لیکن میرے دیوتا...........تم ہو!

''ہائے کس طرح تمہیں اپنا دل چیر کر دکھاؤں، میرے من (دل) مندر کی مورتی تم ہو میں تمہاری پوجا کرتی ہوں مگر جب میں سوچتی ہوں کہ تم چندر موہنی کا بت ہو تو سینہ سے شعلہ اٹھ کر انگ انگ میں آگ بھڑکا دیتا ہے...........میں تمہارے پاس آؤں گی تمہیں اپنانے کے لئے اپنا حال سنا کر اپنا بنانے کے لئے...........''

''تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں میں خود ہی آ گیا۔'' ایک آواز آئی جس نے کامنی کا

سلسلۂ خیال درہم برہم کر دیا۔ اس نے رسیلی آنکھیں اٹھا کر نرم نگاہوں سے دیکھا سامنے موہن سنگھ کھڑا تھا۔

اسے دیکھتے ہی کامنی کا چہرہ فق پڑ گیا اور بے ساختہ اس کی زبان سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

موہن سنگھ دبے قدموں بڑھ کر کامنی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ کامنی کا جسم اس طرح تھر تھر کانپ رہا تھا جیسے اسے جاڑا لگ گیا ہو۔

موہن سنگھ نے کہا:

"مجھ سے نہ ڈرو۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں میرے ہر دہ (دل) ہی میں نہیں بلکہ نس نس میں تم بسی ہو۔ دنیا کسی کو پوجے مگر میں تمہیں پوجتا ہوں۔"

وہ خاموش ہو گیا کامنی سہمی جارہی تھی اس کا حلق خشک ہو گیا تھا زبان سے بولنے کی قوت سلب ہو گئی تھی۔ چاہتی تھی کہ چیخ مار کر کسی کو بلائے لیکن آواز ہی نہ نکلتی تھی۔ وہ لبِ لعلیں جو ہر وقت تر رہتے تھے اس وقت سوکھ گئے تھے اور ان پر پپڑیاں جم گئی تھیں۔

بہ ہزار دشواری اس نے بولنے کے لئے لب کھولے اور صرف اتنا کہہ سکی۔

"تم...........!!"

موہن سنگھ: "ہاں میں۔ کیا تجھے یقین نہیں آیا کامنی اگر تو حکم دے تو میں اپنا سر کاٹ کر تیرے قدموں میں ڈال دوں۔"

کامنی: "مگر بھیا..........................."

موہن سنگھ: "وہ تمہارے بھیا کی مجھے پرواہ نہیں ہے۔ وہ بڑا دغاباز ہے اس نے دو مرتبہ مجھے مار ڈالنے کی کوشش کی لیکن ہر مرتبہ ایشور نے مجھے بچا لیا۔ وہ وار کر چکا، اب میرے وار کرنے کی باری ہے۔ میں تو زندہ رہ گیا لیکن اسے زندہ نہ رہنے دوں گا۔"

اب کامنی کچھ سنبھل گئی، اس نے کہا:

"وہ یہاں آنے والے ہیں........................"

موہن سنگھ: "میں جانتا ہوں اور اسی لئے جارہا ہوں۔ اس پاپی سے کہہ دینا کہ ہوشیار رہے مگر تم..........مجھ سے ہرگز نہ ڈرو۔ کامنی میں تمہارا پجاری ہوں، داس ہوں! تم میری دیوی ہو..........اوہ کھٹکا ہوا۔ شاید کوئی آ رہا ہے، اچھا پھر ملوں گا۔"

یہ کہتے ہی موہن سنگھ بھاگ گیا۔ اب کامنی کا خوف دور ہوا۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا اور آہستہ سے کہا:

''اف پرماتما!! یہ کہاں سے آ گیا تھا۔ جتنا میں اس سے بچتی ہوں اتنا ہی یہ میرے سامنے آ جاتا ہے مجھے اس سے بڑا خوف معلوم ہوتا ہے۔''

اس وقت سکھد یو کمرہ میں داخل ہوا۔ وہ معمولی لباس پہنے ہوئے تھا، اس نے آتے ہی کہا:

''کس کا ذکر کر رہی ہے تُو؟ کس سے ڈرتی ہے؟''

سکھد یو کو دیکھ کر کامنی کے چہرہ پر رونق آ گئی، اس نے کہا:

''اچھے وقت پر آئے بھیا!!''

سکھد یو کامنی کے پاس ہی بیٹھ گیا، اس نے کہا:

''ہاں ابھی فرصت ملی ہے جنگی لباس اتار کر سیدھا تیرے پاس آ رہا ہوں۔''

کامنی: ''کاش تم ذرا اور پہلے چلے آتے!''

سکھد یو: ''تب کیا ہوتا؟''

کامنی: ''تم اس سے مل لیتے جس سے میں ڈرتی ہوں۔''

سکھد یو: ''مگر وہ ہے کون؟''

کامنی: ''موہن سنگھ!!''

موہن سنگھ کا نام سن کر سکھد یو اچھل پڑا، اس نے کہا:

''موہن سنگھ؟ کیا اسے تُو نے دیکھا؟''

کامنی: ''ہاں۔''

سکھد یو: ''کب؟''

کامنی: ''ابھی تھوڑی دیر ہوئی۔''

سکھد یو: ''یہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی لاش تو مچھلیوں یا گھڑیالوں نے کھا لی ہوگی۔''

کامنی: ''مگر وہ موجود تھا۔''

سکھد یو: ''اس کا بھوت ہوگا۔''

کامنی: ''بھوت..................؟''

سکھد یو: ''ہاں، بھوت! میں نے اسی روز تجھے اس لئے نہیں بتایا تھا کامنی کہ کہیں تو ڈر نہ جائے۔ اب سن میں نے اسے باغیچہ میں لے جا کر سمندر میں دھکیل دیا تھا۔ اس نے اس وقت ایک خوفناک چیخ ماری تھی اور اس کے پانی میں گرنے کی آواز میں نے سنی تھی۔''

کامنی: ''لیکن وہ آیا تھا بھیا!!''

سکھدیو: ''میں شرطیہ کہتا ہوں کہ وہ زندہ نہیں ہے۔''

کامنی: ''اب میں کیسے تمہیں یقین دلاؤں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا............''

سکھدیو: ''اسی لئے تو کہتا ہوں کہ اس کا بھوت دیکھا ہوگا۔''

کامنی: ''کیا بھیا بھوت بولتے بھی ہیں؟''

سکھدیو: ''نہیں۔''

کامنی: ''تب سنو کہ اس نے مجھ سے باتیں کیں۔''

سکھدیو حیران رہ گیا۔ اس نے کہا:

''باتیں کیں..................؟''

کامنی: ''ہاں۔''

سکھدیو: ''کیا باتیں کیں؟''

کامنی نے شرم سے سر جھکا کر کہا:

''وہی باتیں جو وہ کیا کرتا ہے۔''

سکھدیو نے دانت پیس کر کہا:

''نمک حرام کتا............ کیا کسی طرح بچ تو نہیں نکلا۔''

کامنی: ''ضرور بچ نکلا۔ اب تم یہاں سے انہلواڑہ چلے جاؤ تو اچھا ہے ورنہ وہ تم سے انتقام لے گا۔''

سکھدیو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:

''انہلواڑہ چلا جاؤں..................''

کامنی: ''ہاں اور چندر موہنی کو بھی لے جاؤ۔''

سکھدیو نے برہم ہو کر کہا:

''کیا بری عادت ہے تیری کامنی، تجھے کتنی مرتبہ کہا کہ اس طرح کا ذکر نہ کیا کر۔ کوئی سن لے گا تو کیا ہوگا۔ مگر تو ہے کہ سمجھتی ہی نہیں۔''

کامنی نے سفید آبدار موتیوں جیسے دانت میں زبان دبا کر اپنی غلطی کا اقرار کرتے ہوئے کہا:

''بڑی بھول ہوئی بھیا!!! اب احتیاط رکھوں گی۔''

سکھدیو: ''سچ یہ ہے کہ عورت کو کسی راز میں شریک کرنا نہیں چاہیے۔ بزرگوں کا یہی مقولہ ہے عورتیں پیٹ کی ہلکی ہوتی ہیں۔''

کامنی: ''میری توبہ ہے۔اب میں اس کے متعلق کچھ نہ کہوں گی.................لیکن تم اسے لے ہی جاؤ۔''

سکھد یو: ''کیسے لے جاؤں؟''

کامنی: ''جس طرح بھی ہو۔''

سکھد یو: ''پاپی مسلمانوں نے تمام راستے جوروک رکھے ہیں۔''

کامنی: ''لاؤلشکر کے ساتھ جاؤ گے تو مسلمان ضرور دیکھ لیں گے۔دو چار آدمیوں کو لے جاؤ۔''

سکھد یو: ''لیکن اسے.....................قلعہ سے باہر کیسے لے جاؤں۔''

کامنی: ''کوئی تدبیر سوچو۔''

سکھد یو: ''سوچوں گا۔کیا تُو بھی چلے گی؟''

کامنی: ''نہیں میرا ابھی جانا مناسب نہیں ہے۔تم اسے لے جاؤ اور لے جاتے ہی اس سے پھیرے پھروالو۔''

سکھد یو: ''یہ تو میں نے سوچ ہی رکھا ہے دیکھو دو چار روز میں اس کا بندوبست کروں گا۔''

کامنی: ''دو چار روز نہیں آج کرو۔''

سکھد یو: ''یہ کیسے ممکن ہے.....................اور ایسی جلدی بھی کیا ہے۔''

کامنی: ''وہ دھمکی دے گیا ہے کہ تمہارے بھیا کے ۲ وار ہو چکے اب میرا وار ہوگا اور میں اسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔''

سکھد یو ڈر گیا۔اس نے کہا:

''تب معلوم ہوتا ہے وہ ضرور بچ نکلا۔لیکن جاتا کہاں ہے............؟''

اس وقت کسی کے قہقہہ کی آواز آئی۔کامنی ڈر کر اچھل پڑی،سکھد یو بھی کچھ خوفزدہ ہوا کامنی نے کہا:

''یہ اسی نے قہقہہ لگایا ہے!''

سکھد یو جلدی اٹھا اور لپک کر دوسرے کمرہ میں آیا۔اس کمرہ میں کافی روشنی ہو رہی تھی۔سکھد یو نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا،وہاں کوئی بھی نظر نہ آیا کمرہ بالکل خالی تھا۔

وہ اس کمرہ میں سے تیسرے میں اور وہاں سے برآمدہ میں آیا۔سب جگہ اچھی طرح دیکھا لیکن ہر طرف سنسان تھی وہاں کوئی نہ تھا۔خوب اچھی طرح دیکھ بھال کر کے وہ واپس لوٹ آیا۔اس نے کہا:

''وہ کہیں چھپ گیا، چھپنے دو، میرے چنگل سے بچ کر کہیں نہیں جا سکے گا۔''

کامنی اب تک کانپ رہی تھی، وہ سکھدیو سے لپٹ گئی۔ اس نے کہا:

''بھیا!! یہاں مجھے بڑا خوف معلوم ہونے لگا ہے۔''

سکھدیو نے تسلی دہ لہجہ میں کہا: ''مت ڈر کامنی!! تو آرام اور اطمینان سے بیٹھ میں تیرے پاس چند داسیوں کو بھیجے دیتا ہوں۔ رات کو اپنے کمرہ میں انہیں سلا لینا۔''

وہ چلا گیا اور تھوڑی دیر میں چند کنیزیں آ گئیں۔ ان کے آنے سے کامنی کو بڑی تسلی ہوئی اور وہ ان سے لایعنی باتیں کرنے لگی۔

حیرتناک اور رقت انگیز واقعات:

مہارانی کو موہن سنگھ کی بہن چمپا نے بالکل صحیح اطلاع دی تھی۔ چندر موہنی کی طرف سے جب سکھدیو کو مایوسی ہو گئی اور اس نے یہ سمجھ لیا کہ وہ اس سے عقد کرنے پر تیار نہیں ہے تو اسے خوف ہوا کہ کہیں مہاراجہ بھی اس کے انکار کرنے پر مجبور ہو کر خود بھی انکار نہ کر دیں۔

اس لئے اس نے اپنے دو تین معتمد وفاداروں کو ترغیب دی کہ وہ سیاہ لبادے پہن کر لوگوں کو ڈرائیں اور پھر موقع پا کر چندر موہنی کو اٹھا لائیں، اس سازش میں کامنی کو بھی شریک کیا گیا اور موہن سنگھ کو راجکماری کو اٹھا لانے پر مامور کیا۔

موہن سنگھ کو کامنی سے محبت تھی، وہ اس لئے اس خطرناک کام کو انجام دینے پر آمادہ ہو گیا کہ اس سے سکھدیو کے دبنے اور کامنی سے عقد ہو جانے کی امید تھی۔

شہرت یہ کر دی گئی کہ چند مسلمان قلعہ میں رہ گئے ہیں اور سیاہ پوش ہو کر رات کو گھومتے ہیں۔ جب چندر موہنی اٹھا لے جائی گئی تو مہاراجہ کو یہ یقین دلا دیا گیا کہ اسے مسلمان اٹھا کر لے گئے ہیں۔ اس چالاکی سے مقصد یہ تھا کہ قلعہ میں اس کی تلاش نہ کی جائے اور سب یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں نے یہ فعل کیا ہے ان کی ہی طرف متوجہ رہیں بلکہ جوش اور غصہ میں آ کر مسلمانوں پر حملہ کر دیں اور وہ موقع پا کر چندر موہنی کو نکال لے جائے۔

لیکن بدقسمتی سے اسے یہ موقع ہی نصیب نہ ہوا کہ راجکماری کو نکال لے جاتا۔ البتہ وہ اس بات کی فکر ضرور کر رہا تھا کہ موہن سنگھ نے دباؤ ڈالنا اور کامنی کے ساتھ عقد کرا دینے کی سعی کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

موہن سنگھ معمولی آدمی تھا۔ سکھدیو کتنا بھی برا ہو لیکن یہ بات کیسے منظور کر لیتا کہ کامنی کی

شادی موہن سنگھ کے ساتھ ہو جائے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ موہن سنگھ کی زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ اسے گرفتار و قتل کرا دینے کے لئے کافی ہے۔ اس لئے اس نے اپنے ایک ملازمِ خاص بلبیر چندر کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ موہن سنگھ کو گرفتار کرے اور موقع پا کر اسے قتل کر ڈالے۔

بلبیر چندر کو موہن سنگھ کی بہن چمپا سے محبت تھی وہ اس لئے اس کام پر باسانی آمادہ ہو گیا کہ اس میں ایک پنتھ دو کاج والا معاملہ تھا۔ موہن سنگھ کے قتل سے سکھدیو پر اثر قائم ہوتا تھا اور چمپا پر ڈورے ڈالے جا سکتے تھے۔

چنانچہ بلبیر چندر نے موہن سنگھ کو گرفتار کر لیا لیکن وہ اسے قتل کر ڈالنے کا موقع نہ نکال سکا اور موہن سنگھ اپنی عیاری سے اپنے محافظوں کو جل دے کر فرار ہو گیا۔ اتفاق سے وہ پھر سکھدیو کے ہتھے چڑھ گیا اور اس نے اسے سمندر میں جا گرایا۔

چندر موہنی کو غائب کرنے کی سازش میں جتنے لوگ بھی شریک تھے وہ سب کسی نہ کسی خودغرضی کو لئے ہوئے تھے۔ سب محبت کے مرض میں گرفتار تھے اور سچ پوچھئے تو محبت کسی کو بھی نہ تھی۔ ابوالہوس البتہ کہہ سکتے ہیں۔

کامنی اس فکر میں تھی کہ چندر موہنی کا عقد سکھدیو سے ہو جائے تو وہ ہارون کو حاصل کر سکے۔ موہن سنگھ کامنی کو اپنانے اور اڑا لے جانے کی کوشش میں تھا اور بلبیر چندر چمپا کو اڑا لے جانے کی فکر میں لگا ہوا تھا۔

سکھدیو کو کامنی کی یہ صلاح بہت پسند آئی کہ جس طرح بھی ہو چندر موہنی کو انہلواڑہ لے جایا جائے۔ آج کی جنگ میں اس نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ راجپوتوں کا مسلمانوں کو شکست دے کر بھگا دینا مشکل ہے اس لئے اس نے یہ اور بھی مناسب سمجھا کہ چندر موہنی کو آج ہی قلعہ سے نکال لے جائے۔

چنانچہ جب وہ اپنی قیام گاہ پر پہنچا تو اس نے خلافِ معمول دو تین آدمیوں کو اپنا منتظر پایا۔ یہ لوگ سومنات کے معزز باشندے تھے اور وہ انہیں اکثر مہاراجہ کے پاس دیکھ چکا تھا۔

چونکہ وہ آج سے پہلے اس کے پاس نہ آئے تھے اس لئے اس کو کچھ کھٹکا ہوا لیکن یہ سوچ کر کہ مہاراجہ کو اس کے اوپر کوئی شبہ نہیں ہے اس نے اپنے دل کو تسلی دے لی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ مہاراجہ کو اس کے کرتوت کی اطلاع ہو چکی ہے اور یہ لوگ اس کی نگرانی پر مامور کئے گئے ہیں۔

سکھدیو اُن سے بڑے تپاک سے ملا۔ ان لوگوں نے بھی جنگ کی باتیں کر کے یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ محض جنگی حالات پر تبادلۂ خیالات کرنے کے لئے آئے ہیں۔

کچھ دیر تک باتیں کرنے کے بعد وہ رخصت ہو کر چلے گئے۔ سکھدیو نے بلبیر چندر کو طلب

کر کے آہستہ سے پوچھا:

''بلبیر چندر!! چندر موہنی کیسی ہے؟''

بلبیر چندر نے جواب دیا:

''اچھی ہے!''

سکھد یو: ''کیا وہ سفر کر سکتی ہے۔''

بلبیر چندر: ''اپنی خوشی سے تو وہ ہر گز بھی آمادہ نہ ہوگی۔''

سکھد یو: ''لیکن کسی نہ کسی طرح اسے آج قلعہ سے باہر لے جانا ضروری ہے۔''

بلبیر چندر: ''میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کس طرح اسے لے جایا جا سکے گا۔''

سکھد یو: ''اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر..............''

بلبیر چندر: ''لیکن اگر قلعہ کے پہرہ والوں نے لے جاتے دیکھ لیا تو..............''

سکھد یو: ''ہم اسے گاڑی میں ڈال لیں گے۔''

بلبیر چندر: ''ایک طرح یہ بھی ممکن ہے۔''

سکھد یو: ''کس طرح؟''

بلبیر چندر: ''اگر کامنی اور چمپا دونوں کو ساتھ لے جایا جائے۔''

سکھد یو کو یہ بات تو معلوم ہو گئی تھی کہ موہن سنگھ کو اس کی بہن کامنی سے محبت ہے لیکن یہ علم نہ ہوا تھا کہ بلبیر سنگھ چمپا کو چاہتا ہے۔ اس نے کہا:

''کامنی تو چلی چلے گی لیکن چمپا..............''

بلبیر چندر نے قطعِ کلام کرتے ہوئے کہا۔

''چمپا کو کامنی آمادہ کر لے گی۔ اگر یہ دونوں لڑکیاں اس گاڑی میں ہوں گی جس میں چندر موہنی کو اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر ڈالا جائے گا تو پہرہ والے کچھ زیادہ چھان بین نہ کریں گے۔''

سکھد یو: ''اول تو کسی قسم کا شبہ نہیں ہے دوسرے صرف کامنی کافی ہے چمپا کی کیا ضرورت ہے؟''

بلبیر چندر: ''چمپا بھی اس راز میں شریک ہے اور وہ اپنے بھائی کی گمشدگی سے کچھ کھٹک گئی ہے اس لئے اس کا بھی ساتھ لے جانا مناسب ہے۔''

سکھد یو: ''تو نے سچ کہا بلبیر!! میں نے اس بات پر غور نہ کیا تھا۔ اچھا میں کامنی کو بلا کر اسے ہدایت کرتا ہوں اتنے میں تو جا کر چندر موہنی کو تیار کر۔''

بلبیر چندر: ''بہت اچھا۔''

وہ چلا گیا۔ سکھدیو نے دستک دی اور جب ایک خادم حاضر ہوا تو اس نے کامنی کو بلا بھیجا۔

تھوڑی ہی دیر میں کامنی آ گئی۔ سکھدیو نے کہا:

''کامنی ہمیں ابھی انہلواڑہ روانہ ہو جانا چاہیے۔''

کامنی: ''میں نے تو پہلے ہی یہ صلاح دی تھی۔''

سکھدیو: ''تجھے بھی چلنا ہو گا۔''

کامنی چونکی اس نے کہا:

''میرے جانے کی کیا ضرورت ہے؟''

سکھدیو: ''جب تک تو نہ چلے ہم چندر موہنی کو کیسے لے جا سکتے ہیں؟''

کامنی: ''اور میرے ساتھ کیسے لے جائی جا سکتی ہے؟''

سکھدیو: ''تدبیر یہ سوچی گئی ہے کہ چندر موہنی کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر گاڑی میں ڈال دیا جائے اور اس گاڑی میں تجھے سوار کرایا جائے۔ چمپا بھی تیرے ساتھ ہو، تم دونوں کو قلعہ کے پھاٹک کے محافظ دیکھ کر گاڑی کی دیکھ بھال نہ کریں گے، سمجھیں گے کہ میں تجھے لے جا رہا ہوں۔''

کامنی: ''تدبیر تو مناسب ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ تم چمپا کو لے جاؤ میرا یہاں ٹھہرنا اس لئے مناسب اور ضروری ہے کہ میں دیکھوں کہ تمہارے چلے جانے کے بعد یہاں کیا ہوتا ہے، مہاراجہ کو کوئی شبہ تو نہیں ہوتا!''

سکھدیو: ''یہ بات بھی تُو نے مناسب کہی۔ اچھا تُو یہ کر کہ قلعہ سے کچھ دور جا کر واپس چلی آنا۔''

کامنی: ''اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

سکھدیو: ''لیکن چمپا کو آمادہ کرنا تیرا کام ہے!''

کامنی: ''میں کہہ نہیں سکتی وہ تیار ہو جائے گی یا نہیں۔''

سکھدیو: ''وہ تیرا بہت لحاظ رکھتی ہے..................''

کامنی نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا:

''ہاں پہلے بہت زیادہ لحاظ کرتی تھی لیکن اب دو ایک روز سے کچھ کشیدہ سی رہنے لگی ہے۔''

سکھدیو: ''یہ صرف تیرا خیال ہو گا۔''

کامنی: ''خیال نہیں بلکہ سچ ہے۔ وہ موہن سنگھ کی مفقود الخبری کو محسوس کر رہی ہے میرا خیال ہے کہ شاید وہ تمہاری طرف سے کچھ کھٹک گئی ہے۔''

سکھدیو: "مگر وہ بھولی، کمسن اور نادان ہے تیرے کہنے میں آجائے گی۔"

کامنی: "اچھا میں کوشش کرتی ہوں۔"

یہ کہتے ہی وہ چلی گئی۔ سکھدیو بلبیر چندر کا انتظار کرنے لگا۔ اسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ بلبیر چندر آ گیا لیکن اس کے چہرہ سے کچھ مایوسی اور فکرمندی کی علامتیں ظاہر تھیں۔ سکھدیو نے اس کی صورت دیکھی۔ وہ بھی پریشان ہوا۔ اس نے پوچھا:

"کہو، تیار کرآئے؟"

بلبیر چندر: "کسے تیار کراتا؟ چندر موہنی وہاں ہے ہی نہیں۔"

سکھدیو بے چین ہو گیا۔ اس نے کہا:

"او ہ ایشور! وہ کہاں گئی؟"

بلبیر چندر: "ایشور ہی اس بات کو جانتا ہے۔"

سکھدیو: "کیا کسی کو اس کی نگرانی پر نہیں چھوڑا تھا؟"

بلبیر چندر: "جب وہ تہ خانہ کے مضبوط کمرہ میں مقید تھی تو نگران کی کیا ضرورت تھی۔"

سکھدیو نے ترش رو ہو کر کہا:

"تم نے بڑی حماقت کی ہے بلبیر چندر!!"

بلبیر چندر: "آپ نے خود ہی یہ حکم دیا تھا کہ اب اس کی نگرانی کی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔"

سکھدیو نے پچھتاتے ہوئے کہا:

"ہاں میں نے کہا تھا میری عقل پر بھی پتھر پڑ گئے تھے لیکن کیا تم نے دروازہ مقفل نہیں کر رکھا تھا۔"

بلبیر چندر: "دروازہ پر بڑا تالا لگا ہوا تھا اور تعجب یہ ہے کہ تالا بدستور پڑا ہے لیکن سونے کی چڑیا غائب ہے۔"

سکھدیو: "حیرت کی بات ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ چلو میں بھی دیکھوں۔"

وہ اٹھا اور بلبیر چندر کے ساتھ روانہ ہوا۔ دونوں چند کمروں اور غلام گردشوں میں سے گزر کر ایک تاریک کمرہ میں پہنچے۔ بلبیر چندر نے یہ اطمینان کر کے کہ وہاں کوئی نہیں ہے ایک مشعل روشن کی اور کسی کل کو دبایا۔ ایک چھوٹا سا دروازہ نمودار ہوا، دونوں اس میں داخل ہوئے اور دروازہ بند کر دیا گیا۔

دونوں ایک زینہ پر پہنچے اور نیچے اترتے چلے گئے۔ زینہ طے کر کے وہ تہ خانہ میں جا پہنچے۔ جس طرح بلبیر چندر نے ادھر کے کمرہ میں خفیہ دروازہ کھولا تھا اسی طرح نیچے تہ خانہ میں کئی کمروں کے

دروازے کھولے اور ایک مستطیل کمرہ کے دروازہ پر جا کر رکے۔ اس کے دروازہ پر ایک بڑا قفل پڑا ہوا تھا۔ چابی گھما کر بلبیر چندر نے قفل کھولا اور دونوں کمرہ کے اندر گئے۔ کمرہ خالی پڑا تھا۔ سکھد یو سخت متحیر ہوا۔ اس نے کہا:

''بڑے تعجب کی بات ہے! آخر وہ کہاں گئی؟''

بلبیر چندر: ''میں خود حیران ہوں۔''

سکھد یو: ''اسے تلاش کرنا چاہیے ورنہ ہمارا مستقبل خطرہ میں ہے۔ تم تہ خانہ کے تمام کمرے چھان ڈالو۔ میں اوپر جا کر سن گن لیتا ہوں۔''

بلبیر چندر: ''بہتر ہے۔''

سکھد یو تہ خانہ سے نکل کر اپنے کمرہ میں آیا۔ یہاں کامنی اس کا انتظار کر رہی تھی، اس نے کہا:

''چمپا تیار ہو گئی تھی بھیا!''

سکھد یو نے جلدی سے کہا:

''چندر موہنی غائب ہو گئی کامنی!!''

کامنی یہ سن کر کانپ اٹھی۔ اس نے کہا:

''کہیں وہ مہاراجہ کے پاس نہ پہنچ جائے۔''

سکھد یو نے لرز کر کہا:

''اگر ایسا ہو گیا تو ہماری سلامتی کی امید نہیں، تم اپنے کمرہ میں جا کر ٹھہرو میں مہاراجہ کے پاس جا کر تصدیق کرتا ہوں۔''

کامنی: ''اگر وہ وہاں پہنچ گئی تو.........''

سکھد یو: ''تب ہم یہاں سے فوراً بھاگنے کی کوشش کریں گے۔''

کامنی: ''مگر وہ گئی کہاں؟''

سکھد یو: ''ممکن ہے اس کمرہ میں کوئی خفیہ دروازہ ہو جسے ہم نہ جانتے ہوں اور اتفاق سے اسے مل گیا ہو لیکن وہ ابھی ضرور تہ خانہ کے کمروں میں ٹکراتی پھر رہی ہو گی۔ بلبیر چندر اس کی تلاش میں گیا ہے۔ ہمارے لئے اسے تلاش کا ابھی کافی وقت ہے۔''

کامنی چلی گئی اور سکھد یو مہاراجہ کے پاس جانے کی تیاری کرنے لگا۔

باب ۲۸

دو دشمنوں کی حیرت انگیز ملاقات

چندر موہنی کے گم ہو جانے سے سکھدیو کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے تھے۔ اسے رہ رہ کر تعجب ہو رہا تھا کہ راجکماری گئی کہاں۔

جو تہ خانہ قصر شاہی میں تھا وہ کچھ ایسا بھول بھلیاں نما واقعہ ہوا تھا کہ ناواقف تو ناواقف ایک دو دفعہ کے دیکھنے اور جاننے والے بھی اس سے باہر نہ نکل سکتے تھے۔

سکھدیو کو یہ بات اور بھی پریشان کر رہی تھی کہ کہیں اندھیرے میں ٹکراتی ہوئی کسی چیز سے ٹکرا نہ جائے۔ ساتھ ہی اسے معلوم ہو گیا تھا کہ موہن سنگھ زندہ ہے اور قصر شاہی میں موجود ہے۔ چونکہ وہ اس کی جان لینے کی دو مرتبہ کوشش کر چکا تھا اس لئے اسے اپنا جانی دشمن بنا لیا تھا۔ اسے خوف تھا کہ وہ کہیں مخبری کر کے اسے گرفتار نہ کروا دے یا خود ہی موقع پا کر قتل نہ کر ڈالے۔

اسے یہی بات مناسب معلوم ہو رہی تھی کہ جس طرح بھی اور جس قدر بھی جلد ہو سکے، سومنات سے رخصت ہو جائے۔

وہ اس بات کی سن گن لینے مہاراج کے پاس گیا کہ چندر موہنی وہاں تو نہیں پہنچ گئی یا موہن سنگھ نے جا کر تو اس کا کچا چٹھا بیان نہیں کر دیا۔

لیکن جب وہ مہاراجہ کے کمرۂ خاص کے دروازہ پر گیا تو معلوم ہوا کہ مہاراجہ آج سویرے ہی خواب گاہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ پھر اس نے پہرہ والوں سے یہ اطمینان کر لیا کہ کوئی مرد یا عورت ان سے ملنے تو نہیں آئے۔

وہ واپس لوٹ آیا لیکن جب اپنے کمروں کی طرف جا رہا تھا تو پھر خیال ہوا کہ کہیں دونوں یا دونوں میں سے کوئی ایک مہارانی کے پاس نہ پہنچے ہوں۔ اس لئے پھر واپس ہوا اور مہارانی کے جائے قیام پر پہنچا لیکن چونکہ رات ذرا زیادہ آ چکی تھی اس لئے داسیوں سے معلوم ہوا کہ مہارانی بھی آرام گاہ

میں پہنچ چکی ہیں۔ وہاں بھی دریافت کرنے پر اسے یہ پتہ چلا کہ مہارانی سے بھی کوئی ملنے نہیں آیا۔

اب قدرے اطمینان ہو گیا اور اس نے اپنے کمرہ میں آکر سب سے پہلے کھانا کھایا اور بلبیر چندر کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد بلبیر چندر آ گیا۔ اس کے چہرے پر ناکامی کی حسرت ٹپک رہی تھی۔ سکھدیو نے چہرہ دیکھتے ہوئے ہی معلوم کر لیا پھر بھی اس نے پوچھا:

''کیا نہیں ملی؟''

بلبیر چندر نے پست لہجہ میں کہا:

''نہیں ملی لیکن..............''

سکھدیو نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا:

''تمہارے خیال میں وہ تہ خانہ میں ہی ہے؟''

بلبیر چندر نے کہا:

''افسوس میں نہیں کہہ سکتا وہ کہاں ہے مگر میں نے تہ خانہ میں موہن سنگھ کو دیکھا تھا۔''

سکھدیو نے بے چین ہوتے ہوئے دریافت کیا:

''کہیں موہن سنگھ بھی تو اس کی تلاش میں نہیں پھر رہا ہے؟''

بلبیر چندر: ''میرا بھی یہی خیال ہے۔''

سکھدیو: ''جب تو چلو اسے ڈھونڈ کر پکڑ لیں اور قتل کر کے تہ خانہ ہی میں دبا دیں۔''

بلبیر چندر: ''اسی لئے میں آپ کے پاس آیا تھا۔''

سکھدیو: ''تم نے خوب کیا چلو۔ جلدی کرو..................''

''کہاں جا رہے ہو بھیا؟'' کامنی کی آواز آئی۔

سکھدیو نے کہا:

''تجھے ابھی تک نیند نہیں آئی ہے کامنی؟''

کامنی: ''میں ابھی بستر پر گئی ہی نہیں۔''

سکھدیو: ''کیوں؟''

کامنی: ''موہن سنگھ کے خوف کی وجہ سے۔''

سکھدیو: ''اس سے مت ڈر۔ بلبیر چندر نے اسے تہ خانہ میں دیکھا ہے ہم دونوں اس کی تلاش میں جا رہے ہیں، تُو بے فکر ہو کر سو۔''

کامنی: ''بستر پر جاتے ڈر معلوم ہوتا ہے۔''

سکھد یو: ''میں نے کہا نہیں کہ داسیوں کو اپنے کمرہ میں رکھ لے بعض ان میں سے سوتی رہیں گی بعض پہرہ دیں گی۔''

کامنی: ''مگر بھیا!! ان کی موجودگی میں مجھے نیند ہرگز نہ آئے گی۔''

سکھد یو: ''تب انہیں برابر والے کمرہ میں ٹھہرنے اور باری باری جاگتے رہنے کا حکم دے۔''

کامنی: ''اچھا.......... لیکن بھیا جب تم اسے پکڑ لو تو مجھے ضرور خبر کر دینا۔''

سکھد یو: ''اچھا!''

سکھد یو اور بلبیر چندر روانہ ہوئے۔ کامنی اپنے کمرہ میں آ گئی۔ وہ کئی کنیزوں کو ساتھ لے کر سکھد یو کے پاس گئی تھی۔ اس وقت بھی اس کے کمرہ میں آٹھ دس کنیزیں تھیں۔

کامنی کچھ ڈرپوک عورت نہ تھی وہ راجپوتنی تھی اور راجپوتنیاں نڈر اور دلاور ہوتی ہیں لیکن نہ معلوم کیا بات تھی کہ موہن سنگھ کو دیکھ کر اس کی روح خشک ہو جاتی تھی۔

کچھ دیر تو کامنی کنیزوں کے ساتھ ہنستی بولتی رہی۔ آخر جب اسے نیند آنے لگی تو اس نے انہیں برابر والے کمرے میں جانے اور چار عورتوں کو ہر وقت جاگتے رہنے کا حکم دیا۔

کنیزیں چلی گئیں۔ اس نے شبخوابی کا لباس بدلا۔ وہ لیٹ گئی اور اپنی مست نشین آنکھیں چھت کی طرف لگا دیں۔ اگرچہ گداز سینہ میں موہن سنگھ کا خوف سمایا ہوا تھا لیکن نیند پھر بھی آنے لگی۔ دو چار مرتبہ اس نے جمائی لی اور رفتہ رفتہ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

جوانی کا ہر عالم پر کیف ہوتا ہے۔ جاگنا، سونا، کھانا، چلنا غرض ہر بات میں ایک نئی امنگ اور ہر امنگ میں ایک نئی خوشی ہوتی ہے۔ ساتھ ہی ہر بات میں ایک ادا اور ہر ادا میں دلفریبی ہوتی ہے۔

نہ معلوم کتنی دیر تک حورِوش کامنی غفلت کی نیند سوتی رہی، دفعتاً اس نے اپنے لبوں کے قریب غیر معمولی گرمی محسوس کی اور اس کی آنکھ کھل گئی۔ جب ذرا نیند کا اثر دور ہوا اور آنکھیں کھول کر غور سے دیکھا تو موہن سنگھ اس کے اوپر جھکا ہوا نظر آیا۔ غالباً وہ لب چومنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کامنی جلدی سے اٹھ بیٹھی۔ موہن سنگھ نے اس آہستگی سے کہا کہ کامنی بھی بمشکل سن سکی:

''اپنی، میری اور سکھد یو کی خیریت چاہتی ہو تو شور نہ کرنا۔ مجھے معلوم ہے کہ برابر والے کمرہ میں تمہاری داسیاں تمہارے حکم کی منتظر جاگ رہی ہیں۔''

کامنی نے بھی سرگوشی کے لہجہ میں کہا:

''لیکن تمہیں میرے کمرہ میں آنے کی جرأت کیسے ہوئی؟''

موہن سنگھ: ''کیا کرتا؟ کامنی!! تم میری دیوی ہو۔ میرے ہر جزو میں بسی ہو۔ میں تم سے الگ کیسے رہ

سکتا ہوں؟''

کامنی: ''موہن اس خیال خامی سے باز آجا۔''

موہن سنگھ: ''میں نے بہت چاہا کہ تمہارا خیال چھوڑ دوں۔ مدتوں کوشش کی کہ تمہیں بھول جاؤں لیکن نہ بھول سکا۔ جب مجبور ہو گیا تب تمہارے سامنے اظہارِ مدعا کیا۔''

کامنی: ''لیکن تم جانتے ہو میں کون ہوں؟''

موہن سنگھ: ''جانتا ہوں تم انہلواڑہ کی راجکماری ہو اور میں ایک معمولی آدمی لیکن کامنی!! پریم رتبہ کو نہیں دیکھتا محبت اندھی ہوتی ہے۔''

کامنی: ''تمہاری اور میری دونوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ تم مجھے بھول جاؤ۔''

موہن سنگھ: ''اب یہ زندگی کے آخری سانس تک ناممکن ہے۔''

کامنی: ''کیا تم میرے بھیا سکھدیو سے نہیں ڈرتے ہو؟''

موہن سنگھ: ''اب وہ میرا کچھ نہیں کر سکتا۔ البتہ میں اسے جب چاہوں گرفتار کرا سکتا ہوں۔ خیال کرتا ہوں کہ اس کی موت تمہارے دل کو صدمہ پہنچائے گی۔''

کامنی: ''میں تم سے یہ التجا کرتی ہوں موہن کہ میرے بھیا کو نہ قتل کرنا نہ گرفتار کرانا۔''

موہن سنگھ: ''میں بالکل خاموش رہوں گا اگر تم مجھ پر مہربانی کرو!''

کامنی: ''افسوس تم میرے دل کے حال سے واقف نہیں ہو۔''

موہن سنگھ: ''مجھے شبہ ہے کہ تمہیں بھی کسی سے پریم ہے۔''

کامنی: ''تمہارا شبہ غلط نہیں ہے۔''

موہن سنگھ: ''وہ کون خوش قسمت ہے؟''

کامنی: ''یہ میرا راز ہے اور میں اسے کسی پر ظاہر کرنا نہیں چاہتی۔''

اس وقت برابر والے کمرہ میں کچھ کھٹکا ہوا۔ موہن سنگھ چونکا اور جلدی سے بولا:

''شاید کوئی آرہا ہے۔ اگر سکھدیو ہو تو اس سے کہہ دینا کہ وہ اب میرا پیچھا نہ کرے، میں اب بھی اسے معاف کر دوں گا ورنہ..........''

ابھی اس کا فقرہ پورا نہ ہوا تھا کہ کمرہ کا دروازہ کھلا اور سکھدیو داخل ہوا۔ اس نے پہلی ہی نظر میں موہن سنگھ کو پہچان لیا۔ موہن سنگھ نے اسے اور اس نے موہن سنگھ کو غضبناک نگاہوں سے دیکھا۔ سکھدیو اس کی طرف جھپٹا اور غصہ سے کانپتے ہوئے لہجہ میں بولا:

''پاپی، کمینے، تُو یہاں ہے!!''

موہن سنگھ پیچھے ہٹ کر دیوار سے جالگا اور آہستہ سے کہا:

''تم دو مرتبہ مجھے ٹھکانے لگانے کی کوشش کر چکے ہو لیکن میں ابھی تک زندہ ہوں۔ اس سے تمہیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ پرماتما ہی کو یہ منظور نہیں ہے کہ میں تمہارے ہاتھوں مارا جاؤں لیکن ممکن ہے کہ تم میرے ہاتھ سے مارے جاؤ اس لئے مجھ سے الگ رہو اور میرے معاملہ میں دخل نہ دو۔''

سکھدیو کو بے انتہا غصہ تھا۔ وہ تلوار نکال کر اس کی طرف دوڑا۔ موہن سنگھ نے جلدی سے کہا:

''سکھدیو، آئندہ جب ہم تم ملیں گے تو وہ دن میری یا تمہاری زندگی کا آخری دن ہوگا!''

یہ کہتے ہی اس نے کسی کل پر ہاتھ ڈالا۔ دیوار شق ہوگئی اور موہن سنگھ اس میں دھنستا نظر آیا۔

جب سکھدیو بھاگ کر دیوار کے پاس پہنچا تو موہن سنگھ غائب ہو چکا تھا اور دیوار برابر ہوگئی تھی۔

سکھدیو نے غصہ میں آکر دیوار پر ٹھوکریں ماریں اور خفیہ دروازہ کھولنے کی سعیِ لاحاصل شروع کردی۔

سر بکف مجاہدین:

مہاراجہ کے حکم سے قلعہ اور شہر سومنات میں منادی ہوگئی تھی کہ صبح کی پوجا میں تمام لوگ معہ زن و فرزند کے شریک ہوں اور خلوصِ دل سے دیوتا سومنات سے فتح کی دعائیں مانگیں۔

چنانچہ صبح ہوتے ہی لوگوں نے پوجا کی تیاریاں شروع کیں۔ ہر شخص نے حسبِ حیثیت پجاری پنڈتوں کے لئے نذرانہ لیا۔ سومنات کے بت پر چڑھانے کے لیے پھول اور شیرینی لی۔

لوگوں کی پوجا میں ایک یہ چیز بھی رکاوٹ بنی ہوئی تھی کہ عورتیں اور مرد اپنی حیثیت کے موافق پنڈتوں کو نذرانہ دیتے تھے، پھول اور مٹھائی دیوتا پر چڑھاتے تھے۔ اگر روزانہ سومنات کے درشن یا پوجا کے لیے جاتے تو روزانہ ہی بھینٹ دینی پڑتی اور اگر کوئی خالی ہاتھ چلا جاتا تو پنڈت جھٹ کہہ دیا کرتے کہ دیوتا کی پوجا اور درشن کے لئے خالی ہاتھ نہیں آنا چاہیے۔

پنڈتوں کو اس قسم کے نذرانہ کی آمدنی اس قدر تھی کہ اتنی مہاراجہ کو ملک کے محصولات سے بھی نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ہر پنڈت دولت مند تھا اور مہا پجاری کے پاس تو بے شمار دولت تھی۔

جو نقدی آتی تھی پنڈے اور مہا پجاری اس میں سے ایک حصہ مندر کی داسیوں کے اخراجات کے لئے الگ نکال دیتے تھے اور باقی آپس میں تقسیم کر لیتے تھے۔

لیکن چاندی، سونے، ہیرے، جواہرات اور لعل و زمرد کی قسم سے جو کچھ آتا تھا وہ سب مندر ہی میں جمع رہتا تھا۔

جوں ہی مندر میں گھنٹیاں، گھنٹے اور گھڑیال بجنے شروع ہوئے لوگ جوق در جوق پوجا میں شریک ہونے کے لئے چل پڑے۔ تمام بازار اور ساری سڑکیں دیوتا کے پجاریوں سے بھر گئیں۔

عوام الناس کے علاوہ وہ راجہ اور مہاراجہ بھی معہ اپنی فوجوں کے چل پڑے جو سومنات کی مدد کے لئے آئے تھے۔

خود مہاراجہ سومنات بھی چلے۔ ان کے ساتھ سکھد یو بھی ہولیا۔

آج مندر کا چپہ چپہ لوگوں کے اژدہام سے بھر گیا اور چونکہ ہر شخص کچھ نہ کچھ نذرانہ دینے اور مندر پر پھل پھول اور مٹھائی چڑھانے کیلئے لایا تھا، اس پجاریوں کے وارے نیارے ہو گئے۔

جس قدر انہیں ہر سال سورج گرہن کے موقع پر ملا کرتا تھا، اس سے زیادہ آج مل گیا۔

آج داسیوں کا خاص طور پر ناچ شروع ہوا۔ ہر داسی نے اپنا کمال دکھانے میں پوری پوری کوشش کی۔ سازندوں نے باجہ بجانے میں کمال کر دیا۔ نقرئی گھنٹیاں نہایت پر کیف آواز میں بجائی گئیں۔ سنکھ بھی عجیب عجیب انداز سے بجائے جانے لگے۔

ان سب باتوں سے مطلب یہ تھا کہ مہادیوتا سومنات بھی ان کے ناچنے گانے، باجے بجانے اور پوجا کرنے سے خوش ہو کر ان کی مدد کریں اور مسلمانوں کو جلا کر فنا کر ڈالیں۔

وہ ایک پتھر کی مورتی سے التجا کر رہے تھے۔ اس کے سامنے رو رو کر اس سے دعائیں مانگ رہے تھے۔ بھولے ہوئے تھے۔ اس بات کو کہ پتھر تو پتھر ہی ہوتا ہے نہ اس میں سننے سمجھنے، بولنے اور چھونے کی حس اور صلاحیت ہے اور نہ کچھ کہہ یا کر سکتا ہے۔

کاش وہ اس کی پرستش کرتے جو کائنات کا خالق ہے، اس کے سامنے جھکتے جو با عظمت و جلال ہے۔ اس سے دعائیں مانگتے جو سب کی سنتا ہے اور جسے وہ پرماتما یا ایشور کہتے تھے اور جسے مسلمان اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔

غرض ہندو سومنات کی پوجا میں شریک تھے۔ آفتاب طلوع ہو چکا تھا کائنات کا ذرہ ذرہ اور پتہ پتہ بیدار ہو گیا تھا۔ مسلمان فجر کی نماز سے فارغ ہو کر مسلح ہو چکے تھے۔

غازی سلطان محمود بھی اسلحہ لگا کر خیمہ سے باہر آ گئے تھے۔ انہوں نے رات ہی کو ہر سردار کے پاس یہ حکم بھیج دیا تھا کہ صبح ہوتے ہی پھر قلعہ پر دھاوا کیا جائے۔

التونتاش اور امیر علی خویشاوند دونوں ایک ٹیلہ پر کھڑے سلطانی لشکر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جوں ہی سلطان محمود گھوڑے پر سوار ہوئے اور انہوں نے علم ہاتھ میں لیکر اس کے پھریرے کو جھٹکا دے کر ہوا میں لہرایا، فوراً ہی ان کے دستہ نے اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگایا۔

اس نعرہ کو سنتے ہی التونتاش اور امیر علی خویشاوند دونوں تیزی سے ٹیلہ سے نیچے اتر کر سوار ہوئے اور لشکر کو قلعہ کی طرف بڑھنے کا اشارہ کیا۔

شیرانِ اسلام ''بسم اللہ اللہ اکبر'' یعنی آغاز سے ساتھ نام اللہ تعالیٰ کے اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے، کا ورد کرتے ہوئے بڑی شان سے بڑھے۔

راجپوتوں کا خیال تھا کہ مسلمان گزشتہ روز کی جنگ میں تھک کر خستہ وشکستہ حال ہو گئے ہوں گے............آج وہ آرام کریں گے۔

لیکن جب انہوں نے انہیں قلعہ پر یورش کرتے دیکھا تو کمال متعجب اور بہت زیادہ خوفزدہ ہوئے۔

جب مسلمان بڑھ کر فصیل کے نزدیک آگئے تب وہ سنبھلے اور انہوں نے شور کرنا، جے کارے لگانا اور تیروں اور پتھروں کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔

چونکہ ابھی تک مندر میں پوجا ہو رہی تھی اور وہاں گھنٹے گھنٹیاں اور گھڑیال اس زور سے بجائے جا رہے تھے کہ باقی تمام آوازیں ان آوازوں میں مدغم ہو کر رہ گئیں تھیں اس لئے قلعہ کے راجپوتوں کے شور کی آواز بھی جذب ہو کر رہ گئی۔ حالانکہ فصیل پر لڑنے والے راجپوتوں کا غل مچانے سے ایک منشا یہ بھی تھا کہ مندر تک ان کی آواز پہنچ جائے اور وہاں سے مدد آ جائے۔

آج مسلمان گویا سروں پر کفن باندھ کر آئے تھے۔ انہوں نے نہ تو کافروں کے شور مچانے کا خیال کیا اور نہ تیروں اور سنگریزوں کی پرواہ کی بلکہ اس طرح تیزی سے بڑھتے رہے جیسے کوئی رکاوٹ ہی حائل نہیں ہے۔

جوں جوں مسلمانوں کو بڑھتے آتے دیکھتے تھے، راجپوتوں کے اوسان خطا ہوتے جاتے تھے۔ وہ بڑی پھرتی، نہایت سرگرمی اور کمال طاقت سے تیر افگنی اور سنگ اندازی کر رہے تھے۔ چاہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کا سیلاب رُک جائے۔

لیکن مسلمانوں نے جیسے تہیہ کر لیا تھا کہ ان کے قدموں کو موت بھی نہ روک سکے گی۔ حقیقت میں وہ موت کا مقابلہ کرتے ہوئے بڑھ رہے تھے۔

کچھ یہ بات نہیں ہے کہ انہیں نقصان نہیں پہنچ رہا تھا یا وہ قتل وزخمی نہیں ہو رہے تھے۔ نہیں وہ برابر زخمی بھی ہوتے جاتے تھے اور بعض شدید طور پر مجروح ہو کر شہید بھی ہو رہے تھے۔

اسی طرح ایک جماعت اس لشکر کے ساتھ پیادہ پا آ رہی تھی جو شہیدوں کو فوراً اُٹھا کر لے جاتی تھی اور زخمیوں کو علیحدہ لے جا کر ان کی مرہم پٹی کر دیتی تھی۔

جب راجپوتوں نے دیکھا کہ مسلمان فصیل کے نیچے بھی آگئے ہیں تو ان پر عجیب سراسیمگی کا عالم طاری ہو گیا۔ وہ تیروں کی باڑھیں مارنا اور پتھروں کی بارش کرنا بھول گئے اور سناٹے کے عالم میں رہ گئے اور فصیل کی چار دیواری کے اوپر سے جھانک جھانک کر یہ دیکھنے لگے کہ اب مسلمان کیا کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے دستے دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ وہ راجپوتوں کی حرکتیں دیکھ رہے تھے۔ انہیں ان پر بے حد وحساب غصہ آرہا تھا کہ انہوں نے بہت سے مجاہدین کو شہید یا زخمی کر ڈالا تھا۔

مجاہدینِ اسلام کے کچھ دستوں نے کمانیں ہاتھوں میں لے کر ان میں تیر جوڑے اور تاک کر چھوڑے۔

تیر فضا کو چیرتے سنسناتے اور قدرے شور مچاتے فصیل کی طرف شکروں کی طرح جھپٹے۔

جو راجپوت ان مسلمانوں کو جھانک کر دیکھ رہے تھے وہ فصیل کے نیچے پہنچ گئے تھے اس لیے وہ ان تیروں کو نہ دیکھ سکے۔ لیکن بعض راجپوت جھروکوں میں آنکھیں لگائے تاک رہے تھے، انہوں نے دیکھا بھی تو اس وقت جب تیر عین فصیل پر آگئے تھے۔

انہوں نے جلدی سے جھانکنے والے راجپوتوں کو کھینچنا چاہا لیکن تیر قضائے مبرم کی طرح ان کے سروں، پیشانیوں آنکھوں اور رُخساروں میں پیوست ہو گئے۔

تمام زخمی راجپوت ایک ساتھ چلا اٹھے۔ ان میں سے بعض تو فصیل سے نیچے گر پڑے، بعض فصیل پر الٹ گئے، بعض تڑپنے لگے اور بعض تڑپ تڑپ کر ٹھنڈے ہو گئے۔

مسلمان تیروں کی پہلی باڑھ کا اثر دیکھ چکے تھے۔ اب انہوں نے دوسری باڑھ ماری اور جوں ہی راجپوتوں نے سر ابھارے فوراً ہی تیروں نے ان کی تواضع کی اور وہ بھی چیخ چیخ کر چت جا پڑے۔

اب ان راجپوتوں نے جو سوراخوں میں سے جھانک رہے تھے بلند آواز سے کہا:

''مسلمانوں نے تیراندازی شروع کر دی ہے دیوار سے اوپر سر نہ نکالو۔''

راجپوت ڈر گئے اور پھر کسی کو دیوار کے اوپر سے جھانکنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

اس سے مسلمانوں کو امن مل گیا۔ قلعہ کے اوپر سے تیر افگنی اور سنگ اندازی موقوف ہو گئی۔ اب وہ نہایت اطمینان سے بڑھنے لگے۔

اس عرصہ میں جو مسلمان فصیل کے نیچے پہنچ گئے تھے انہوں نے کمندیں اور سیڑھیاں پھینکنی شروع کیں جو رفتہ رفتہ قلعہ کے کنگوروں میں پھنسنے لگیں اور مسلمان ان کے ذریعہ سے اوپر چڑھنے

لگے۔

آج مسلمانوں نے یہ دانشمندی کی کہ ہر وہ شخص جو کمند یا سیڑھی کے ذریعہ سے اوپر چڑھا وہ اپنے دونوں بازوؤں میں سیڑھیاں باندھ کر لے چلا اور کنگوروں کے پاس پہنچ کر کمندوں اور سیڑھیوں کو برابر والے کنگوروں میں باندھ دیا۔

ان کمندوں یا سیڑھیوں پر چڑھنے والوں نے بھی ایسا ہی کیا اور اس طرح دور تک کمندیں اور سیڑھیاں لٹک گئیں۔

ساتھ ہی مسلمانوں نے یہ بھی احتیاط کی کہ کوئی شخص بھی کنگوروں پر چڑھ کر دیوار پھلانگ کے فصیل پر نہیں گیا۔ بلکہ سب کنگوروں پر کھڑے ہو کر اوروں کے اوپر چڑھنے کا انتظار کرنے لگے۔

جب بہت سے مسلمان کنگوروں پر آ گئے تو انہوں نے ڈھالیں پشتوں پر ڈال کر تلواریں دانتوں میں دبا کر دیوار پر بندروں کی طرح اس طرح جا بیٹھے جیسے کسی لمبے رسے سے جھول کھا کر ایک دم آئے ہوں۔

اتنے مسلمانوں کو دیوار پر آتے دیکھ کر راجپوتوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ وہ نہ سمجھ سکے کہ وہ کس طرح ایک ساتھ اتنی تعداد میں چڑھ آئے۔

مسلمانوں نے ان کی حیرت سے فائدہ اٹھایا، وہ جست لگا کر فصیل پر راجپوتوں کے سروں پر جا کودے اور فصیل پر پہنچتے ہی انہوں نے حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ بائیں ہاتھوں میں ڈھالیں اور دائیں ہاتھوں میں تلواریں لے کر پر جوش حملہ کر دیا۔

باب ۲۹

خونریز معرکہ

آج راجپوتوں کی سٹی گم تھی۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ ان کے افسر، سردار، راجہ اور مہاراجہ سب پوجا میں شریک ہونے کے لئے گئے تھے کچھ اس سبب سے کہ وہ اپنی تعداد کم سمجھ رہے تھے۔ حالانکہ اب بھی مسلمانوں سے کئی حصے زیادہ تھے اور کچھ اس باعث سے کہ مسلمان کثیر تعداد میں فصیل پر اچانک جا کودے تھے۔

وہ گلے پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے تھے۔ تمام قلعہ ان کی پر شور آواز سے گونج اٹھا تھا۔ مسلمانوں کو شمشیر بکف دیکھ کر انہوں نے بھی کھانڈے سنبھال لیے تھے اور جوں ہی مسلمان ان پر حملہ آور ہوئے انہوں نے بھی مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔

جنگ شروع ہوگئی۔ تلواریں قتل کرنے کے لئے اٹھیں تو راجپوت کھانڈے تیزی سے اٹھا رہے تھے۔

اس وقت دونوں فریق جوش وغضب میں بھرے ہوئے ایک دوسرے پر زوردار حملے کر رہے تھے۔ راجپوت گزشتہ ایام کی طرح مسلمانوں کو فصیل سے نیچے دھکیل دینے کی کوشش کر رہے تھے اور مسلمان راجپوتوں کو پسپا کرنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔

چونکہ ہر فریق دوسرے پر کاری ضربیں لگا رہا تھا اس لئے خون ریزی کا بازار بھی گرم ہو گیا تھا۔ سر اور ہاتھ کٹ کٹ کر اچھلنے لگے تھے۔ لاشوں پر لاشیں گرنے لگی تھیں اور خون کی بارش ہونے لگی تھی۔

آج مسلمانوں کی آمد کا تانتا برابر لگا ہوا تھا۔ چونکہ سیڑھیاں اور کمندیں کافی تعداد میں پھنسا دی گئی تھیں اس لئے مسلمان جوق در جوق ان کے ذریعہ سے فصیل پر پہنچ رہے تھے اور وہاں پہنچتے ہی تلواریں سونت سونت کر دشمنوں پر جا ٹوٹتے تھے۔

جوں جوں مسلمان فصیل پر زیادہ تعداد میں پہنچتے جاتے تھے جنگ کی آگ بھڑکتی جاتی تھی۔ وہ ادھر ادھر پھیلتے اور راجپوتوں پر حملے کر کے انہیں پیچھے ہٹاتے جا رہے تھے۔

ابھی تک مسلمانوں کے افسر فصیل پر نہ پہنچ سکے تھے۔ وہ نیچے کھڑے ہوئے سپاہیوں کو ہدایتیں کر رہے تھے لیکن رفتہ رفتہ وہ بھی پہنچنے لگے اور انہوں نے رزمگاہ میں پہنچتے ہی اس زور سے حملے کئے کہ ایک دفعہ تو راجپوت اتنے پیچھے دبے کہ اپنے پشت کی دیوار سے جا لگے۔

لیکن فوراً ہی ان کی رگِ ہمت و شجاعت بھڑکی اور وہ جوش میں آ کر بڑھے اور کچھ اس شدت سے حملہ آور ہوئے کہ متعدد مسلمانوں کو مارتے کاٹتے انہیں ہٹاتے نصف میل تک بڑھ آئے۔

اگرچہ مسلمانوں نے انہیں روکنے کے لئے اپنی پوری قوت صرف کر دی لیکن پُر جوش راجپوتوں کا سیلاب نہ روک سکے اور قدم قدم پیچھے ہٹتے اور دبتے چلے آئے۔

اس جدوجہد میں کئی مسلمان شہید ہو گئے اور کئی زخمی ہو کر ایک طرف ہٹ گئے اور اپنے زخموں کو باندھنے لگے۔

مگر فوراً ہی ان زخمیوں اور شہیدوں کی جگہ تازہ دم مسلمان نیچے سے چڑھ آئے اور انہوں نے جوش میں آ کر ایسا شدید حملہ کیا کہ اب راجپوت کٹنے مرنے، زخمی ہونے اور پیچھے ہٹنے لگے۔

اگرچہ راجپوتوں نے قدم قدم پر رکنا اور جانبازی سے مقابلہ کرنا چاہا لیکن مسلمانوں کے ریلے نے انہیں پیچھے ہٹا کر ہی چھوڑا۔

اس کوشش میں ان کے بھی بہت سے آدمی کام آئے، بہت سے زخمی ہو کر الگ ہٹ گئے لیکن ان زخمیوں کو امن نہ مل سکا۔ مسلمانوں نے انہیں حملے کر کے قتل کر ڈالا۔

مسلمانوں نے اپنے زخمیوں کو اپنے پسِ پشت لے لیا اور راجپوتوں کو ان تک نہ پہنچنے دیا تھا لیکن راجپوت اس طرح اپنے زخمیوں کی حفاظت نہ کر سکے اور وہ ایک ایک کر کے سب مارے گئے۔

یہ کیفیت دیکھ کر راجپوتوں کو بڑا طرارہ آیا۔ انہوں نے جوش میں آ کر نہایت سختی سے حملہ کیا۔ مسلمانوں نے ان کا حملہ روکنے میں بڑی کوشش کی، جم کر مقابلہ کرنا چاہا لیکن نہ جم سکے۔ راجپوتوں کے سیلاب نے انہیں پیچھے ہٹا کر ہی چھوڑا۔

پھر اس معرکہ میں کئی مسلمان شہید ہو گئے اور پھر مسلمانوں کو جوش اور غصہ آ گیا۔ انہوں نے پھر سنبھل کر نہایت پر زور حملہ کیا۔ مسلمانوں کا یہ حملہ نہایت ہی سخت ہوا۔ انہوں نے راجپوتوں کو تلواروں کی باڑھوں پر رکھ لیا اور چشم زدن میں سینکڑوں راجپوتوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔

اب راجپوت گھبرا گئے۔ اب تک وہ جس قدر جدوجہد کرتے رہے تھے وہ سب بیکار گئی۔ کئی

سپاہی فصیل سے نیچے اتر کر مندر کی طرف اس ہنگامہ کی اطلاع دینے کے لئے دوڑے گئے۔

ادھر التونتاش اور امیر علی خویشاوند دونوں فصیل پر چڑھ آئے۔ ان کے آتے ہی مسلمانوں میں تازہ روح آ گئی۔ انہوں نے نئے جوش اور نئے ولولے سے نہایت ہی سخت حملہ کیا خود التونتاش اور امیر علی خویشاوند بھی حملہ آور ہوئے اور انہوں نے بھی بڑے پرزور حملے کئے۔

اگرچہ راجپوتوں نے ان حملوں کو روکنے کے لیے بڑے استقلال اور بڑی ہمت سے کام لیا، خوب مقابلہ کیا، نہ صرف مقابلہ ہی کیا بلکہ خود بھی پرزور حملے کئے، بڑھ بڑھ کر کھانڈے چلائے لیکن مسلمانوں نے ان کے تمام حملے نہایت جوانمردی سے روکے اور اس جوش سے جوابی حملے کئے کہ راجپوتوں کی صفیں الٹ گئیں۔ ان کے بڑے بڑے سورما مارے گئے، بڑے بڑے بہادر زخمی ہو کر کراہنے اور چلانے لگے۔

غازی سلطان محمود بھی بڑھے چلے آ رہے تھے۔ وہ اور ان کے جلو میں آنے والا لشکر دور سے دیکھ رہے تھے کہ مسلمان بڑی پھرتی سے قلعہ پر چڑھ کر فصیل پر کود رہے ہیں۔ چونکہ فصیل پر قدم آدم چار دیواری تھی اس لئے لڑائی کا ہنگامہ نظر نہ آتا تھا لیکن تلواریں اور کھانڈے اٹھتے اور جھکتے دکھائی دے رہے تھے۔

یہ منظر دیکھ کر ہر سوار، ہر افسر اور خود سلطان محمود کے دل میں جوش و ولولے اٹھ رہے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ تیزی سے بڑھ کر فصیل پر جا چڑھیں لیکن ابھی فصیل دور تھی اور درمیان میں بہت سے فوجی دستے پھیلے ہوئے تھے۔

جو مسلمان نیچے سے چڑھ کر دیوار پر کھڑے ہوتے تھے وہ نیچے والوں کو جلدی سے اوپر آنے کا اشارہ کر دیتے تھے اور نیچے والے جس قدر تیزی سے ممکن تھا اوپر چڑھنے لگتے۔

چونکہ مسلمانوں کی آمد کا تانتا لگا ہوا تھا اس لئے وہ فصیل پر پھیلتے اور جنگ کی آگ میں کود کر کارزار کے شعلوں کو بھڑکاتے جاتے تھے۔

راجپوت فصیل کے چپہ چپہ پر جانیں نچھاور کر رہے تھے، بڑی جی داری سے لڑ رہے تھے لیکن مسلمان بھی غضب کی دلیری سے جنگ کر رہے تھے۔ وہ پینترے بدل بدل کر جھپٹ جھپٹ کر بڑی قوت اور پھرتی سے حملے کر کے دشمنوں کو ٹھکانے لگا رہے تھے۔

چند ہی گھنٹوں کی جنگ میں راجپوتوں کی بڑی تعداد ماری گئی اور جگہ جگہ لاشوں کے اس قدر ڈھیر لگ گئے کہ لڑنے والوں کو ان کے اوپر سے گزرنا مشکل ہو گیا۔ ساتھ ہی خون سے تمام فصیل اس قدر تر ہو گئی کہ پیر پھسلنے لگے۔

جب کہ یہ ہنگامۂ دار و گیر بلند تھا، دفعتاً شور ہوا کہ سلطان محمود آ گئے۔ مسلمان اس شور کو سن کر پہلے سے بھی زیادہ سرفروشی سے لڑنے لگے اور کچھ اس بے جگری سے حملہ آور ہوئے کہ راجپوت ان کا مقابلہ ہی نہ کر سکے۔ ڈٹے جمے لیکن یا تو قتل ہو ہو کر گرنے لگے یا پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔

جوں جوں مسلمان بڑھتے جاتے تھے راجپوت دبتے جاتے تھے اور جوں جوں وہ دبتے تھے مسلمانوں کے حوصلے بڑھتے جاتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر راجپوت اپنی قومی روایات کو قائم و برقرار رکھنے کے لئے پوری سرگرمی سے لڑتے تو ممکن تھا کہ گزشتہ دنوں کی طرح آج بھی مسلمانوں کو فصیل سے نیچے گرا دیتے مگر آج مسلمانوں کی زیادہ تعداد فصیل پر پہنچ جانے کی وجہ سے ان کی ہمتیں پست ہو گئیں اور وہ جارحانہ حملے کرنے کے بجائے صرف مدافعت ہی کرتے رہے۔

مسلمانوں نے آج فصیل کے ایک حصہ پر قدم جما کر کچھ اس جوش و خروش سے جنگ کی کہ دشمنوں کے چھکے چھوٹ گئے۔

اگرچہ اب بھی راجپوت بڑی دلیری سے مقابلہ کر رہے تھے لیکن ان کے خوفزدہ چہرے اور سہم ناک نگاہیں بتا رہی تھیں کہ ان پر مسلمانوں کی ہیبت چھا گئی ہے اور وہ مسلمانوں کی تلواروں کو دیکھ دیکھ کر خائف ہونے لگے ہیں۔

پھر بھی ابھی تک راجپوتوں میں بھاگ جانے کا خیال پیدا نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ وہ گھبرائے ہوئے تھے لیکن برابر جمے ہوئے لڑ رہے تھے اور جہاں تک بھی ان کے حواس یاوری کر رہے تھے اور طاقت ساتھ دے رہی تھی، جنگ کر رہے تھے۔

مسلمانوں نے انہیں اس طرح نرغہ میں لے لیا تھا کہ پیچھے تو دیوار آ گئی تھی اور سامنے مسلمان تھے۔ صرف ادھر ادھر کے بازو خالی تھے۔

اس وقت مسلمانوں نے جوش میں آ کر اللہ اکبر کا بلند آہنگ نعرہ لگایا۔ اس نعرہ سے راجپوت اور بھی سہم گئے۔ ساتھ ہی جب مسلمانوں نے پرزور حملہ کیا تو وہ سراسیمہ ہو کر بھاگ نکلے۔

مسلمانوں نے ان کا پیچھا شروع کر دیا اور اس بری طرح انہیں قتل کرنا شروع کیا کہ جہاں تہاں ان کی لاشیں ڈال دیں۔

اب یہ صورت ہو گئی کہ راجپوت بھاگ رہے تھے اور مسلمان انہیں قتل کرتے ان کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔

اسی طرح آگے پیچھے دوڑتے فصیل سے نیچے اتر آئے اور قلعہ میں پھیلنے لگے۔ کچھ

مسلمانوں نے یہ عقلمندی کی کہ جلدی سے دروازہ پر پہنچ کر وہاں کے محافظوں سے جنگ شروع کر دی۔ دروازہ پر تقریباً پانچ سو راجپوت تھے۔ چونکہ وہ تازہ دم تھے اس لئے تلواریں سونت کر مسلمانوں کے مقابلہ میں آ گئے۔

مسلمان چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ہو ان راجپوتوں کو طے کر کے دروازہ کھول ڈالیں اس لئے انہوں نے بڑے جوش اور بڑی سرگرمی سے حملے شروع کر دیئے۔

اس وقت یوں تو قلعہ کے بڑے حصہ میں جہاں تک مسلمان اور راجپوت پھیل گئے تھے، جنگ ہو رہی تھی لیکن لڑائی کا سب سے زیادہ زور دروازہ پر ہو گیا تھا۔

راجپوت مسلمانوں پر اور مسلمان راجپوتوں پر ٹوٹ کر گر رہے تھے۔ دونوں فریقوں کے جانباز قتل و زخمی ہو رہے تھے لیکن کوئی فریق بھی وہاں سے ہٹنے کا نام نہ لیتا تھا۔

اتفاق سے یا قصداً التونتاش بھی کچھ سپاہیوں کے ساتھ وہاں آ گئے۔ انہوں نے آتے ہی جوش و خروش سے حملہ کیا اور راجپوتوں کو کھیرے اور ککڑی کی طرح سے کاٹنا شروع کر دیا۔

جب راجپوتوں کی زیادہ تعداد نذرِ اجل ہو گئی تب وہ بھاگ نکلے اور مسلمانوں نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی مسلمانوں کا سیلاب اندر داخل ہو گیا اور مجاہدین نے گھوڑے دوڑا کر ہزیمت خوردہ راجپوتوں کو بری طرح قتل کرنا شروع کر دیا۔

شاندار فتح:

جس وقت پوجا ختم ہوئی عین اس وقت وہ سپاہی وہاں پہنچے جو قلعہ کی فصیل پر جنگ ہونے کی خبر پہنچانے اور مدد طلب کرنے دوڑ کر آئے تھے۔ انہوں نے مہاراجہ سے تمام کیفیت بیان کر دی۔ یہ وحشت ناک خبر سن کر مہاراجہ کو بے حد رنج و قلق ہوا۔ ان کا رنگ اڑ گیا، ان کے قریب جو دوسرے راجہ، مہاراجہ کھڑے تھے وہ بھی خائف و ترساں ہو گئے۔

مہاراجہ نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ تمام مندر لوگوں سے پٹا ہوا تھا۔ انہوں نے بلند آواز سے کہا:

''مہادیو سومنات جی کے پجاریو!!! اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو عزت و حرمت کے ساتھ رہو ورنہ موت زندگی سے بہتر ہے۔ مجھے ابھی معلوم ہوا ہے کہ ملیچھ مسلمانوں نے قلعہ پر حملہ کر دیا ہے اور آج بھی ان کے کچھ آدمی فصیل پر پہنچ گئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آج جنگ کا فیصلہ ہو جائے۔ تم سب دشمن

کے مقابلہ کے لئے چلو، صرف فوجی سپاہی ہی نہیں بلکہ سومنات کا ہر نوجوان آج جنگ کی آگ میں کود پڑے اور ہر شخص کم سے کم ایک ایک مسلمان کو مار ڈالے۔ اس طرح تم بہت جلد مسلمانوں کا خاتمہ کر ڈالو گے اور آج ہی فتح کے جھنڈے لہرا دو گے۔ اب ایک لحہ کا توقف نہ کرو۔ ابھی چلو، عورتوں اور بچوں کو گھر بھیج دو۔ مہادیو سومنات جی کی یہ آخری اور شاندار مدد ہے۔ رہتی دنیا تک تمہارا نام اور تمہارا یہ کارنامہ زندہ باقی رہے گا۔''

یہ سن کر لوگوں کے دلوں میں کچھ اس قسم کا جوش و جذبہ پیدا ہوا کہ سب سرفروش آمادہ ہو گئے۔ سب نے نعرے لگائے:

''سومنات مہادیو جی کی جے، بھارت ماتا کی جے، بھارت کے سورماؤں کی جے، مہاراجہ سومنات کی جے۔''

ان پیہم جے کاروں سے نہ صرف مندر ہی گونج اٹھا بلکہ شہر اور قلعہ بھی گونجنے لگے۔ فوراً ہی راجپوتوں کے دستے قطار در قطار افسروں، راجاؤں اور مہاراجاؤں کی سرکردگی میں روانہ ہوئے۔ ان کے پیچھے عوام الناس مسلح ہو ہو کر چل پڑے۔

مندر میں کچھ اسلحہ جات بھی جمع رہتے تھے۔ مہا پجاری نے ان ہتھیاروں کو تقسیم کر دیا اور لوگ ان ہتھیاروں کو متبرک سمجھ کر بڑی شان کے ساتھ روانہ ہوئے۔

مہاراجہ سومنات بھی اپنے رسالۂ خاص کو جلو میں لے کر چلے۔ جو عورتیں اور بچے مندر میں رہ گئے تھے انہیں کچھ آدمی اپنے ساتھ لے کر شہر کی جانب چلے۔

جب یہ عظیم الشان لشکر شہر کو عبور کر کے قلعہ کے سامنے پہنچا تو مسلمانوں کو قلعہ میں گھستے ہوئے دیکھا۔ یہ غیر متوقع نظارہ دیکھ کر راجپوتوں کے حواس باختہ ہو گئے۔ مہاراجہ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ باوجود ضبط کرنے کے آنکھوں سے آنسوؤں کے دو موٹے قطرے نکل کر رخساروں پر بہہ گئے۔

لیکن فوراً ہی انہوں نے رومال سے پونچھ ڈالے اور بلند آواز سے بولے:

''راجپوتو!! آج تمہاری بہادری کا امتحان ہے! ملک و قوم کی حرمت پر کٹ مرو یا دشمن کو کاٹ ڈالو۔ اگر تم نے ذرا بھی کم ہمتی اور بزدلی کی تو مسلمان تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے اور تمہاری املاک پر قابض ہو کر تمہاری عورتوں کو کنیزیں اور تمہارے بچوں کو غلام بنا لیں گے۔ اس کے علاوہ تم خوب جانتے ہو کہ مسلمان سلطان کو ہمارے دیوی دیوتاؤں سے بَیر ہے۔ وہ ہمارے مندروں کو کھود ڈالے گا اور ہمارے دیوتاؤں کی مورتیوں کو توڑ کر پھینک دے گا۔ تم یہ دردناک نظارہ دیکھنے سے پہلے یا تو خود فنا ہو جاؤ یا دشمنوں کو فنا کر ڈالو۔ مہادیو سومنات جی تمہیں دیکھ رہے ہیں، تم ابھی ان کی پوجا

کئے چلے آرہے ہو۔ وہ ضرور تمہاری مدد کریں گے۔ بولو مہادیو سومنات جی کی جے!!''

سب نے اس نعرہ کی تکرار کی اور راجپوتوں نے جوش و خروش سے بڑھنا شروع کیا۔

ابھی مسلمانوں کا تھوڑا ہی سا لشکر قلعہ میں داخل ہوا تھا۔ زیادہ تر قلعہ کے باہر ہی تھا۔ انہوں نے جب ہندوؤں کے اس بے شمار لشکر کو دیکھا تو قلعہ میں داخل ہونے کے بجائے اس جمِ غفیر کی طرف چل پڑا۔

سلطان محمود نے بھی اپنے لشکر کو اس طرف دھکیل دیا اور خود بھی اسی طرف چل کھڑے ہوئے۔ راجپوت اِن غازیانِ اسلام کو دیکھتے ہی ٹھٹک گئے اور ادھر ادھر دور تک پھیل کر صفیں مرتب کرنے لگے۔

لیکن مسلمانوں نے انہیں صفیں قائم کرنے کا موقع ہی نہ دیا۔ انہوں نے پاس پہنچ کر نہایت پر جوش حملہ کیا۔

راجپوت بھی غضب ناک ہو کر مقابلہ میں آ گئے۔ تلواریں میانوں سے ابل پڑیں، کھانڈے بلند ہو گئے، ڈھالیں اٹھنے لگیں اور ہولناک جنگ شروع ہو گئی۔

چونکہ فریقین اچھی طرح اپنی صفیں قائم نہ کر سکے تھے اس لئے بہت جلد گڈمڈ ہو گئے۔ راجپوت مسلمانوں میں گھس گئے اور مسلمان راجپوتوں میں دَر آئے۔

اور چونکہ دونوں فریق جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے اس لئے بڑی پھرتی اور نہایت تیزی سے تلواریں اور کھانڈے چلانے لگے۔

ہنگامۂ کارزار گرم ہو گیا۔ انسانوں کے خون سے ہولی کھیلی جانے لگی۔ سَر، کٹ کٹ کر بڑی گیندوں کی طرح اچھلنے اور ٹھوکریں کھانے لگے۔ دھڑ تناور درختوں کی طرح گرنے لگے اور خون سے زمین سیراب ہونے لگی۔

راجپوت مسلمانوں کو کچل ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے اور مسلمان راجپوتوں کو پیس ڈالنے کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ ہر شخص کی زندگی خطرہ میں تھی اور ہر شخص موت کے قریب کھڑا تھا۔ ذرا سی غفلت میں اچانک موت کا شکار ہو جاتا تھا، ذرا آنکھ چوکی اور تلوار یا کھانڈا سر پر پڑا اور سر کی دو پھانکیں ہو گئیں۔ یا گردن پر تلوار پڑی اور سر اڑ گیا یا کھانڈے نے سینہ صدر تک چیر ڈالا۔

غرض ہندو اور مسلمان دونوں موت کا شکار ہو رہے تھے، دونوں لڑ رہے تھے اور دونوں مر رہے تھے۔ بڑی تیزی سے، جیسے انہوں نے موت کی مہمانی کی ہو اور قضا کا فرشتہ ان کی روحیں نکالنے کے لئے دوڑ رہا ہو۔

مسلمان اگر چہ بہت ہی تھوڑے تھے لیکن ایسی دلیری اور ایسے استقلال سے لڑ رہے تھے کہ خود ہندوؤں کو حیرت ہو رہی تھی۔ ہر مسلمان گویا خونخوار شیر یا قضا کا فرشتہ بن گیا تھا۔ جس کسی راجپوت کو کسی مسلمان کی تلوار ذرا چھو بھی جاتی تھی وہیں کشتہ ہو کر گر پڑتا تھا۔

ہر مسلمان پیکرِ جوش و غضب بنا بڑی پھرتی سے حملے کر کے دشمنوں کو ٹھکانے لگا رہا تھا۔ خود سلطان محمود بھی جنگ کی آگ میں کود پڑے تھے اور باوجود کبیر سنی اور ضعیف العمری کے، جوانوں جیسے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ جس طرف مسلمانوں پر ہندوؤں کی یورش دیکھتے، فوراً گھوڑا بڑھا کر وہاں پہنچ جاتے اور کچھ اس شدت سے حملے کرتے کہ دشمن بچنے کی کوشش کرنے پر بھی نہ بچتے۔ سلطانی تلوار ان کا قلع قمع کر ڈالتی۔ جس طرف راجپوتوں کے گروہ دیکھتے ان پر جھپٹ کر حملے کر کے انہیں منتشر کر دیتے۔

سلطان محمود بھی اس وقت اس قدر جوش میں بھرے ہوئے تھے کہ صرف بڑھنے، حملہ کرنے اور مارنے کا خیال تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ ان کے رسالہ کا بڑا حصہ ان کے ساتھ تھا اور جس طرف حملہ کرتے تھے اسی طرف رسالہ بھی ٹوٹ پڑتا تھا۔ جس گروہ پر وہ ٹوٹتے تھے، اسی پر رسالہ جھک جاتا تھا اور سلطان محمود اور رسالۂ شاہی کے سوار دشمنوں کا کھلیان کر ڈالتے۔ انہوں نے بے شمار دشمنوں کو نہنگ اجل کے منہ ڈال دیا تھا، کئی صفوں کو توڑ دیا تھا نیز کئی گروہوں کو منتشر کر دیا تھا۔

سلطان محمود کے چہرہ سے کچھ ایسا جلال ظاہر تھا کہ ہر وہ ہندو جس پر سلطان محمود حملہ کرتے تھے یا جس کی نظر سلطان محمود پر پڑ جاتی تھی، خوف و دہشت سے تھر تھر کانپنے لگتا تھا۔ سلطان محمود کو اس قدر جوش و خروش سے لڑتے ہوئے دیکھ کر تمام مسلمانوں کا جوش چار چند بڑھ گیا تھا۔

راجپوت بھی پورے جوش اور پوری سرگرمیوں سے لڑ رہے تھے۔ مقدور بھر مسلمانوں کو زیر دست کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اگر چہ اس جدوجہد میں کثرت سے مر رہے تھے لیکن موقع پا کر ایک ایک مسلمان کو کئی کئی راجپوت لپٹ جاتے تھے اور بسا اوقات اس مسلمان کو شہید کر ڈالتے تھے۔

غرض گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ سرفروش بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے اور نہایت پھرتی سے قتل ہو رہے تھے۔ دور تک لاشوں کے انبار لگ گئے تھے۔ کٹے ہوئے ہاتھوں پیروں اور سروں کے ڈھیر لگ گئے تھے۔ خون بارش کے پانی کی طرح بہنے لگا تھا۔ گھوڑوں کے سم خون آلودہ ہو گئے تھے اور بعض جگہ ایسی پھسلن ہو گئی تھی کہ گھوڑے بھی پھسلنے لگے تھے۔

یہ سب کچھ تھا لیکن لڑنے والوں کے دلوں پر ان ہولناک مناظر کا بھی اثر نہ ہو رہا تھا۔ وہ برابر جوش و خروش سے لڑ رہے تھے اور جوں جوں آفتاب مجلہ مغرب کی طرف قدم بڑھاتا جاتا تھا جنگ

کی آگ تیز سے تیز تر ہوتی جاتی تھی۔

گویا متخاصمین نے یہ تہیہ کرلیا تھا کہ آج ہی جنگ کا فیصلہ کر کے دم لیں گے۔ ابھی تک کوئی بھی یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ کون فریق فتح وظفر سے بہرہ مند ہوگا اور کون مقہور و ذلیل ہو کر بھاگ جائے گا۔

جب چار گھڑی دن باقی رہ گیا تب قلعہ کے اندر سے اسلامی جانبازوں کے رسالے، جو التونتاش اور امیر علی خویشاوند کے تھے انہوں نے اس زور سے حملے کئے کہ راجپوتوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ ایک دم پشت دے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

مسلمانوں نے ان کے بھاگتے ہی اللہ اکبر کے پر شور نعرے لگائے اور ان کے پیچھے انہیں مارتے کاٹتے دوڑنے لگے۔

راجپوتوں کا جس طرف منہ ہو گیا بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے بھی ہر طرف ان کا پیچھا کر کے انہیں قتل کرنا شروع کیا۔

یہ خونی ڈرامہ دن چھپے تک کھیلا جاتا رہا۔ آخر جب آفتاب غروب ہوا تو ساتھ ہی ہندوؤں کا ستارہ بھی چھپ گیا۔ وہ سومنات کا قلعہ جو ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا، جس کی مدد کے لئے بے شمار راجہ اور مہاراجہ بے پناہ لشکر لے کر آئے تھے آج مفتوح ہو گیا اور مسلمانوں نے اس پر قبضہ کرلیا۔

اگر یہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے نہ ہوا تو یہ اور کس نے مدد کی؟ مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ پر اعتماد تھا، اس کی اعانت ملی اور فتح یاب ہوئے۔

دن چھپنے کے بعد سلطان محمود تعاقب سے واپس لوٹے اور مسلمان گروہ در گروہ نعرے لگاتے ہوئے آئے اور ایک جگہ جمع ہونے لگے۔

باب ۳۰

جستجو

جبکہ ہنگامہ دار و گیر بلند تھا سکھد یو مہاراجہ سومنات کے ساتھ کھڑا نہایت خاموشی سے جنگ گاہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ تمام وہ راجہ اور مہاراجہ جو سومنات کی مدد کے لئے آئے تھے جنگ میں حصہ لے رہے تھے اور چونکہ جنگ نہایت خونریز ہو رہی تھی اس لئے عام سپاہیوں اور افسروں کے ساتھ یہ معاونت کو آنے والے اور لڑنے والے راجہ بھی قتل ہو رہے تھے۔

تاریخوں میں یہ تفصیل درج نہیں ہے کہ کس کس جگہ کے اور کتنے مہاراجہ مدد کے لئے آئے تھے اور ان میں سے کہاں کہاں کے اور کتنے مارے گئے۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ بہت سے راجہ اور مہاراجہ مشہور مشہور مقامات کے، بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ مدد کے لیے آئے اور ان میں سے کچھ وہیں کھپ رہے، کچھ جنگلوں میں گھس گئے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ جنگلوں سے باہر بھی نکلے یا وہیں مر کھپ گئے۔

البتہ کچھ راجہ جنگلوں کے قریب سے ہوتے ہوئے انہلواڑہ کے قریب سے متھرا وغیرہ کی طرف نکل گئے اور کچھ تو شکست کی ندامت کی وجہ سے اور کچھ شکستہ حالی کے باعث انہوں نے اپنی شخصیت کا اظہار نہیں کیا۔

خیر یہ تو بعد کی باتیں ہیں، ابھی تو ہم اسی روز کے واقعات بیان کرتے ہیں جس روز وہ یادگار زمانہ جنگ ہوئی جو آج بھی تاریخوں میں جلی حرفوں سے مرقوم ہے اور جس نے غازی سلطان محمود کو دنیا جہاں میں مشہور کر دیا۔

سلطان محمود کا یہی حملہ اور یہی وہ شاندار فتح تھی جس سے ان کی شہرت فضائے عالم میں پھیل گئی۔

جب راجپوت شکست کھا کر بھاگے مہاراجہ سومنات یہ اندوہناک نظارہ دیکھ کر سکھد یو سے

بولے:

''سکھد یو!! قسمت پلٹ گئی، قلعہ ہاتھوں سے جاتا رہا۔ راجپوت شکست کھا کر فرار ہو گئے، اب صبح کو شہر اور مندر پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ اس ہزیمت نے میرا دل توڑ دیا ہے اور میرے ماتھے پر کلنک کا وہ ٹیکہ لگا دیا ہے جس سے میں کسی طرح بھی نہیں چھوٹ سکتا۔ اب زندگی ہیچ ہے..............!''

سکھد یو نے مہاراجہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

''تو کیا حضور کا ارادہ بھی ستی (۱) ہو جانے کا ہے؟''

مہاراجہ نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا:

''میں نہیں کہہ سکتا کہ میں کیا کروں گا لیکن زندگی بے کیف ہو گئی ہے۔ میری غیرت وحمیت اور شرم یہ گوارا نہیں کرتے کہ میں نے راجپوتوں کی کثرت، ان کی شجاعت اور غیرت وحمیت پر بھروسہ کر کے صلح کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔ اگر میں چندر موہنی کو اس کے حوالے کر دیتا.............. مگر اب اس ذکر سے کیا فائدہ ہے۔ تُو اب کہاں جائیگا سکھد یو..........؟''

سکھد یو: ''حضور کو معلوم ہے کہ قلعہ میں میری بہن کامنی موجود ہے۔''

مہاراجہ: ''ہاں مجھے معلوم ہے اور میں جانتا ہوں کہ تو اسے قلعہ سے باہر لانے کی کوشش کرے گا لیکن قلعہ میں مہارانی بھی ہے، میں نہیں چاہتا کہ وہ ظالم مسلمانوں کے ہاتھوں میں جائے۔ کیا تو اقرار کرتا ہے کہ مہارانی کی بھی حفاظت کامنی ہی کی طرح کرے گا؟''

سکھد یو: ''میں اقرار کرتا ہوں لیکن حضور بھی میرے ساتھ کیوں تشریف نہیں لے چلتے؟''

مہاراجہ: ''اس لئے کہ اگر مسلمانوں نے مجھے گرفتار کر لیا تو اور بھی سبکی اور بدنامی ہو گی۔ تُو جا اور دونوں کو قلعہ سے نکال لانے کی کوشش کر اور دونوں ہی کو نہیں بلکہ جس قدر عورتیں اور لڑکیاں تجھے ملیں سب کو اپنی حکمتِ عملی سے نکال لا۔''

سکھد یو: ''میں اس کی کوشش کروں گا حضور!!''

مہاراجہ: ''اچھا جا مہادیو سومنات جی تیری مدد کریں۔''

یہ کہتے ہی مہاراجہ نے اپنا گھوڑا واپس لوٹایا اور شہر کی طرف کچھ دور چل کر جنگل کی جانب گھوم گئے۔ سکھد یو کچھ دیر تو کھڑا دیکھتا رہا، جب وہ دور نکل گئے تو آہستہ سے بولا:

ا۔ جس زمانے کا حال ہم بتا رہے ہیں اس زمانہ میں ہندو راجاؤں کا یہ قاعدہ تھا کہ جب انہیں شکست ہو جاتی تو وہ آگ میں زندہ جل جایا کرتے تھے۔ اس رسم کو ''ستی'' کہتے ہیں۔

''سومنات کا بدقسمت مہاراجہ بنوں میں پناہ لینے کے لئے جا رہا ہے۔ کس قدر عبرت ناک بات ہے؟ جس کی عظمت کے سامنے سب سر جھکاتے تھے، جو زبردست فرمانروا مانا جاتا تھا آج وہ بے کس و بے بس ہو کر یکہ و تنہا جنگلوں میں پناہ لینے جا رہا ہے............لیکن، میں افسوس کیوں کروں؟

''مجھے اپنا کام کرنا چاہیے۔ ابھی موقع ہے مسلمان راجپوتوں کے تعاقب میں دوڑ رہے ہیں قلعہ پر ابھی ان کا اچھی طرح تسلط نہیں ہوا ہے شاید میں کامنی اور دوسری عورتوں اور لڑکیوں کو قلعہ سے نکال لانے میں کامیاب ہو جاؤں۔

''ممکن ہے چندر موہنی بھی مل جائے............اور اگر وہ مل گئی تو قسمت ہی کھل جائے گی!''

یہ کہتے ہی وہ قلعہ کی طرف چلا۔ دن چھپ رہا تھا اور ابھی تک مسلمان راجپوتوں کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ وہ آسانی سے بغیر مسلمانوں کے سامنے ہوئے قلعہ میں داخل ہو گیا۔ اس نے دیکھا وہی قلعہ جس میں ایک روز پہلے خوب چہل پہل تھی جس کے چپہ چپہ پر راجپوت چلتے پھرتے نظر آتے تھے جس میں جگہ جگہ راجپوتوں کے گروہ باتوں میں مصروف رہتے تھے آج بے رونق اور سنسان پڑا تھا۔ نہ روشنی تھی نہ راجپوت تھے! اس کے دل پر اس کا گہرا اثر ہوا۔

اور جب وہ قصر شاہی میں پہنچا تو وہ بھی اجڑا ہوا محل معلوم ہو رہا تھا۔ جہاں ہر وقت حسینوں کے سریلے قہقہے ترنم ریزی کرتے رہتے تھے اس وقت شہر خموشاں بنا ہوا تھا۔

چونکہ اب رات ہو گئی تھی، اس کا اندھیرا پھیل گیا تھا، وہ اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا اپنے جائے قیام پر پہنچا۔ وہاں کوئی بھی نہ تھا، الو بول رہے تھے۔ اس نے بڑی کوشش سے ایک مشعل تلاش کر کے روشن کی اور کمروں اور غلام گردشوں میں گھومنے لگا۔

تمام کمرے خالی پڑے تھے اور ان میں عجیب حسرت اور اداسی برس رہی تھی۔ وہ ان کا جائزہ لے رہا تھا کہ دفعتاً ہلکے قدموں کی چاپ ہوئی۔ اس نے پلٹ کر نگاہ کی تو شوبھا دیو جوگن کھڑی نظر آئی۔ سکھدیو نے جلدی سے اسے سلام کرتے ہوئے کہا:

''اوہ ماتا جی تم ہو!''

شوبھا دیوی نے کہا:

''ہاں میں ہوں سکھدیو!! چندر موہنی کہاں ہے؟''

سکھدیو: ''مجھے علم نہیں۔''

شوبھا دیوی: ''لیکن اسے تم نے ہی تو اٹھوا کر چھپایا تھا۔''

سکھدیو: ''چونکہ میں اس بات کا معترف ہوں کہ آپ کو سب باتیں معلوم ہو جاتی ہیں اس لئے آپ کے سامنے جھوٹ بولنا فضول ہے۔ یہ سچ ہے کہ میں نے اسے اٹھوا کر تہ خانہ میں پہنچا دیا تھا لیکن وہ وہاں سے بھی غائب ہو گئی۔ کیا آپ کو اس کا علم نہیں ہوا؟''

شوبھا دیوی: ''یہ بات مجھے معلوم ہے اور یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ ابھی تہ خانہ کے اندر ہی ہے!''

سکھدیو: ''تب آیئے چل کر اسے تلاش کریں۔''

شوبھا دیوی: ''لیکن ابھی کچھ اور بھی ہستیاں ہیں جنہیں تلاش کرنا ہے۔''

سکھدیو: ''شاید آپ مہارانی اور کامنی وغیرہ کا ذکر کر رہی ہیں۔''

شوبھا دیوی: ''ہاں، کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ کہاں ہیں؟''

سکھدیو: ''نہیں؟''

شوبھا دیوی: ''تب آؤ میں بتاؤں۔''

شوبھا دیوی چلی، سکھدیو اس کے پیچھے چلا۔ دونوں کئی خاموش کمروں میں سے گزر کر ایک تنگ کمرہ میں پہنچے، یہاں کامنی چھپی ہوئی تھی۔ وہ اس وقت سخت خوفزدہ تھی۔ اس کے چہرہ کی سرخی اڑی ہوئی تھی، آنکھوں سے غم کی جھلک اور خوف و ہراس کا عالم ظاہر تھا۔

اس نے سکھدیو کو دیکھتے ہی کہا:

''اچھا ہوا بھیا تم آ گئے۔ میں نے ابھی موہن کو دیکھا ہے وہ بھی مشعل لئے کسی کو تلاش کرتا پھر رہا ہے۔ مجھے ماتا جی یہاں چھپا گئی تھیں۔ میں اسے دیکھ کر سہم گئی تھی۔''

سکھدیو: ''وہ یقیناً تجھے ہی ڈھونڈ رہا ہے لیکن اب چنتا نہ کر۔ میری موجودگی میں وہ تجھے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیا تُو نے مہارانی کو نہیں دیکھا کامنی؟''

کامنی: ''نہیں میں نے انہیں دیکھا نہ کوئی داسیوں اور راجکماری کی سہیلیوں میں سے نظر آئی۔ شاید وہ سب قلعہ سے نکل کر بھاگ گئی ہیں۔''

شوبھا دیوی: ''نہیں، ان میں سے کوئی بھی نہیں بھاگی سب قلعہ ہی میں اسی محل کے اندر چھپی ہوئی ہیں۔ چلو انہیں تلاش کریں۔''

سکھدیو: ''چلئے لیکن اگر مسلمان قلعہ میں واپس آ گئے تب کیا ہوگا؟''

شوبھا دیوی: ''مسلمان عورتوں کو کچھ نہ کہیں گے۔ میں خوب جانتی ہوں کہ وہ صنفِ نازک کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ رہے تم ...... مگر ابھی یہ ذکر ہی نہ کرو، ممکن ہے ہم مسلمانوں کے قلعہ میں آنے

سے پہلے ہی سب کو تلاش کر کے نکل سکیں۔''

سکھد یو: ''تب چلئے اور جلدی کیجئے۔''

اب یہ تینوں چلے اور ایک ایک کمرہ کو اچھی طرح دیکھتے بھالتے ایک سرے سے دوسرے سرے تک نکل گئے لیکن کسی کمرہ میں بھی انہیں کوئی عورت نہ ملی۔

جب وہ تمام کمرے دیکھ چکے تب سکھد یو نے کہا:

''اب کہاں تلاش کرنا چاہیے؟''

شوبھا دیوی نے کہا:

''چلو باغیچہ میں چل کر دیکھیں۔''

کامنی نے اس انداز ے سے جیسے اسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آ گئی ہو کہا:

''اوہ اب مجھے یاد آیا مہارانی باغیچہ ہی کی طرف بھا گی تھیں!!''

اب یہ سب بڑھ کر باغیچہ میں پہنچے۔ وہی باغیچہ جو کبھی گل رخوں کے جم گھٹ کی وجہ سے جنت نظیر بنا رہتا تھا اس وقت خاموش جنگل بنا ہوا تھا۔ وہ ادھر ادھر تمام روشوں پر دیکھتے بھالتے اسی لوہے کے پھاٹک پر جا نکلے جس پر سکھد یو موہن سنگھ کو لے کر پہنچا تھا اور جہاں سے اس نے موہن سنگھ کو سمندر میں دھکا دے دیا تھا۔ یہاں انہیں ایک داسی ملی جو فرطِ خوف سے کانپ رہی تھی اور جس کا چہرہ زرد پڑا ہوا تھا۔

شوبھا دیوی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا:

''مت گھبراؤ، اس وقت تم دوستوں کے درمیان ہو۔ کیا تمہیں مہارانی کا کچھ علم ہے کہ وہ کہاں ہیں؟''

داسی: ''وہ شام کے وقت جہاز میں سوار ہو کر چلی گئیں تھیں۔ ان کے ساتھ بہت سی عورتیں گئی ہیں۔''

شوبھا دیوی: ''تم کیوں ان کے ساتھ نہیں چلی گئیں؟''

داسی: ''میں ڈر کی وجہ سے چھپی رہی اور جب یہاں آئی تو وہ سب جہاز میں سوار ہو چکی تھیں اور جہاز چل پڑا تھا۔ میں نے انہیں آوازیں دیں لیکن فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ سن نہ سکیں۔ اس وقت سے میں یہیں چھپی رہ گئی۔''

شوبھا دیوی: ''کاش مہارانی نہ جاتیں۔ میں ان کے لئے سب کچھ کر لیتی! نہ معلوم مہاراجہ کہاں گئے؟''

سکھد یو: ''وہ جنگلوں میں نکل گئے!''

شوبھا دیوی نے افسوس کرتے ہوئے کہا:

"یہ بہت ہی برا ہوا۔ مہاراجہ اور مہارانی دونوں سلطان محمود سے ڈر کر بھاگ گئے۔ انہوں نے سلطان محمود کو پہنچانا نہیں.............. لیکن خیر جو ہونا تھا ہو گیا اور جو ہونا ابھی باقی ہے ہو کر رہے گا، چلو اب راجکماری کو تلاش کریں۔"

اب یہ چار آدمی ہو گئے تھے، چاروں باغیچہ سے لوٹ کر پھر محلات کے کمروں میں داخل ہوئے اور پھر انہوں نے جستجو شروع کی۔

وہ چند کمرے دیکھ کر جب ایک بڑے کمرہ میں آئے تو شوبھا دیوی نے اس کے ملحقہ کمرہ میں روشنی دیکھی۔ اس نے سب کو روشنی کی طرف اشارہ کر کے خاموش رہنے کے لئے کہا اور سکھدیو کو ساتھ لے کر اس طرف بڑھی۔

جب وہ اس برابر والے کمرہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے موہن سنگھ کو دیکھا۔

سکھدیو نے نہایت ہی پست لہجہ میں کہا:

"موہن سنگھ..............؟"

شوبھا دیوی نے آہستہ سے کہا:

"ہاں، وہ بھی کسی کو تلاش کرتا پھرتا ہے۔"

سکھدیو: "کامنی کی تلاش میں ہے وہ۔"

شوبھا دیوی: "آؤ اس کا تعاقب کریں۔"

سکھدیو: "لیکن کامنی تنہا ہے.........."

شوبھا دیوی: "فکر نہ کرو ایشور اس کی حفاظت کرے گا۔ مجھے شبہ ہے کہ موہن سنگھ کو چندر موہنی کا پتہ ہے۔"

سکھدیو: "آؤ، تب تو ضرور اس کا تعاب کریں۔"

موہن سنگھ نہایت آہستگی سے اس کمرہ کو طے کر کے دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہ دونوں بھی دبے قدموں بڑھ گئے اور انہوں نے دیکھا کہ موہن سنگھ نے دیوار کے پاس جا کر کسی چیز کو دبایا۔ ایک چھوٹا سا خفیہ دروازہ نمودار ہوا اور وہ اس میں گھس گیا۔

اس کے گھستے ہی دروازہ پھر بند ہو گیا۔ یہ دونوں لپک کر اس دیوار کے پاس پہنچے اور سکھدیو نے ٹٹول کر دیکھا تو ایک ہک پر اس کا ہاتھ پڑا۔ جب اس نے اسے دبایا تو دروازہ کھل گیا۔ یہ دونوں بھی دروازہ میں داخل ہو کر غائب ہو گئے۔

شب باشی:

شوبھا دیوی اور سکھدیو دونوں نے خفیہ دروازہ سے گزرتے ہی تہ خانہ کا زینہ دیکھا۔ وہ سمجھ گئے کہ موہن سنگھ تہ خانہ میں ہی گیا ہے۔ انہوں نے بھی سیڑھیاں طے کیں اور نیچے ایک کمرہ میں جا کر کھڑے ہوئے۔

لیکن یہ کمرہ بھی چاروں طرف سے بند تھا۔ شوبھا دیوی نے کہا:

''تعجب ہے، وہ کہاں گیا؟ یہ کمرہ تو بند ہے۔ اس میں سوائے اس زینہ کے اور کوئی دروازہ نہیں ہے۔''

سکھدیو: ''آپ نے شاید یہ تہ خانہ پہلے کبھی نہیں دیکھا ہے۔''

شوبھا دیوی: ''نہیں، میں کبھی یہاں نہیں آئی۔''

سکھدیو: ''میں اکثر یہاں آتا ہوں، یہ تہ خانہ ایک بھول بھلیاں واقع ہوا ہے۔ اس سے ادھر متعدد کمروں میں زینے آتے ہیں اور مختلف کمروں میں اترتے ہیں۔ تمام کمرے ایسے ہی ہیں جیسا یہ کمرہ آپ دیکھ رہی ہیں۔ ہر کمرہ میں خفیہ دروازے اسی طرح کے ہیں جیسے دروازوں میں سے میں اور آپ گزر کر آئے ہیں۔ میں خفیہ دروازہ تلاش کرتا ہوں۔''

اس نے بائیں ہاتھ میں مشعل پکڑی اور داہنے ہاتھ سے ٹٹولنا شروع کیا۔ شوبھا دیوی ایک طرف کھڑی حیرت بھری نظروں سے دیکھتی رہی۔

تھوڑی ہی دیر میں اس نے کسی چیز کو دبایا اور دروازہ کھل گیا۔ شوبھا دیوی نے کہا:

''بڑی صنعت سے دروازے قائم کئے گئے ہیں!''

سکھدیو: ''جی ہاں!! اس کے بانیوں نے اس میں یہ حکمت رکھی تھی کہ جب ان پر کوئی غنیم چڑھ آئے تو وہ قلعہ کو چھوڑ کر تہ خانہ میں چھپ جائیں لیکن.......... (ٹھنڈا سانس لے کر) جب ان کی اولاد کو شکست ہوئی یعنی موجودہ مہاراجہ سومنات کو، تہ خانہ ان کے کام نہ آ سکا۔''

شوبھا دیوی: ''انسان تو اپنے لئے سب ہی انتظامات کرتا ہے لیکن جب ایشور کو ان سے فائدہ پہنچانا منظور نہیں ہوتا تو ایسے اسباب ہو جاتے ہیں کہ تمام چیزیں رکھی رہ جاتی ہیں۔''

سکھدیو: ''یہی بات ہے۔ چلئے اسے تلاش کریں، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اسے کسی کا خوف ہے، کسی کے تعاقب کرنے کا! اسی لئے وہ دروازے بند کرتا چلا جاتا ہے۔''

شوبھا دیوی: ''میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ اگر ہم نے اسے ڈھونڈ نکالا تو چندر موہنی کو پالیں گے۔''

سکھدیو: ''میں اسے کافی تلاش کر چکا ہوں لیکن وہ نہیں مل سکا۔ اس وقت اتفاقیہ نظر آ گیا ہے، کہیں پھر گم نہ ہو جائے۔''

شوبھادیوی: ''سچ کہتے ہو، جلدی چلو۔''

دونوں خفیہ دروازہ میں داخل ہو کر ایک اور کمرہ میں پہنچے۔ اسے بھی سکھدیو نے کھولا لیکن جس کمرہ میں بھی وہ گئے اسی کو خالی پایا، موہن سنگھ کہیں نہ ملا۔

سکھدیو پر گویا جنون سوار ہو گیا تھا۔ جوں جوں اسے ناکامی ہوتی تھی اس کا غصہ بڑھتا جاتا تھا۔ جب وہ کمرہ میں پہنچ کر اسے خالی دیکھتا بے ساختہ اس کے منہ سے گالی نکل جاتی۔ وہ اس بات کا بھی خیال کر رہا تھا کہ اس کے ساتھ ایک قابلِ احترام ہستی ہے جو صنفِ نازک سے تعلق رکھتی ہے اور اسے اس کا لحاظ کرنا چاہیے اور اس کے سامنے گالیاں نہیں دینی چاہئیں۔

دونوں نے متعدد کمرے دیکھ ڈالے لیکن موہن سنگھ کہیں نظر نہ آیا۔ جب انہیں تہ خانہ میں ڈھونڈتے دیر ہو گئی تو شوبھادیوی نے کہا:

''سکھدیو!! ہم کامنی کو اوپر بغیر پناہ کے چھوڑ آئے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ اس پر کوئی افتاد پڑ جائے۔''

سکھدیو بھی تلاش کرتے کرتے زچ ہو گیا تھا۔ اس نے کہا:

''بیشک آپ نے صحیح فرمایا، ہم نے بڑی غلطی کی، ہمیں کامنی اور داسی کو اپنے ساتھ لے آنا چاہیے تھا۔''

شوبھادیوی: ''اب جو ہو چکا اس پر پچھتانا فضول ہے، جلدی واپس چلو۔''

سکھدیو: ''کتنی بھی جلدی کریں واپس لوٹنے میں کافی دیر لگے گی۔''

شوبھادیوی: ''میرا دل کچھ پریشان ہونے لگا ہے۔ پرماتما کامنی کی حفاظت کرے! باتوں میں وقت ضائع نہ کرو۔ اول تو خیال ہے کہ مسلمان قلعہ میں سے واپس آ گئے ہوں گے، دوسرے اندیشہ ہے کہیں موہن سنگھ کسی دوسرے دروازہ سے پھر اوپر نہ پہنچ گیا ہو۔''

سکھدیو: ''آپ کی اس گفتگو سے میرے دل میں بھی اضطراب پیدا ہو گیا ہے۔ چلیں جلدی اوپر چلیں.......... افسوس میں کتنا احمق ہوں، میں نے کامنی کو ساتھ نہ لانے میں کتنی زبردست غلطی کی ہے۔''

یہ کہتے ہی وہ پھرتی سے لوٹا اور اندھا دھند کمروں پر کمرے کھول کھول کر انہیں طے کرنے لگا۔ جلدی میں دروازے بند کرنا بھی بھول گیا۔

شو بھا دیوی اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ دونوں بڑی تیزی سے چل رہے تھے۔ آخرانہیں زینہ مل گیا۔ بغیر یہ خیال کئے ہوئے کہ یہ زینہ کہاں جاتا ہے دونوں چڑھ کر دیوار کے پاس پہنچے اور سکھد یو نے خفیہ دروازہ کھولا تو ایک عالیشان کمرہ نظر آیا۔

شو بھا دیوی نے مشعل کی دھندلی روشنی میں کمرہ پر نظریں ڈال کر کہا:

''اوہ، یہ تو مہارانی کا توشہ خانہ ہے۔''

شو بھا دیوی: ''مہارانی کی تمام چیزیں اسی کمرہ میں مقفل رہتی ہیں۔''

سکھد یو: ''مضبوط اور بڑے بڑے صندوقوں میں بھاری بھاری قفل پڑے ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ نہ تو مہارانی اس سے کوئی چیز نکال کر لے گئی ہیں اور نہ ہی کسی نے ابھی انہیں ہاتھ لگایا ہے۔''

شو بھا دیوی: ''تمہارا خیال درست ہے مگر ہمیں تو پہلے کامنی کو تلاش کرنا ہے۔''

سکھد یو: ''بے شک، ہم جس کمرہ سے تہ خانہ میں داخل ہوئے تھے اس سے بہت فاصلہ پر باہر نکلے ہیں۔ اسی لئے تہ خانہ کو بھول بھلیاں کہا جاتا ہے کچھ ایسے پیچ در پیچ کمرے اور کمروں میں سے زینے نکالے گئے ہیں کہ آدمی کہیں کا کہیں جا نکلتا ہے۔ ناممکن ہے کہ جس زینہ سے نیچے اترے اسی سے اوپر چلا آئے۔''

دونوں اس کمرے سے نکلے۔ انہوں نے احتیاطاً کمرے کے دروازے بند کر دیئے اور تیزی سے چل کر اس کمرہ میں آئے جس میں کامنی اور داسی کو چھوڑ کر گئے تھے۔

وہ دونوں وہاں موجود تھیں لیکن حد درجہ خوفزدہ تھیں۔ بے چاریاں اندھیرے میں کھڑی ڈر ڈر کر کانپ رہی تھیں۔

جوں ہی انہوں نے شو بھا دیوی اور سکھد یو کو دیکھا ان کے چہروں پر رونق آ گئی۔ کامنی نے کہا:

''بڑی دیر کر دی بھیا!! ہم دونوں ڈر رہی تھیں۔''

سکھد یو: ''ہاں دیر ہو گئی، ہم نے غلطی کی کہ دونوں کو ساتھ نہ لے لیا۔ تمہاری وجہ سے ہم واپس آ گئے، وہ شیطان اب بھی نہ ملا۔''

کامنی: ''اور اسی شیطان کا خوف ہم دونوں کو لاحق رہا۔''

اس وقت اللہ اکبر کے پر شور نعرہ کی آواز آئی۔ یہ سب چونک کر خوفزدہ ہو گئے۔ سکھد یو نے کہا:

''ان کم بختوں نے نہ معلوم یہ نعرہ کیسا لگایا ہے۔''

شو بھا دیوی: ''میرے خیال میں وہ لوگ میدانِ جنگ سے واپس آئے ہیں۔''

شو بھا دیوی نے سچ کہا تھا۔ مسلمانوں نے مغرب کی نماز میدان ہی میں پڑھی تھی اور سب وہاں جمع ہو کر اس وقت قلعہ کے اندر آئے تھے۔

سکھد یو نے کہا:

''اب قلعہ سے باہر نکلنا تو مشکل معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے ہمیں ابھی موہن اور چندر موہنی کو تلاش کرنا ہے لیکن یہاں ٹھہرنا بھی خطرہ سے خالی نہیں، ممکن ہے مسلمان رات ہی کو قلعہ کی دیکھ بھال اور کمروں کا جائزہ لینا شروع کر دیں۔''

شو بھا دیوی: ''میرے خیال میں ہمیں قلعہ ہی میں رات گزارنی چاہیے۔''

سکھد یو: ''بالکل درست کہا آپ نے لیکن کھانا..................''

کامنی: ''بھوک ہے کسے بھیا!!''

سکھد یو: ''پھر بھی کچھ نہ کچھ تو چاہیے۔''

شو بھا دیوی: ''اس کی فکر نہ کرو۔ ذرا ٹھہرو، کھانا میں لاتی ہوں۔''

یہ کہتے ہی وہ چلی گئی اور تقریباً ایک گھنٹے میں کچھ کھانا لے کر آ گئی۔ چونکہ انہیں خوف تھا کہ کہیں مسلمان نہ آ جائیں اس لئے یہ سب بھرتہ خانہ میں داخل ہوئے اور ایک محفوظ کمرہ میں پہنچ کر سب نے کھانا کھایا اور آرام کرنے کی تیاری کرنے لگے۔

چونکہ ہر کمرہ میں معقول فرش تھا اس لئے یہ سب فرش پر لیٹ گئے اور غفلت کی نیند سو گئے۔ جب آنکھ کھلی تو اندھیرا ہونے کی وجہ سے یہ تو معلوم نہ ہو سکا کہ کیا وقت ہے، سورج نکلا ہے یا نہیں لیکن...... چونکہ نیند بھر چکی تھی اس لئے یہ اٹھے۔ ابھی اٹھ کر بیٹھے ہی تھے کہ کچھ کھٹکا ہوا۔ یہ سب دم بخود ہو کر بیٹھے رہ گئے۔

باب ۳۱

دُرِ مقصود

کھٹکا کچھ اس قسم کا تھا جیسے کوئی خفیہ دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا ہو۔ سکھدیو نے ایسے پست لہجہ میں کہ جس سے کمرہ میں آواز نہ گونجے کہا:

''معلوم ہوتا ہے موہن سنگھ ہی آرہا ہے۔ تم سب یہیں بیٹھی رہنا، میں اس کا تعاقب کروں گا۔''

سب چپ چاپ بیٹھے رہے۔ چند ہی ثانیہ میں خفیہ دروازہ نمودار اور کسی کے قدموں کی بھاری چاپ ہوئی۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ تہ خانہ کے کمروں میں اندھیرا چھایا رہتا تھا اور اندھیرا بھی ایسا کہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے پر بھی کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اس کمرہ میں موجود رہنے والوں نے بڑے غور سے دیکھا لیکن کوئی بھی نظر نہ آیا۔ البتہ دروازہ بند ہونے کی آواز آئی جس سے انہوں نے سمجھ لیا کہ آنے والے نے خفیہ دروازہ بند کر دیا ہے۔

جس کمرہ میں یہ سب بیٹھے ہوئے تھے اس کا وہ دروازہ کھلا ہوا تھا جس سے یہ اس کمرہ میں آئے تھے۔ انہوں نے قدموں کی چاپ سے یہ سمجھ لیا کہ کوئی دبے قدموں دروازہ کی طرف چلا جا رہا ہے۔

دفعتاً انہوں نے آواز۔ سنی کوئی حیرت بھرے لہجہ میں کہہ رہا تھا:

''تعجب ہے یہ دروازہ بھی کھلا ہوا ہے، کون ہے جو دروازے کھولتا پھرتا ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اس دروازہ کو کھول کر واپس لوٹ رہا ہے۔ ہو نہ ہو سکھدیو ہو گا لیکن اگر وہ خفیہ دروازے کھولنے جانتا ہے تو پھر اس کمرہ کا دروازہ بھی کیوں نہ کھول لیا۔ اگر وہ اس دروازہ کو بھی کھول لیتا، تو دُرِ مقصود پالیتا۔''

سکھدیو نے اس کی آواز سے اسے پہچان لیا، وہ موہن سنگھ ہی تھا۔ اس کے دل میں مسرت کی لہر اٹھی وہ سمجھ گیا کہ چندر موہنی موہن سنگھ کے قبضہ میں ہے۔ اس نے اپنے دل میں کہا:

''اگر میں رات کو ایک دروازہ اور کھول لیتا تو یقیناً دُرِ مقصود ہاتھ آ جاتا۔ کیسی حیرت اور کس قدر مسرت کی بات ہے کہ میرے اور اس کے درمیان جس کی تلاش میں مَیں سرگرداں ہوں صرف ایک دیوار حائل ہے۔ اس پاجی کو نکل جانے دو۔ اس کے جاتے ہی میں اسے اپنے قابو میں کرلوں اور پھر .... وہ اسی طرح حیران و پریشان رہ جائے گا جس طرح میں رہ گیا تھا۔''

شوبھا دیوی نے سکھدیو کی ران میں چٹکی لے کر کچھ اشارہ کیا۔

سکھدیو نے سرگوشی کے لہجہ میں کہا:

''مجھے معلوم ہوگیا، ذرا خاموش رہیں، اسے نکل جانے دیں.................''

انہوں نے پھر سنا، موہن سنگھ کہہ رہا تھا:

''کامنی نہیں ملی۔ معلوم نہیں، وہ سکھدیو کے ساتھ ہے یا مسلمانوں کے ہاتھ لگ گئی ہے؟ اگر مسلمانوں نے اسے گرفتار کر لیا تو بڑی مشکل پیش آ جائے گی لیکن مسلمان تہ خانہ کے راز کو نہیں جانتے، میں بھوت بن کر..................''

وہ دوسرے کمرہ میں داخل ہو چکا تھا اور چونکہ نہایت آہستہ آہستہ باتیں کر رہا تھا اس لئے بعض فقرے سنائی دیتے تھے بعض نہیں۔

اب سکھدیو اٹھا اور اس نے بڑھ کر آہستہ سے اس کمرہ کا وہ خفیہ دروازہ بند کر دیا جس سے موہن سنگھ گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ موہن دوسرے کمرہ سے بھی تیسرے میں جا پہنچا ہے۔

اب سکھدیو نے کہا:

''تم سب یہیں رہو میں اس برابر والے کمرہ میں جاتا ہوں۔''

''کامنی نے کہا: مجھے بھی ساتھ لے چلو بھیا!!''

سکھدیو: ''تُو ڈر رہی ہے؟ شاید اس وجہ سے کہ موہن سنگھ تیری تلاش میں ہے کہیں واپس آ کر تجھے نہ دیکھ لے!''

کامنی: ''ہاں!! مجھے اس کی صورت سے خوف معلوم ہونے لگا ہے۔''

سکھدیو: ''پگلی تو راجپوتنی ہو کر ڈرتی ہے۔''

کامنی: ''ایک راجپوت سے ہی تو ڈر معلوم ہوتا ہے۔''

شوبھا دیوی: ''اور مسلمانوں سے..........؟''

کامنی: ''وہ راجپوتوں سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔''

شوبھادیوی: ''نہیں مسلمانوں سے عورتوں اور بچوں کو کوئی اندیشہ نہیں۔''

کامنی: ''بھیا میں تمہارے ساتھ ضرور چلوں گی۔''

سکھدیو: ''تیرے ساتھ ماتاجی جو ہیں، خوف نہ کر میں ابھی واپس آجاؤں گا۔''

یہ کہتے ہی سکھدیو نے ٹٹول کر دروازہ کھولا اور دوسرے کمرہ میں داخل ہوا۔ یہاں بھی اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ وہ خاموش کھڑا رہ کر ٹوہ لینے لگا لیکن کوئی آواز کسی قسم کی بھی نہ آئی حتیٰ کہ سانس لینے تک کی آواز نہ تھی۔

اب وہ بڑھا اور اس نے آہستہ سے پکارا:

''راجکماری............!!''

خود اس کی آواز کمرہ میں گونج اٹھی لیکن کسی نے اسے جواب نہیں دیا۔ اس نے کمرہ میں ٹٹولنا شروع کیا۔ اسے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ کمرہ خالی ہے۔

اسے خیال ہوا کہ کہیں چندر موہنی دوسرے کمرہ میں نہ ہو، اس خیال کے آتے ہی اس نے ٹٹول کر دوسرا دروازہ کھولا۔ جونہی دروازہ کھلا روشنی کی جھلک اس کمرہ میں آئی۔

خوشی سے اس کا دل باغ باغ ہو گیا۔ وہ بڑھ کر اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ چندر موہنی نے بھی اسے دیکھ لیا تھا اور وہ حسین نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

سکھدیو کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے حسن کی تجلی سے وہ کمرہ بھرا ہوا ہو، مشعل کی روشنی پر چندر موہنی کے عارض کی روشنی غالب تھی۔ اس کے چہرہ سے حسن کی شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی تھیں گویا آفتاب حسن کی مینہ باری کر رہا تھا۔

سکھدیو نے التجائی لہجہ میں کہا:

''چندر موہنی!! میرا قصور معاف کر دو۔ میری وجہ سے تمہیں بڑی تکلیف ہوئی۔''

چندر موہنی نے نحیف آواز اور افسوسناک لہجہ میں کہا:

''تمہارا کیا قصور میری قسمت میں جو کچھ لکھا ہے پیش آرہا ہے۔''

سکھدیو: ''افسوس یہ ہے کہ میرے آدمیوں نے مجھ سے دغا کیا۔''

چندر موہنی: ''تم بھی اپنے کرموں کا پھل بھوگ رہے ہو اور بھوگو گے۔''

سکھدیو: ''موہن سنگھ نے تمہیں تکلیف تو نہیں پہنچائی؟''

چندر موہنی: ''اگر تاریک تہ خانہ میں مقید رکھنے کو تکلیف نہیں کہہ سکتے تو اس نے کوئی تکلیف

نہیں پہنچائی۔"

سکھدیو: "اس پاپی کے ہاتھ تم کیسے آ گئیں؟"

چندر موہنی: "جس طرح تم مجھے میری خواب گاہ سے اٹھوا لائے تھے۔"

سکھدیو نے دانت پیستے ہوئے کہا:

"کمبخت کو اب مل جانے دو۔ اس کا سر نہ توڑ دوں تو سکھدیو نام نہیں۔"

چندر موہنی: "کیا تم پھر مجھے اس تہ خانہ میں قید رکھو گے؟"

سکھدیو: "اگرچہ اس کی ضرورت تو نہیں رہی لیکن مجبوری ہے۔"

چندر موہنی: "کیا مجبوری ہے؟"

سکھدیو: "تمہیں معلوم نہیں کہ قلعہ کے اندر کیا واقعات پیش آ گئے!"

چندر موہنی: "میں دنیا سے الگ یہاں پڑی ہوئی ہوں مجھے باہر کے واقعات کا کیا علم؟"

سکھدیو: "مجھ سے سنو۔ ظالم مسلمانوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا ہے۔"

چندر موہنی کو افسوس ہوا۔ اس نے کہا:

"اور مہاراجہ کیا ہوئے؟"

سکھدیو: "وہ جنگل کی طرف نکل گئے۔"

چندر موہنی کے دل پر چوٹ لگی۔ اس نے غمناک ہو کر کہا:

"اور ماتا جی............؟"

سکھدیو: "وہ سراندیپ چلی گئیں۔"

چندر موہنی کو حد درجہ رنج ہوا۔ اس کی حسین آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے کہا:

"افسوس، گھر ہی برباد ہو گیا۔"

سکھدیو نے تسلی دہ لہجہ میں کہا:

"غم نہ کرو راجکماری!! جو ہو گیا اس پر پچھتانا فضول ہے۔ اگر کسی کے بس میں ہوتا تو ایسا نہ ہونے پاتا لیکن ایشور ہی کو یہ سب منظور تھا۔"

چندر موہنی: "ٹھیک ہے لیکن میرا کیا حشر ہو گا؟"

سکھدیو: "تمہارے ہمدرد جب تک تمہارے ساتھ موجود ہیں اس وقت تک تمہیں کسی بات کا اندیشہ نہ کرنا چاہیے۔ میں ہوں، تمہاری سہیلی کامنی ہے اور ماتا جی شوبھا دیوی ہیں۔"

شوبھا دیوی کا سنکر چندر موہنی کو قدرے تسکین ہوئی، اس نے جلدی سے پوچھا:

''کہاں ہیں ماتا جی؟''

سکھدیو: ''قریب ہی دوسرے کمرہ میں ہیں۔''

چندر موہنی: ''انہیں بلا لاؤ۔ وہی مجھے اندوہناک وقت میں کچھ تسلی دے سکیں گی۔''

سکھدیو: ''میں انہیں بلائے لاتا ہوں لیکن میرے دل کی تسکین کے لئے صرف اتنا کہہ دو کہ تم میری ہو جاؤ گی...... پھر میں مسلمانوں سے بھی نمٹ لوں گا اور موہن سنگھ سے بھی۔''

چندر موہنی: ''کیا یہ وقت ان باتوں کے طے کرنے کا ہے؟''

سکھدیو: ''جانتا ہوں کہ تمہارے نازک دل کو اس وقت صدمہ پہنچا ہوا ہے لیکن میں بھی تو حد درجہ غمناک ہوں۔ تمہاری زبان سے نکلا ہوا تسلی کا ایک لفظ........''

چندر موہنی: ''اس بات کو ماتا جی پر چھوڑ دو۔ مجھے ان سے عقیدت ہے اور تمہیں بھی ہو گی۔ جو وہ کہیں گی ہم دونوں اسی پر عمل کریں گے۔''

سکھدیو کو پوری امید تھی کہ شوبھا دیوی وہی کرے گی جو وہ اس سے کہے گا۔ اس لئے وہ خوش ہو گیا۔ اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا:

''بس ٹھیک ہے، ہم دونوں کو انہیں کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے۔ میں انہیں بلائے لاتا ہوں۔''

وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں سکھدیو شوبھا دیوی، کامنی اور داسی کو لے کر آ گیا۔ چندر موہنی نے جھک کر جوگن کے پیر چھوئے۔ اگرچہ اس نے ضبط کرنا چاہا لیکن پھر بھی آنسو نکل ہی آئے۔

اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: ''ماتا جی!! یہ کیا ہو گیا؟''

شوبھا دیوی نے اس کا نازک سر اپنی چھاتی سے لگا کر کہا:

''بیٹی!! رنج و افسوس نہ کر۔ ایشور جو کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے۔ تیرا رنج عنقریب خوشی سے بدلنے والا ہے۔ تجھے وہ مسرت حاصل ہو گی جو شاید آج تک نصیب نہ ہوئی ہو۔ اپنے دل کو تسلی دے۔''

چندر موہنی کو شوبھا دیوی کی گفتگو میں کچھ ایسے اشارے معلوم ہوئے جو اس کی سمجھ سے بالاتر تھے۔ اس نے کہا:

''کیا میرا غم دور ہو جائے گا؟''

شوبھا دیوی: ''خدا کی ذات سے یہی امید ہے۔''

چندر موہنی نے حیرت سے جوگن کی طرف دیکھ کر کہا: ''خدا کی ذات سے؟''

شوبھادیوی: ''خدا کا نام سن کر تو چونکی کیوں؟ ایشور، پرماتما، پربھو، خدا سب ایک ہی ہستی کے نام ہیں۔''
سکھدیو: ''اب یہاں زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہیں ہے ممکن ہے موہن سنگھ آجائے۔ اگر وہ آگیا تو خون خرابہ ہوگا کیونکہ وہ دھمکی دے چکا ہے کہ آئندہ جب ہم دونوں ملیں گے تو وہ دن ہم دونوں کی زندگی میں سے کسی ایک کی زندگی کا آخری دن ہوگا۔''
شوبھادیوی: ''تب چلو۔''
کامنی: ''لیکن چلیں کہاں؟''
سکھدیو: ''میرے ساتھ آؤ میں دوسری طرف سے لے چلوں گا۔''
شوبھادیوی: ''چلو۔''

سکھدیو بڑھا۔ اس نے خفیہ دروازہ کھولا اور سب اس کے پیچھے چلے۔ اس نے یکے بعد دیگرے کئی دروازے کھولے اور کئی کمروں سے گزرا۔ جس کمرہ میں سے نکل کر دوسرے میں جاتا تھا، احتیاط کے خیال سے پہلا کمرہ بند کر دیتا تھا۔

اسی طرح وہ چلا جا رہا تھا کہ ایک بڑے کمرہ میں پہنچا۔ جوں ہی ایک دروازہ سے یہ داخل ہوئے دوسرے دروازہ سے موہن سنگھ آگیا۔

ایک مشعل سکھدیو کے ہاتھ میں تھی اور دوسری موہن سنگھ کے۔ روشنی کافی ہو رہی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو قہر آلود نگاہوں سے دیکھا۔

موہن سنگھ نے کہا:

''آخر ہم دونوں مل گئے اور اب ہم دونوں میں سے ایک کو مر جانا چاہیے۔''

یہ کہتے ہی اس نے مشعل زمین پر رکھ دی اور تلوار نکال لی۔ سکھدیو نے بھی مشعل داسی کو پکڑا دی اور تلوار سونت کر کھڑا ہوگیا۔

شوبھادیوی نے کہا: ''موہن سنگھ لڑائی اچھی نہیں۔''

موہن سنگھ: ''میں بھی اچھا نہیں سمجھتا لیکن مجھ پر دو مرتبہ قاتلانہ وار کئے گئے ہیں اور اب میں انتقام لوں گا، اب میری باری ہے۔''

یہ کہتے ہی اس نے سکھدیو پر حملہ کیا۔ کامنی نے سریلی آواز سے کہا:

''موہن لڑائی موقوف کرو۔''

موہن سنگھ: ''تمہارا حکم ٹالا نہیں جا سکتا۔''

عین اس وقت کمرہ کے ایک حصہ کی چھت گری لیکن خیریت یہ ہوئی کہ کچھ مٹی گر کر ایک

سوراخ ہو گیا جس سے دن کی کافی روشنی کمرہ میں بھر گئی۔

سب لوگ حیران ہو کر دیکھنے لگے، ساتھ ہی مسلمانوں کے بولنے کی آواز آئی جس سے سب خائف و ترساں ہو گئے۔

نہالِ آرزو:

مسلمانوں کو نہایت عظیم الشان فتح حاصل ہوئی تھی اور راجپوتوں کو زبردست ہزیمت ملی تھی۔ دن چھپے تک مسلمان مفرور راجپوتوں کا تعاقب کر کے انہیں قتل کرتے رہے۔ جب آفتاب بالکل ہی غروب ہو گیا تب وہ واپس لوٹ کر میدانِ جنگ میں جمع ہوئے۔

کئی آدمیوں نے جلدی جلدی وضو کر کے اذان دی اور تمام لشکر نے مغرب کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی۔ نماز کے بعد غازی سلطان محمود نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ وہ اپنی عاجزی کا اقرار کر کے اللہ تعالیٰ کے عظمت و جلال کا اعتراف کر رہے تھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب ابل رہا تھا۔ یہ آنسو مسرت و شادمانی کے تھے۔

کیسا حیرت ناک امر ہے کہ انسان زیادہ رنج و قلق میں بھی آنسو بہاتا ہے اور فرطِ مسرت و انبساط میں بھی آنسو نکل آتے ہیں۔

نماز کے بعد سلطان نے ان سپاہیوں کو جو زخمی نہیں ہوئے تھے میدانِ جنگ میں مجروح مجاہدین کی تلاش پر مامور کیا۔ کچھ کو زخمیوں کی مرہم پٹی پر متعین کیا اور کچھ کو میدانِ جنگ سے ہتھیار اور قیمتی سامان اٹھانے پر لگایا۔ کچھ مسلمان از خود ہی راجپوتوں کے ان گھوڑوں کو پکڑنے کے لئے چلے جو ابھی تک میدانِ جنگ میں دوڑ لگاتے پھر رہے تھے اور جن کے راکب مر چکے تھے۔

فوراً سینکڑوں مشعلیں روشن کر لی گئیں اور ہر جماعت اپنا کام کرنے لگی۔ تھوڑی دیر میں کچھ لوگ ایسے زخمی اٹھا کر لائے جو اگرچہ زندہ تھے لیکن بے ہوش تھے اور اگر ان کی فوری خبر گیری نہ کی جاتی تو رات ہی میں شہید ہو جاتے۔

ان کو قلعہ میں پہنچا دیا گیا اور تیمارداری شروع کر دی گئی۔ زخمیوں کی مرہم پٹی سے بھی فراغت ہو گئی۔ ہتھیار اور راجپوتوں کا مالِ غنیمت بھی جمع کر لیا گیا اور کچھ گھوڑے بھی پکڑ لئے گئے۔ مسلمانوں نے عشاء کی نماز بھی میدانِ جنگ ہی میں پڑھی اور شہیدوں کو جمع کر کے ان کی نمازِ جنازہ پڑھ کر انہیں دفن کیا گیا۔ ان کاموں میں کافی وقت گزر گیا۔

اب مسلمان قلعہ کی طرف لوٹے اور قلعہ میں داخل ہو کر انہوں نے اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگایا۔

یہی وہ نعرہ کی آواز تھی جسے سکھد یو، شو بھا دیوی اور کامنی نے سنا تھا اور اس آواز سے خائف ہو کر وہ تہ خانہ میں جا گھسے تھے۔

قلعہ میں آتے ہی مسلمانوں نے کمریں کھولیں اور چونکہ تمام دن جنگ کرتے رہے تھے اور کھانا پینا کچھ میسر نہ آیا اس لئے کھانا تیار کرنا شروع کیا۔

اگر چہ سلطان محمود کا خاصہ تیار ہو چکا تھا لیکن انہوں نے اس لئے کھانا نہ کھایا کہ تمام لشکر بھوکا تھا اور کھانے کا انتظار کر رہا تھا۔

جب انہیں معلوم ہوا کہ سپاہیوں کا کھانا تیار ہو چکا ہے اور کھانے لگے ہیں تب انہوں نے بھی خاصہ طلب فرما کر کھایا اور رات آرام سے سوئے۔

التونتاش اور امیر علی خویشاوند نے ایک ہزار آدمیوں کا ایک دستہ لشکر کی حفاظت پر مقرر کر کے شب بیداری اور گرداوری پر مقرر کر دیا۔ یہ دستہ تمام رات خوب گشت لگا تا رہا۔ صبح سویرے بیدار ہو کر مسلمانوں کے مؤذن نے اذان دی، جب انہوں نے کہا: "الصلوۃ خیر من النوم"۔

یعنی نماز نیند سے بہتر ہے اور بیدار ہو کر نماز کے لئے آؤ تو ہر مردِ مجاہد اٹھ کر کھڑا ہو گیا، خود سلطان محمود بھی بیدار ہو کر باہر نکل آئے۔ سب نے ضروریات سے فراغت کر کے صبح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی اور قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔

جب آفتاب طلوع ہو گیا تب سلطان محمود نے قلعہ اور شاہی محل سے مالِ غنیمت نکال کر جمع کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی فرمان جاری کیا کہ اگر کوئی ہندو مرد کسی کمرہ میں چھپا ہوا ملے تو اسے گرفتار کر کے سلطان محمود کے روبرو پیش کیا جائے اور اگر عورتیں اور بچے ملیں تو انہیں صرف حراست میں لے کر سامنے لایا جائے، سختی کسی شخص پر بھی نہ کی جائے۔

چنانچہ مسلمانوں کے چند دستے قلعہ اور محل میں پھیل گئے اور انہوں نے چھوٹی بڑی معمولی اور قیمتی تمام چیزیں انبار در انبار جمع کرنی شروع کیں۔

شاہی محل میں بعض چیزیں نہایت بیش قیمت اور نادر الوجود ملیں۔ ان میں زیادہ تر ٹھوس چاندی اور سونے کی مورتیاں کھڑاویں، صندوقچیاں، چوکیاں، میزیں اور دوسری چیزیں تھیں۔ سب سے زیادہ قیمتی وہ زیورات تھے جو زیادہ تر خالص سونے اور دیگر قیمتی جواہرات کے تھے۔ لاکھوں نہیں کروڑوں روپے کی مالیت کا سامان ہاتھ آیا۔

ایک خوبصورت مگر مختصر کمرہ میں کئی تاج اور چھوٹے تخت رکھے ہوئے ملے۔ تاج سونے اور جواہرات کے تھے اور تخت چاندی کے تھے۔ یہ سب تخت و تاج سومنات کے فرمانروا کے تھے۔

چونکہ اس کمرہ میں زیادہ بیش قیمت چیزیں تھیں اس لئے مسلمانوں نے اس کا فرش اس خیال سے کھودنا شروع کیا کہ شاید زمین کے اندر کوئی خزانہ یا دفینہ موجود ہو۔

لیکن تھوڑا سا ہی کھودنے پر چھت میں خلا ہو گیا۔ مسلمانوں کو اسے دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی مگر فوراً ہی وہ سمجھ گئے کہ اس کے نیچے تہ خانہ ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے کہا: "یقیناً یہ تہ خانہ ہے۔"

دوسرا بولا: "بے شک سوائے تہ خانہ کے اور کیا ہو سکتا ہے۔"

اس کمرہ کی مٹی سکھدیو، چندر موہنی، شوبھا دیوی اور کامنی پر پڑی تھی اور مسلمانوں کی آواز سن کر وہ حیران رہ گئے تھے۔

جس وقت یہ تہ خانہ نمودار ہوا عین اس وقت سلطان محمود تشریف لے آئے۔ مسلمانوں نے انہیں تہ خانہ پر برآمد ہونے کی اطلاع دی۔

اس خبر کو سن کر دفعتاً ان کا چہرہ بشاش ہو گیا۔ انہوں نے کہا:

"میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اس تہ خانہ میں شاہی خاندان کے افراد چھپے ہوئے ہیں، ممکن ہے چندر موہنی بھی ہو۔ جلدی اس تہ خانہ میں اترو اور اس کا جائزہ لو۔"

سلطان محمود کے یہ فرماتے ہی بہت سے مسلمان اچانک اس طرح تہ خانہ میں کود گئے کہ سکھدیو اور اس کے ساتھ والی عورتوں کو کسی طرف نکل جانے یا بھاگنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔

چوں کہ سکھدیو ابھی تک مشعل لئے ہوئے تھا اور دوسری مشعل بھی قریب ہی تھی اس لئے مسلمانوں نے تہ خانہ میں جاتے ہی ان سب کو دیکھ لیا جو وہاں موجود تھے۔

سکھدیو اور موہن دونوں مسلمانوں کو دیکھ کر لرز گئے۔ کامنی اور چندر موہنی بھی سہم گئیں۔ داسی بھی تھر تھر کانپنے لگی لیکن جوگن شوبھا دیوی نہایت استقلال اور اطمینان سے کھڑی رہی۔

سکھدیو اور موہن سنگھ کو کھانڈے بکف دیکھ کر مسلمانوں نے یہ خیال کیا کہ وہ ان پر حملہ کرنے والے ہیں۔ انہیں کیا خبر تھی کہ ابھی چند ثانیہ پہلے وہ لڑ رہے تھے۔

مسلمانوں نے فوراً ہی ڈپٹ کر کہا: "خبردار کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے ورنہ سر تن سے جدا کر دیا جائے گا۔ جس کے پاس جو ہتھیار ہو وہ ڈال دے۔"

کسی میں یہ جرأت نہ تھی کہ اس حکم کی تعمیل نہ کرتا۔ بادلِ ناخواستہ موہن اور سکھدیو دونوں نے اپنے اپنے کھانڈے ڈال دیئے۔ مسلمانوں نے ان دونوں کو گرفتار کر کے ان کی مشکیں کس لیں۔

ان دونوں کے گرفتار ہو جانے سے چندر موہنی اور کامنی بھی خائف ہو گئیں لیکن مسلمانوں نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا:

''تم عورتوں اور لڑکیوں میں کوئی نہ گھبرائے، تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہ کی جائے گی۔''

مسلمانوں کی گفتگو کی ترجمانی شوبھا دیوی کر رہی تھی۔ اب تہ خانہ والے مسلمانوں نے اوپر والوں سے کہا: ''دو آدمی اور تین عورتیں یہاں سے ہاتھ آئی ہیں۔ سیڑھیاں لٹکا دو تاکہ انہیں اوپر لے کر آئیں۔''

فوراً دو سیڑھیاں لٹکا دی گئیں۔ پہلے موہن سنگھ اور سکھدیو کو چڑھایا گیا اور پھر کامنی اور چندر موہنی کو اور ان کے بعد داسی اور شوبھا دیوی کو۔ سب کے بعد وہ مسلمان جو تہ خانہ میں اترے تھے اوپر چڑھ آئے۔

سلطان محمود کمرہ سے باہر بیٹھ گئے تھے۔ ان قیدی مردوں اور عورتوں کو ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ جوں ہی انہوں نے چندر موہنی اور کامنی کو دیکھا بے ساختہ بول اٹھے:

یہ دونوں راجہ کے خاندان کی لڑکیاں معلوم ہوتی ہیں اور ان میں سے ایک چندر موہنی ہے۔

شوبھا دیوی نے چندر موہنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''ظل اللہ نے ٹھیک فرمایا۔ چندر موہنی یہ ہے، یہی آپ کا دُرِ مقصود ہے۔''

سلطان محمود کو یہ بات سن کر بڑی مسرت ہوئی۔ حالانکہ چندر موہنی کا چہرہ فق پڑ گیا۔ اسے ناگوار گزرا کہ شوبھا دیوی نے اس کا کیوں بتا دیا۔

سلطان محمود کھڑے ہو گئے۔ وہ چندر موہنی کے پاس آئے اور اس کے سر پر دستِ شفقت پھیرتے ہوئے بولے:

''بیٹی!! ڈرو نہیں، ہم تمہیں ہی حاصل کرنے کے لئے تو آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے تم مل گئیں اور ہماری محنت ٹھکانے لگ گئی۔''

چندر موہنی کو ان کے الفاظ کے سننے سے کچھ تسلی ہوئی اور فرطِ خوف و دہشت سے اس کے چہرہ کا رنگ جو سفید ہو گیا تھا، اس پر پھر شباب کی سرخی بکھر گئی اور پھر اس کے آتشناک رخسار گلِ انار کی طرح دہکنے لگے۔

سلطان محمود نے شوبھا دیوی سے مخاطب ہو کر...... کامنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا: ''اور یہ کس کی لڑکی ہے؟''

شوبھا دیوی: ''مہاراجہ انہلواڑہ کی!''

اس کے بعد اس نے سکھدیو اور موہن سنگھ کا بھی تعارف کرا دیا۔ سلطان محمود نے ان دونوں کو قید خانہ میں لے جانے کا حکم دیا اور عورتوں کو اپنے ساتھ لے کر اپنے کمرہ کی طرف چلے۔

باب ۳۲

سومنات کی فتح

سلطان محمود راستہ بھر چندر موہنی کو تسلی اور دلاسہ دیتے گئے۔ چندر موہنی بھی جو آہوئے رمیدہ کی طرح خوفزدہ تھی قدرے مطمئن ہوگئی۔

چندر موہنی اور کامنی وغیرہ نے دیکھا کہ تمام قلعہ میں مسلمان بکھرے ہوئے ہیں اور ہر طرف سے ان کے رسالے مسلح ہو ہو کر آ رہے ہیں۔

سلطان محمود نے اپنی قیام گاہ پر پہنچ کر چندر موہنی سے کہا:

''بیٹی!! تو قیدی نہیں ہے، آزاد ہے۔ تیری ذات سے ایک راز وابستہ ہے جس کا عنقریب انکشاف کیا جائے گا اور اس راز کو سن کر تجھے معلوم ہو جائے گا کہ تو اب تک اپنی ناواقفیت کے باعث قید تھی اور اس قید کو تُو آزادی سمجھ رہی تھی...........تُو حیران ہو رہی ہے؟ حیرانی کی بات بھی ہے چونکہ ابھی مجھے بہت کچھ کرنا ہے اس لئے تجھ سے رخصت ہوتا ہوں، تُو اطمینان سے یہاں رہ!''

چندر موہنی کو اور بھی حیرت ہوئی کہ میرے راز کا حال سلطان محمود کو کیا معلوم! لیکن رعبِ سلطانی اور جلالِ شاہی سے اسے کچھ دریافت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

سلطان محمود نے شوبھا دیوی سے مخاطب ہو کر کہا:

''تمہیں کچھ دھرمپال کا حال معلوم نہیں ہوا؟''

شوبھا دیوی: ''ظل اللہ اب تک مجھے ان کا سراغ نہیں ملا لیکن مجھے یقین ہے کہ میں آج ہی ان کا پتہ لگا لوں گی۔ جب میں رات حضور سے مل کر رخصت ہوئی تھی تو ان کی ہی جستجو کرتی رہی لیکن افراتفری کی وجہ سے ٹھیک پتہ نہ چل سکا۔''

چندر موہنی سمجھ گئی کہ شوبھا دیوی سلطان محمود سے پہلے بھی مل چکی ہے۔ اسے تعجب ہوا کہ وہ سلطان محمود سے کیوں ملی اور دھرمپال کا سلطان محمود کو کیوں زیادہ خیال ہے لیکن اس کے ننھے سے دل

اور نازک دماغ میں کوئی وجہ نہ آئی۔

سلطان محمود نے جنگی لباس طلب کیا۔ خادموں نے لا کر حاضر کر دیا۔ انہوں نے جلدی سے زرہ بکتر پہن کر چار آئینے لگائے اور اسلحہ جات سے بدن کو آراستہ کر کے چلے۔

جب سلطان محمود باہر آئے تو دیکھا تمام رسالے مسلح کھڑے ہوئے ہیں۔ التونتاش، امیر علی خویشاوند اور دوسرے افسران سلطان محمود کا انتظار کر رہے ہیں۔

چونکہ قلعہ پر مسلمانوں کا تسلط ہو چکا تھا اور وہاں ایک راجپوت بھی باقی نہ رہا تھا اس لئے اب قلعہ کی طرف سے کوئی اندیشہ نہ رہا تھا۔

سلطان محمود نے کہا:

''اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دُرِ مقصود ہاتھ آ گیا ہے۔ چندر موہنی مل گئی ہے لیکن شہر اور مندر میں ابھی راجپوتوں کا اجتماع ہو رہا ہے اس لئے ان مقامات کو بھی فتح کرنا ضروری ہے۔ کچھ معلوم ہوا کہ مہاراجہ سومنات کہاں گئے؟''

التونتاش: ''عالم پناہ!! معلوم ہوا ہے کہ راجہ جنگلوں میں گھس گیا لیکن راجپوت اسے منا پر جا کر پھر لے آئے ہیں اور وہ مندر میں موجود ہے۔''

سلطان محمود: ''تب مندر پر جنگ ہونا یقینی ہے۔''

امیر علی خویشاوند: ''پیرو مرشد جب تک راجپوتوں میں مہاراجہ موجود ہے اس وقت تک لڑائی ہونا ضروری ہے۔''

سلطان محمود: ''کچھ پرواہ نہیں، اللہ تعالیٰ حافظ و ناصر ہے! لشکر کو شہر اور مندر پر یورش کا حکم دے دو۔''

تمام افسر اپنے اپنے دستہ میں پہنچ گئے اور لشکر قلعہ سے نکل کر شہر کی طرف بڑھنے لگا۔ سلطان محمود بھی اپنے دستہ کے جلو میں روانہ ہوئے۔ جب وہ شہر کے قریب پہنچے تو معزز شہری ہندوؤں نے لشکر کا استقبال کیا اور شہر کے کوتوال نے سلطان محمود کے حضور میں حاضر ہو کر شہر کے پھاٹک کی کنجیاں حوالے کرتے ہوئے کہا:

''جب آپ نے قلعہ فتح کر لیا ہے تو شہر فتح کرنا کیا دشوار ہے۔ ہم شہری لوگ خونریزی کو پسند نہیں کرتے، امن و امان چاہتے ہیں۔ یہ شہر کے پھاٹک کی کنجیاں موجود ہیں۔ ہم حضور سے اپیل کرتے ہیں کہ شہر میں خونریزی نہ کی جائے۔ جو تاوان ہم پر عائد کیا جائے گا ہم اسے ادا کریں گے۔''

سلطان محمود خود بھی خونریزی کو پسند نہ کرتے تھے۔ انہوں نے کہا:

''ہم نے بہت چاہا کہ خونریزی نہ ہو مہاراجہ صلح و آشتی سے معاملہ طے کر لیں مگر ان کے

مشیروں نے شاید انہیں نیک صلاح نہ دی اور نوبت یہاں تک پہنچی۔ جو لوگ اطاعت قبول کر لیتے ہیں ہم ان سے درگزر کرتے ہیں۔ تم نے نہایت دانشمندی کی کہ شہر کی کنجیاں ہمارے سپرد کر دیں۔ سرِ دست ہم شہر پر حملہ نہ کریں گے۔ اب ہم مندر پر دھاوا کرتے ہیں لیکن یہ حکم دیتے ہیں کہ کوئی شہری شہر سے باہر نہ نکلے۔ اگر اس حکم کی خلاف ورزی کی گئی تو پھر شہر پر بھی حملہ کیا جائے گا۔"

کوتوال: "اعلیٰ حضرت اطمینان رکھیں ہم شہری سلطان محمود کے فرمان کی تعمیل کریں گے۔"

سلطان محمود: "تب ہماری طرف سے شہریوں کو امان کا مژدہ سنا دو۔"

کوتوال رخصت ہو گیا اور اسلامی لشکر مندر کی طرف بڑھا۔ ہم بیان کر آئے ہیں کہ مندر بھی چھوٹا سا قلعہ تھا۔ ابھی راجپوتوں کا کافی لشکر باقی تھا جو مندر کی حفاظت کر رہا تھا۔ التونتاش کو یہ اطلاع صحیح ملی تھی کہ راجپوت رات ہی کو مہاراجہ سومنات کو ڈھونڈ لائے تھے اور وہ مندر میں موجود تھے۔

مندر کی حفاظت پر چار ہزار جنگجو اور جیالے مقرر تھے۔ ان کے علاوہ ہزاروں وہ راجپوت جمع ہو گئے تھے جو شکست کھا کر واپس آئے تھے۔

چونکہ سومنات کے مندر کا ہر راجپوت کے دل میں بہت زیادہ احترام تھا اس لئے رات ہی کو ان لوگوں نے تلسی کے پتے چبا چبا کر یہ حلف اٹھایا تھا کہ مرتے دم تک مندر کی حفاظت کریں گے۔

ہندوؤں میں تلسی کے پودے کو بھی بڑا متبرک خیال کیا جاتا۔ جو شخص اس پتے کو چبا کر قسم کھاتا ہے وہ مرتے دم تک اپنی قسم کو نبھاتا ہے۔

جوں ہی اسلامی لشکر مندر کے سامنے پہنچا راجپوتوں نے شور کر کے تیروں کی باڑھ ماری۔ پیش قبض اور خنجر تاک کر مارنے لگے۔

مسلمانوں نے ڈھالیں سامنے کر دیں اور ان ڈھالوں کا قلعہ بنا کر آگے بڑھنا شروع کیا۔

راجپوتوں نے بڑی پھرتی اور بڑے جوش سے اپنے حربے استعمال کئے۔

غازیانِ اسلام آہستہ آہستہ بڑھتے رہے، یہاں تک کہ مندر کی فصیل کے نیچے پہنچ گئے۔ یہ فصیل قلعہ کی طرح کچھ زیادہ اونچی نہ تھی۔ البتہ اس کے چار پھاٹک تھے اور چاروں نہایت عالیشان اور مضبوط تھے۔

مسلمانوں نے فصیل کے نیچے پہنچ کر گھوڑوں پر کھڑے ہو کر فصیل کے کنگورے پکڑ کر اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔

راجپوتوں نے ان کی یہ کیفیت دیکھ کر ان پر حملہ کر دیا۔ جو مسلمان فصیل پر پہنچ گئے تھے انہوں نے تلواریں سونت لیں اور ہندوؤں پر ٹوٹ پڑے۔ ادھر راجپوت جو مندر کی حفاظت کا حلف اٹھا چکے

تھے، جوش وغضب میں آ کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ مندر کی فصیل پر جنگ کی آگ بھڑک اٹھی۔

تلواریں اور کھانڈے پھرتی سے اٹھنے اور سر فروشوں کے سروں کی طرف جھکنے لگے۔

سر دھڑ اور ہاتھ پیر کٹنے لگے، خون کے فوارے ابل ابل کر لڑنے والوں کو خون میں رنگنے لگے۔

چونکہ مسلمان ابھی تک تھوڑی تعداد میں فصیل پر پہنچے تھے اس لئے ان کا پلہ ہلکا تھا مگر وہ اس بے جگری اور جوش سے پینترے بدل بدل کر اور جست لگا لگا کر حملے کر رہے تھے کہ راجپوت حیران رہ جاتے تھے۔

مسلمانوں کی کوشش یہ تھی کہ راجپوتوں کو پچھلی طرف دھکیلے رکھیں تا کہ جو مسلمان گھوڑوں پر کھڑے ہو ہو کر فصیل پر چڑھ رہے تھے ان کی آمد کا سلسلہ جاری رہے، رکنے نہ پائے۔

ادھر راجپوت اس فکر میں تھے کہ جو مسلمان اوپر چڑھ آئے ہیں انہیں کاٹ کر رکھ دیں اور مزید مسلمانوں کو روک دیں۔

دونوں فریق اپنے مقدور بھر سعی کر رہے تھے لیکن نہ تو مسلمان قتل ہی ہو رہے تھے نہ پیچھے ہٹتے تھے بلکہ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے اور راجپوتوں کو پیچھے ہٹاتے اور دباتے چلے جاتے تھے۔

انہوں نے ان سے فصیل کا وہ حصہ دور تک خالی کرا لیا تھا جہاں نیچے سے مسلمان پہنچ رہے تھے۔

مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ برابر قائم تھا۔ نیچے سے ہر دستہ گھوڑے پر سوار ہو کر بڑھنا شروع کرتا تھا اور فصیل سے گھوڑے لگا کر اور ان پر کھڑے ہو کر فصیل پر جا پہنچتا تھا۔ خالی گھوڑے خود ہی ادھر ادھر ہٹ جاتے تھے۔

چونکہ راجپوت بھی نہایت جوش وخروش سے لڑ رہے تھے اس لئے وہ بھی مسلمانوں کو مجروح اور شہید کر رہے تھے لیکن مسلمانوں کی آمد کچھ اس تیزی سے ہو رہی تھی کہ زخمیوں اور مرنے والوں کی جگہ تازہ دم مسلمان پہنچ جاتے تھے اور تلواروں کی باڑھ پر راجپوتوں کو روک لیتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ راجپوتوں پر مسلمانوں کا رعب وخوف طاری ہو چکا تھا۔ اگر وہ مندر کی حفاظت کا حلف اٹھائے نہ ہوتے تو کبھی کے میدان چھوڑ کر پسپا ہو گئے ہوتے۔

وہ لڑ رہے تھے اور موت کی لڑائی لڑ رہے تھے۔ گویا انہوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ کٹ کٹ کر مر جائیں گے لیکن پیچھے نہ ہٹیں گے۔

مگر مسلمانوں نے کچھ اس جوش وخروش سے حملوں پر حملے کیے اور انہیں اس طرح کاٹنا

شروع کر دیا کہ بالآخران کے قدم اکھڑ گئے۔

وہ گھبرا کر پیچھے ہٹے۔ مسلمانوں نے بڑھ کران پر ایک پرزور حملہ کیا اور اس ایک حملہ میں تقریباً ایک ہزار راجپوتوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔

اب راجپوتوں نے ٹھہرنا دشوار سمجھا۔ وہ بدحواس ہو کر ایک دم بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور انہیں مارتے کاٹتے ان کے پیچھے دوڑے ہوئے چلے گئے۔

راجپوت فصیل کو چھوڑ کر مندر کے صحن میں اتر گئے۔ مسلمان بھی وہاں پہنچ گئے اور وہاں پہنچ کر راجپوتوں کو قتل کرنے لگے۔

ادھر کچھ مسلمانوں نے پھاٹک کھول دیا اور مسلمانوں کے رسالے مندر میں داخل ہو گئے۔

راجپوتوں کے حواس غائب ہو گئے اور وہ دوڑ دوڑ کر مندر کی پشت کی طرف پہنچے۔ اس طرف چھوٹے چھوٹے جہاز اور کشتیاں موجود تھیں۔ وہ سمندر میں کود کود کران میں سوار ہو گئے۔

مہاراجہ بھی ایک جم غفیر کے ساتھ دوڑے لیکن سلطان محمود رکے سالہ کے ساتھ ان کا مقابلہ ہو گیا اور اس رسالہ نے ان تمام راجپوتوں کو ایک ایک کر کے قتل کر ڈالا۔ مہاراجہ بھی اس ہنگامہ میں کام آ گئے۔

جو راجپوت جہازوں اور کشتیوں میں سوار ہوئے تھے وہ بھی زیادہ دور نہ گئے تھے کہ دوسری طرف سے چند بڑی بڑی کشتیاں آئیں اور انہوں نے ان جہازوں کو روک لیا۔ جب راجپوتوں نے ان میں سوار ہونے والوں کو دیکھا تو وہ ترک تھے۔

مجاہدینِ اسلام کو دیکھ کر راجپوتوں کے دل ان کے سینوں میں ڈوب گئے اور وہ گھبرائی ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگے۔

بندرگاہ کی فتح:

جس روز شہر اور مندر پر سلطان محمود نے حملہ کیا اس روز برہان اور ہارون نے بندرگاہ پر یورش کر دی تھی۔ راجپوتوں نے ساحلِ سمندر پر کھڑے ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ نہایت ثابت قدمی سے کیا اور کچھ اس طرح تیروں کی بارش کی کہ ایک دفعہ تو مسلمانوں کے منہ پھر گئے۔

اسی دوران ہارون ڈھال کی آڑ میں آگے بڑھے۔ برہان نے بھی ان کی تقلید کی۔ ان دونوں کو اس طرح بڑھتے ہوئے دیکھ کر مسلمانوں کو شرم دامن گیر ہوئی اور انہوں نے بھی سپروں کا قلعہ بنا کر آگے بڑھنا شروع کیا۔

راجپوت اب بھی نہایت تندی اور بڑی پھرتی سے تیر برسا رہے تھے لیکن ان کے تیر ڈھالوں سے ٹکرا ٹکرا کر اُچٹ جاتے تھے۔

کچھ دور چلنے کے بعد ہارون نے کہا:

''راجپوتوں کی تیز اندازی اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک ان پر بھی تیروں کی باڑھ نہ ماری جائے۔''

برہان نے کہا:

''خیال تو آپ کا درست ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ راجپوت کچھ اس تیزی سے تیر برسا رہے ہیں کہ ہمیں اپنی حفاظت کرنی مشکل ہو رہی ہے۔ تیر افگنی کی مہلت کہاں مل سکتی ہے؟''

ہارون: ''ان کی یہ شدت اس وقت تک ہے جب تک ان پر زد نہیں پڑتی اور جب ان پر بھی زد پڑنے لگے گی تو جس طرح اس وقت ہم ان تیروں سے بچنے کی کوشش کر رہے ہیں اسی طرح وہ بھی اپنی حفاظت کرنے پر مجبور ہوں گے۔''

برہان: ''تب ہمیں تھوڑی دیر کے لئے ڈھالوں کی پناہ چھوڑ دینی چاہیے۔''

ہارون: ''اس سے کیا مطلب ہے تمہارا؟''

برہان: ''جب تک ہم ڈھالوں کو سامنے سے نہ ہٹا دیں گے اس وقت تک کمانیں لے کر تیر اندازی کیسے کر سکتے ہیں؟''

ہارون: ''کیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ ہم جو اگلی صف میں جا رہے ہیں اپنے سامنے سے ڈھالیں ہٹا دیں۔''

برہان: ''بغیر اس کے چارہ ہی کیا ہے۔''

ہارون: ''معاف کرنا تم نے غلط سمجھا۔ اگر ہم ذرا بھی ڈھالیں ہٹائیں تو کافروں کی طرف سے اس شدت سے تیر افگنی ہو رہی ہے کہ ہم میں سے ایک بھی زندہ باقی نہ بچے گا۔''

برہان: ''پھر کیا کرنا چاہیے ہمیں؟''

ہارون: ''پچھلی صف کی طرف اشارہ کرو۔ وہ جھک کر ہمارے درمیان سے تیر نکال کر ایک دم باڑھ ماریں، سمجھ گئے؟''

برہان نے خوش ہو کر کہا:

''نہایت اچھی تدبیر ہے۔ راجپوت بغیر کسی حفاظت کے سامنے ہی کھڑے ہیں، تیروں کی باڑھ ان کی صفیں الٹ دے گی۔''

ہارون: "اور جب وہ اپنی حفاظت میں مصروف ہو جائیں گے اس وقت ہم یہی ڈھالیں پشتوں پر ڈال کر ایک دم ان پر تیروں کی بارش کر دیں گے۔"

برہان: "ٹھیک ہے!"

برہان نے ذرا پیچھے ہٹ کر پچھلی صف والے مسلمانوں سے ہارون کی تدبیر بتا دی۔ فوراً پچھلی صف بڑھ کر پہلی صف کے عین پیچھے اور پاس آ گئی۔

تمام مسلمان ڈھالوں کی آڑ میں جھکے جھکے چل رہے تھے۔ چونکہ پچھلی صف والے مجاہدین پہلی صف کی آڑ میں آ گئے اس لئے کفار کے تیروں سے محفوظ ہو گئے۔ انہیں ڈھالوں کی ضرورت ہی نہ رہی۔

انہوں نے جلدی جلدی ڈھالیں پشتوں پر لٹکا لیں اور شانوں پر سے کمانیں نکال کر ہاتھوں میں لیں۔ ترکشوں میں سے تیر نکال کر چلے جوڑے اور مسلمانوں کے پہلوؤں میں سے تیروں کا راستہ کر کے ایک ساتھ باڑھ ماری۔

راجپوتوں کو خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا کہ مسلمان اس طرح اچانک ان پر تیروں کی باڑھ ماریں گے۔ وہ سینہ تانے کھڑے تیر برسا رہے تھے۔ اس بات سے بے خبر تھے کہ موت ان کی گھات میں لگ گئی ہے۔

جوں ہی مسلمانوں کے تیر سنسناتے اور فضا کو چیرتے ہوئے چلے، راجپوتوں نے حیرت سے دیکھا۔

حیرت کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کی اگلی صفیں ڈھالوں کی آڑ لئے بڑھی چلی آ رہی تھیں، وہ اس قدر اپنی حفاظت میں مصروف تھے کہ تیر چلا ہی نہ سکتے تھے نہ انہوں نے تیر چلائے تھے۔

ابھی راجپوت حیران ہی ہو رہے تھے کہ تیروں کی باڑھ ان کی پہلی صف پر پڑی اور بہت سے جانبازوں کے سروسینوں میں تیر پیوست ہو کر رہ گئے۔

راجپوتوں کی پہلی صف الٹ کر دوسری پر جا گری اور اتنے میں کہ دوسری صف والے سنبھلیں، دوسری باڑھ پڑی اور دوسری صف کا بھی ستھراؤ ہو گیا۔

راجپوت اس اچانک تیر اندازی سے گھبرا گئے۔ اب انہوں نے تیر اندازی چھوڑ دی اور اپنی حفاظت کرنے لگے۔

یہ حالت دیکھتے ہی ہارون نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ یہ اشارہ تھا اس بات کا کہ اگلی صف والے مسلمان بھی تیر برسائیں۔

چنانچہ اگلی صف کے مسلمانوں نے بھی پھرتی کے ساتھ ڈھالیں پشتوں پر ڈالیں اور کمانیں لے کر نہایت تیزی سے تیر افگنی شروع کر دی۔ ساتھ ہی جھپٹ کر آگے بڑھنے لگے۔

راجپوتوں کی بڑی تعداد لقمۂ اَجل ہوگئی اور جو باقی رہے وہ دوڑ دوڑ کر کشتیوں اور جہازوں میں سوار ہو گئے۔

چونکہ مسلمان بڑھے چلے آ رہے تھے اس لیے انہوں نے کشتیاں اور جہاز پیچھے سمندر میں ہٹا لیے۔ ہارون نے برہان سے کہا:

''دوست یہی موقع ان پر ضرب لگانے کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آج ہی کے دن کے لئے ہمیں ان کی کشتیاں دلوائی تھیں۔ دوڑ کر جاؤ اور کشتیاں کھینچ کر سمندر میں لا ڈالو۔''

برہان بغیر کچھ کہے فوراً چل پڑے اور ہر مسلمان بڑھ کر ساحل پر پہنچ گیا۔ اس طرح مسلمانوں کا بندرگاہ پر قبضہ ہو گیا لیکن ابھی راجپوت جہازوں اور کشتیوں میں بیٹھے تیر برسا رہے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں برہان کشتیاں لے کر آ گئے۔ اگر چہ مسلمان جہاز رانی یا ملاحی کے فن سے بالکل ہی واقف نہیں تھے کیونکہ وہ خشکی کے رہنے والے تھے۔ سمندر کا کنارہ ان کی قلم رو میں نہ تھا۔ لہٰذا کشتیاں یا جہاز چلانے کا انہیں اتفاق ہی نہ ہوا تھا۔

مگر برہان کے دستہ والے کئی مرتبہ ان مقبوض کشتیوں کو چلا چکے تھے اس لئے انہیں کچھ مہارت ہو گئی تھی۔

چنانچہ بہت سے مسلمان کشتیوں میں سوار ہو گئے اور جو مجاہدین کشتی رانی سے واقف ہو گئے تھے وہ کشتیاں چلانے لگے۔

ایک کشتی میں برہان اور ایک میں ہارون دس دس پندرہ پندرہ غازیانِ اسلام کو ساتھ لے کر بیٹھ گئے اور یہ کشتیاں دشمنوں کی کشتیوں کی طرف بڑھیں۔

مسلمانوں نے اس شدت سے تیر افگنی شروع کی کہ راجپوتوں نے ان سے بچنے کے لئے تیزی سے اپنی کشتیوں کو پیچھے ہٹانا شروع کیا۔

مسلمان بڑھتے رہے اور تیر اندازی کرتے رہے۔ ایک مرتبہ کئی کشتیوں کے راجپوت ایک دم کشتیوں کے کنارے پر پہنچ گئے جس کی وجہ سے توازن قائم نہ رہ سکا اور پانچ چھ کشتیاں الٹ گئیں۔ ان کشتیوں کے تمام راجپوت سمندر میں ڈبکیاں لینے اور غوطہ کھانے لگے۔

کچھ راجپوتوں کی کشتیاں انہیں بچانے کے لئے آگے بڑھیں اور انہوں نے رسے سمندر پھینک دیئے جن کے ذریعہ سے راجپوت تیر کر کشتیوں پر چڑھنے لگے لیکن چونکہ وہ اپنی جانیں بچانے کی

کوشش کر رہے تھے اس لئے احتیاط ملحوظ نہ رکھی اور ڈوبنے والے کشتیوں کے کنارے پکڑنے لگے اور کشتیوں میں بیٹھنے والے ان کے ہاتھ پکڑنے کے لئے جھک گئے۔ اس سے ان کشتیوں کا بھی توازن قائم نہ رہا اور وہ بھی الٹ گئیں۔ ان میں بیٹھے ہوئے راجپوت بھی سمندر میں جا گرے۔

اس طرح بہت سی کشتیاں اور سینکڑوں راجپوت ضائع ہو گئے۔ اس عرصہ میں مسلمانوں کی کشتیاں قضائے مبرم کی طرح ان کے سروں پر جا پہنچیں۔ جہاز والوں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں مسلمان کشتیاں جہازوں سے لگا کر اوپر نہ چڑھ آئیں اس لئے انہوں نے راہ فرار اختیار کی اور سمندر کے بیچ میں اپنے جہاز دوڑائے۔

جب وہ دور نکل گئے تب مسلمانوں نے اپنی کشتیوں کا رخ شہر کی طرف کر دیا۔ چونکہ راجپوتوں کی اور بھی بہت سی کشتیاں ساحل پر موجود تھیں اس لئے مسلمانوں نے انہیں بھی اپنے تصرف میں لے لیا۔

جب یہ کشتیاں شہر اور مندر کے قریب پہنچیں تو انہوں نے اس طرف سے راجپوتوں کو کشتیاں دوڑائے لاتے دیکھا۔ وہ فوراً ان کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ یہی مسلمانوں کی کشتیاں تھیں جو مندر سے کشتیوں میں آنے والے راجپوتوں کو ملی تھیں۔

باب ۳۴

نہنگِ اَجل

ہم بیان کر آئے ہیں کہ مندر میں سے بھاگنے والے راجپوت جو کشتیوں میں سوار ہو کر فرار ہوئے تھے، مسلمانوں کی کشتیاں دیکھتے ہی گھبرا گئے اور سہی نگاہوں سے مسلمانوں کو دیکھنے لگے تھے۔

انہیں مسلمانوں پر بڑا غصہ آ رہا تھا کہ انہوں نے خشکی اور تری دونوں ہی طرف سے ان پر یورش کر دی تھی لیکن ساتھ ہی اس خیال سے خوف بھی معلوم ہو رہا تھا کہ مسلمان ان کی طرح انسان ہی ہیں یا جیسا کہ مشہور ہے کہ وہ دیو یا جن بھوت ہیں، ان تینوں میں سے کوئی مخلوق ہیں۔

انہوں نے بندرگاہ کی طرف دیکھا، وہاں ایک بھی جہاز یا کشتی نظر نہ آئی۔ چونکہ وہ سراسیمگی کی حالت میں بھاگے تھے اس لئے سمندر میں دور تک انہوں نے نگاہ نہ ڈالی تھی ورنہ انہیں اپنے جہاز سمندر میں دور تک بھاگتے ہوئے نظر آ جاتے اور وہ شاید سمندر میں کود پڑنے کی غلطی نہ کرتے۔

اب بندرگاہ سے نگاہیں اٹھا کر جو انہوں نے دیکھا تو دور سمندر کے افق میں انہیں جہازوں کے مستول نظر آئے۔ ان کے دل بحرِ رنج والم میں ڈوب گئے، حوصلے پست ہو گئے اور ہمتیں جواب دے گئیں۔

وہ خوفزدہ نگاہوں سے کبھی مسلمانوں کو، کبھی بیم و ہراس کی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

ہارون، برہان اور ان کے ساتھی اپنی کشتیوں کو ان کی طرف بڑھائے لئے چلے آ رہے تھے۔ چونکہ وہ کشتیاں چلانے کے فن سے ناواقف تھے اس لئے الٹے سیدھے پتوار چلا رہے تھے جس سے کبھی تو کشتیاں سیدھی ہو کر راجپوتوں کی کشتیوں کی طرف دوڑنے لگتی تھیں اور کبھی ترچھی ہو کر ادھر ادھر جھک جاتی تھیں۔

جوں جوں یہ کشتیاں راجپوتوں کے قریب ہوتی جاتی تھیں ان کا خوف و ہراس بڑھتا جاتا تھا

اور فرطِ رعب و دہشت سے روحیں خاکی کا بدانوں میں پھڑ پھڑانے لگتی تھیں۔

انسان جوش، غصہ، غم اور خوف میں دیوانہ ہو جاتا ہے اور وہ اکثر ایسی حرکتیں کر بیٹھتا ہے جو خود اس کے لئے مضر ہوتی ہیں۔ چنانچہ ان راجپوتوں نے بھی غیر مہذبانہ اور مضحکہ خیز یہ حرکت کی کہ دور ہی سے مسلمانوں کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔

عام مسلمان تو سمجھے بھی نہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں لیکن ہارون اور دو چار دوسرے لوگ ان کی زبان کچھ سمجھنے لگے تھے۔ وہ سن رہے تھے مگر خاموش تھے۔ گالیاں سن کر بھڑ کے نہیں، نہ جواب میں دشنام طرازی شروع کی بلکہ نہایت اطمینان سے کشتیوں میں بیٹھے رہے۔

راجپوت چاہتے تھے کہ کسی طرح کشتیاں واپس لوٹا کر پھر سمندر میں داخل ہو جائیں لیکن اب اس کا موقع نہیں رہا تھا۔ مسلمانوں کی کشتیاں پانی کو چیرتی ہوئی ان کے نزدیک ہوتی جاتی تھیں اور ان کی بارعب اور پُر ہول صورتیں ان سے قریب تر ہوتی جا رہی تھیں۔

مسلمانوں کو دیکھ دیکھ کر راجپوت اس طرح خوف زدہ ہوتے جاتے تھے جس طرح بندر شیروں کو دیکھ کر خائف ہو جاتے ہیں۔

آخر مسلمانوں کی کشتیاں راجپوتوں کی کشتیوں کے اس قدر پاس آ گئیں کہ مسلمان زقند لگا لگا کر ان کی کشتیوں میں کود گئے اور تلواریں کھینچ کھینچ کر خوفزدہ راجپوتوں پر جا پڑے۔

راجپوتوں نے بھی کھانڈے اٹھالئے اور اپنی حفاظت کے لئے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے لگے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی بہت سی کشتیاں تھیں جو دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ہندوؤں کی تو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ مسلمانوں کی کشتیوں میں کود جاتے البتہ مسلمان ان کی کشتیوں میں کود آئے تھے اور ان سے جنگ کر رہے تھے۔

راجپوت بھی جوش و غیرت میں آ کر بھڑ گئے تھے۔ اس وقت سمندر میں جنگ ہونے لگی تھی۔ جب کسی کا سر کٹتا تھا تو اچھل کر سمندر میں جا گرتا تھا اور تھوڑی دور تک سمندر کے نیلگوں پانی کو سرخ رنگ میں رنگ دیتا تھا۔ کبھی کبھی ہاتھ بھی کٹ کر سمندر میں جا پڑتے تھے اور اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی راجپوت اپنی جان بچانے کے لئے کشتی کے کنارے سے جا لگتا تھا اور کوئی مسلمان اسے کاٹ کر سمندر میں پھینک دیتا تھا۔

اس طرح کشتیوں کے قریب کا پانی سرخ ہو جاتا تھا۔ راجپوتوں نے چلانا شروع کر دیا تھا ان کی پرشور آواز سے سمندر گونجنے لگا تھا۔

مسلمان خاموش تھے لیکن ان کی تلواریں شور و شر کرتی دشمنوں کی کانٹ چھانٹ کر رہی

تھیں۔ ہر کشتی کے مسلمان یہ چاہتے تھے کہ دوسری کشتی والوں سے پہلے راجپوتوں کو کاٹ کر صاف کر دیں اس لئے مسلمان بڑی جانکاہی، بڑی جی داری سے جنگ کرنے لگے تھے۔

ادھر مسلمان اس فکر میں تھے کہ جس طرح بھی ممکن ہو جلد سے جلد انہیں ٹھکانے لگا کر مندر پر چڑھ جائیں اس لئے نہایت جوش وخروش سے بڑی گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ راجپوت مسلمانوں کو قتل کر رہے تھے اور مسلمان راجپوتوں کو کاٹ رہے تھے۔

یہ عجیب بات تھی کہ کشتیوں میں بہت کم لوگ مر مر کر گر رہے تھے زیادہ تر سمندر میں لڑھک رہے تھے پھر بھی تمام وہ کشتیاں جن میں راجپوت موجود تھے خون سے رنگتی چلی جا رہی تھیں۔

جو راجپوت زخمی ہو جاتے تھے اور زخموں کی شدت کی وجہ سے ان کے جسموں میں آگ سی لگ اٹھی تھی وہ ٹھنڈک پہنچانے کے لئے سمندر میں کود جاتے تھے بغیر اس امر کا خیال کئے ہوئے کہ سمندر کے پانی میں غرق ہو کر رہ جائیں گے۔

رفتہ رفتہ ان کی تعداد کم ہوتی چلی جا رہی تھی۔ مسلمانوں کی تلواروں نے انہیں کھیتی کی طرح کاٹ کاٹ کر بچھانا شروع کر دیا تھا۔

اگر چہ راجپوتوں کی تعداد اب بھی مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھی اور اگر وہ ہوش وخرد اور جوش وجرأت سے کام لیتے تو ممکن تھا کہ مسلمانوں کو مار بھگاتے لیکن ان پر مسلمانوں کا کچھ ایسا رعب اور کچھ ایسی دہشت طاری ہو گئی تھی کہ ان کے حوصلے پست ہو گئے تھے اور جرأت کوچ کر گئی تھی۔

وہ صرف مدافعت کر رہے تھے مسلمانوں کے ہولناک حملوں سے بچنے کی کوشش میں معروف تھے، جارحانہ حملے بالکل نہ کر رہے تھے اور مسلمان بڑھ بڑھ کر وار کر رہے تھے۔ ان کی تلواریں نہایت پھرتی سے اٹھ رہی تھیں اور بڑی تیزی سے کھانڈوں کے ٹکڑے اڑا رہی تھیں۔ ڈھالوں کو پھاڑ رہی تھیں اور راجپوتوں کے سر وتن کے فیصلے کر رہی تھیں۔

راجپوت بھی مر رہے تھے مگر آسانی کے ساتھ نہیں، زخم کھاتے تھے ادھر ادھر کشتیوں میں دوڑ لگاتے تھے اور جب شدید زخمی ہو جاتے تھے تو سمندر میں کود پڑتے تھے۔

مگر جب راجپوتوں نے دیکھا کہ مسلمانوں نے ان سب کے مار ڈالنے کا قصد ہی کر لیا ہے اور ان کی بے پناہ تلواریں ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گی تو وہ گھبرا گئے اور بغیر کسی پس وپیش کے کشتیوں سے کود کود کر سمندر میں جا پڑے۔ اس طرح ان کے وجود سے تمام کشتیاں خالی ہو گئیں اور وہ سب نہنگ اَجل کے منہ میں جا پڑے۔

مسلمانوں کو اس نظارہ سے بڑی عبرت حاصل ہوئی۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ جب کوئی

راجپوت سمندر میں چھلانگ لگاتا ہے تو دو تین مرتبہ ڈبکیاں کھاتا، سَر اُبھار کر حسرت بھری نگاہوں سے اپنے اردگرد دیکھتا اور پانی کی تہ میں اتر جاتا۔

یہ نظارہ بڑا تکلیف دہ تھا۔ ہارون نے اس نظارہ سے متاثر ہو کر کہا:

''کاش یہ لوگ امان مانگ لیتے پھر انہیں قید کر لیا جاتا اور ان کی جانیں بچ جاتیں۔''

لیکن غیور راجپوتوں میں سے کسی ایک نے بھی امان نہ مانگی اور وہ یا تو تلواروں کی بھینٹ چڑھ گئے یا سمندر کی نذر ہو گئے۔

جب ان کا وجود ہی مٹ گیا تب مسلمانوں نے اللہ اکبر کا پرزور نعرہ لگایا۔ آج پہلی مرتبہ سمندر کے اس حصہ نے خالقِ برتر، واحدِ مطلق اور خدائے برحق کا نام اس کی عظمت وجلال کی صفت کے ساتھ سنا۔

اب مسلمانوں نے کشتیاں مندر کی فصیل کی طرف بڑھا دیں اور چونکہ اب کوئی ان کی مزاحمت کرنے کے لئے باقی نہ رہا اس لئے وہ بلا کسی دقت اور رکاوٹ کے فصیل تک پہنچ گئے۔

مندر کے پشت کی جانب سمندر کی طرف بڑی لمبی اور چوڑی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ انہی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر سومنات مندر کے پنڈے یا پجاری روزانہ غسل کیا کرتے تھے۔

یہ سیڑھیاں سمندر کے اندر بنتی چلی گئی تھیں۔ مسلمانوں نے اپنی کشتیاں ان سیڑھیوں کے کنارہ کنارہ دور تک پھیلا دیں اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے پڑھتے کشتیوں سے اتر کر سیڑھیوں پر چڑھنے لگے۔

ان کا خیال تھا کہ شاید مندر میں ابھی تک جنگ ہو رہی ہو اور اس طرف سے راجپوت ان کے داخلہ میں کچھ مزاحمت کریں اس لئے وہ شمشیر بکف ہو کر چل رہے تھے۔

لیکن جب وہ سیڑھیاں عبور کر کے مندر کے اندر داخل ہوئے تو انہوں نے وہاں سراسیمگی اور ابتری پھیلی ہوئی دیکھی۔ مسلمانوں کے رسالے مندر کے تمام صحن میں بکھرے پڑے تھے۔

مسلمانوں نے ایک طرف سلطان محمود کو کھڑے دیکھا۔ ان کے پاس گرو پجاریوں کا ہجوم تھا۔ یہ سب بھی اسی طرف روانہ ہو گئے۔

معلق بت کا راز:

جب ہارون اور برہان سلطان محمود کے پاس پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ صدہا پنڈے ذات ہمایوں کے گرد کھڑے تھے۔

ہارون کو دیکھتے ہی سلطان محمود نے خوش ہو کر کہا:

''اوہ! تم بھی آ گئے۔ ہارون!! کیا تم نے بندرگاہ فتح کر لی؟''

ہارون نے سرِ نیاز جھکا کر کہا:

''جی ہاں اقبالِ سلطانی سے بندرگاہ فتح ہو گئی۔ اس وقت خشکی اور سمندر پر جہاں پناہ کا قبضہ ہو گیا ہے۔''

سلطان نے مسرت بھرے لہجہ میں کہا:

''یہ اللہ تعالیٰ کا انعام و احسان ہے۔ سب سے بڑی خوشخبری یہ ہے ہارون!! چندر موہنی بھی مل گئی۔''

یہ سن کر ہارون کا چہرہ جوشِ مسرت سے تمتما اٹھا۔ انہوں نے کہا:

''اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اعلیٰ حضرت کی محنت ٹھکانے لگی۔''

سلطان محمود: ''ہاں اس کا احسان ہے۔ تم نے یہ چھوٹا مندر دیکھا ہے ہارون؟''

سلطان محمود نے اس مندر کی طرف اشارہ کیا جس میں ایک سیاہ بت معلق قائم تھا۔

ہارون: ''نہیں عالم پناہ، میں نے نہیں دیکھا۔''

سلطان محمود: ''بے شک نہ دیکھا ہو گا۔ اس میں حیرتناک بات یہ ہے کہ بت کسی چیز پر قائم نہیں ہے۔ یہ پنڈے کہتے ہیں کہ یہ بت صدیوں سے اسی طرح قائم ہے اور اسی طرح قائم رہنا اس بت کا معجزہ ہے۔ آؤ میں دکھاؤں۔''

یہ کہتے ہی سلطان محمود مندر کی طرف گھوم گئے۔ ہارون اور برہان دونوں ان کے پیچھے چلے۔ سلطانی رسالہ کے کچھ سوار بھی ساتھ ہو لئے اور کچھ پنڈے بھی چلے۔

ہارون نے مندر میں داخل ہو کر یہ حیرت انگیز نظارہ دیکھا کہ ایک سیاہ بت بغیر کسی سہارے کے مندر کے عین بیچ میں قائم ہے۔

مندر کے اندر دیواروں پر سیاہ رنگ پھرا ہوا تھا، چھت بھی سیاہ تھی۔

ہارون اور برہان دونوں نے حیران کن نگاہوں سے بت کو دیکھا، دیواروں کو دیکھا، چھت اور فرش کو دیکھا۔ کسی طرف بھی کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے ظاہر ہوتا کہ بت کو کوئی چیز سہارا دیئے ہوئے ہے۔

سلطان محمود نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

''دیکھا تم نے ہارون!''

ہارون: "جی دیکھا پیرومرشد۔"
سلطان محمود: "تعجب انگیز بات ہے یا نہیں؟"
ہارون: "بے شک عقل حیران ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا یہ کیا معاملہ ہے، کس چیز پر بت قائم ہے؟"
سلطان محمود: "ہم بھی دیر سے غور وخوض کر رہے ہیں لیکن کسی بات پر رائے نہیں جمتی۔ اگر دھرمپال ہوتے تو یہ معمہ حل ہو جاتا۔"
ہارون: "بہت ممکن تھا وہ اس کی اصلیت ظاہر کر دیتے لیکن وہ مقید ہیں۔"
سلطان محمود: "ابھی تک قید ہی ہیں؟"
ہارون: "شاید، یہ پتہ نہیں چلا کہ وہ کس جگہ قید ہیں۔"
سلطان محمود: "بات یہ ہے کہ ابھی تک گھڑی بھر اطمینان سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔ اسی لئے ان کی تلاش و تجسس نہیں کی جا سکی۔ انشاءاللہ اب سراغ لگایا جائے گا۔"
ہارون: "مہاراجہ کا کیا حشر ہوا ظل اللہ؟"
سلطان محمود: "معلوم ہوا ہے وہ جنگ میں مارا گیا۔ افسوس یہ ہے کہ اس نے از خود یا کسی کے بہکانے سکھانے میں آ کر مصالحت سے انکار کر دیا ورنہ......... سومنات کا یہ حشر ہوتا نہ مہاراجہ مارا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا جو ہوا۔"
ہارون: "انہوں نے اپنے لشکر کی کثرت پر غرور کیا اور غرور اللہ تعالیٰ کو مطلق بھی پسند نہیں ہے اس لئے یہ عبرتناک انجام ہوا۔"
سلطان محمود: "کبریائی خدا کی چادر ہے۔ جو تکبر و غرور کرتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہو جاتا ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہو جاتا ہے اس کا انجام ایسا ہی ہولناک ہوا کرتا ہے لیکن ہم کیا ذکر لے بیٹھے، تذکرہ تھا اس معلق بت کا۔"
ہارون: "بے شک جہاں پناہ!! ہم باتوں میں کہیں کے کہیں نکل گئے۔ ٹھہریئے میں امتحان کر لوں کہ کوئی تار یا اور چیز تو ایسی نہیں ہے جس پر یہ بت لٹک رہا ہو۔"
سلطان محمود: "ہاں دیکھو۔"

ہارون بڑھ کر بت کے قریب جا کھڑے ہوئے اور تلوار میان سے نکال کر انہوں نے بت کے چاروں طرف اور اوپر نیچے چلائی مگر کوئی چیز بھی تلوار سے مَس نہ ہوئی۔

شاید ابھی تک ہارون کو یہ خیال تھا کہ بت کسی ایسے سیاہ تار سے لٹک رہا ہے جو ہر طرف سیاہ رنگ و روغن ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتا ہے لیکن جب انہوں نے تلوار چلا کر یہ اطمینان کر لیا کہ بت نہ

کسی چیز پر قائم ہے نہ کسی شے سے بندھا ہوا لٹک رہا ہے تو انہیں کمال حیرت ہوئی۔ ایسی حیرت کہ ان کا منہ کھلا اور آنکھیں پھیلی رہ گئیں۔

سلطان محمود ان کی حالتِ تحیر دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا:

''کہو امتحان کر لیا تم نے؟''

ہارون: ''جی ہاں امتحان کر لیا۔ سخت استعجاب ہے۔''

سلطان محمود: ''اب تم ان ہندوؤں کے عقیدے کے متعلق کیا کہتے ہو کہ یہ بت اپنے معجزے کی وجہ سے معلق ہے؟''

ہارون: ''میں اس بات کو نہیں مانتا۔''

سلطان محمود: ''کیا استدلال ہے تمہارے پاس اس کا؟''

ہارون: ''سب سے پہلی بات تو یہی ہے کہ اگر اس بت میں معجزہ دکھانے کی طاقت ہوتی تو میرے تلوار چلانے سے ناخوش ہو کر مجھے کوئی سزا دیتا۔''

سلطان محمود: ''ٹھیک کہا تم نے مگر اس کے معلق لٹکنے کا راز..................''

ہارون: ''ابھی لاینحل ہے۔ میرے خیال میں عام پنڈوں کو تو نہیں البتہ خاص خاص پجاریوں کو جو عمر رسیدہ ہیں اس کا راز معلوم ہوگا۔''

سلطان محمود: ''تب ان سے دریافت کرو۔''

ہارون: ''وہ ہرگز بھی آسانی سے اس راز کو نہ بتائیں گے۔''

سلطان محمود: ''پھر کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟''

ہارون: ''جلالتماب اس مندر کے تمام پجاریوں کی گرفتاری کا حکم دے دیں۔''

سلطان محمود، ہارون، برہان اور سب لوگ مندر سے باہر نکل آئے۔ سلطان محمود نے پنڈوں سے مخاطب ہو کر کہا:

''اس مندر کے تمام پجاری ایک طرف آ جائیں۔''

سب پجاری ایک طرف چلے۔ تقریباً ساٹھ ستر پجاری تھے۔

سلطان محمود نے پوچھا:

''کوئی اور تو باقی نہیں رہ گیا؟''

ایک بڈھے پجاری نے کہا:

''جی نہیں!''

سلطان محمود نے سپاہیوں سے مخاطب ہو کر کہا:

''ان سب کو گرفتار کر لو!''

سپاہی پجاریوں کی طرف بڑھے۔ پنڈے خوف و ہراس سے کانپنے لگے۔ سپاہیوں نے انہیں حراست میں لے لیا۔

ہارون نے ایک پجاری سے پوچھا، جو کچھ کہنا چاہ رہا تھا:

''کیا تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟''

پجاری نے سہمی ہوئی پست آواز میں کہا: ''جی ہاں!''

ہارون: ''تم میرے پیچھے چلے آؤ۔''

سپاہیوں نے اسے چھوڑ دیا اور وہ ہارون کے پیچھے پیچھے چل کر مندر کے دروازہ پر پہنچا۔

ہارون نے کہا:

''کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔''

پجاری: ''ہم نے سنا تھا کہ مسلمان اور سلطان محمود مذہبی رہنماؤں کو کوئی آزار نہیں پہنچاتے؟''

ہارون: ''تم نے سچ سنا تھا۔ اس وقت جو تم لوگوں پر یہ سختی کی گئی ہے وہ اس لئے کہ تمہارا وہ بت جس کے تم پجاری ہو اور جو معلق ٹھہرا ہوا ہے تمہیں اپنے معجزہ سے بچائے۔ سلطان محمود اس کے معجزہ کا امتحان لینا چاہتے ہیں۔''

پجاری: ''شاید حضور نے یہ نہیں سمجھا کہ یہ دیوتا کیوں اور کیسے اس طرح قائم ہیں؟''

ہارون: ''سلطان محمود یہی معلوم کرنا چاہتے ہیں۔''

پجاری: ''اگر میں یہ راز بتا دوں؟''

ہارون: ''تو تم اسی وقت چھوڑ دیئے جاؤ گے اور ممکن ہے تمہیں کچھ انعام بھی مل جائے۔''

پجاری: ''اور میرے بالک (بچے) اور استری (بیوی)؟''

ہارون: ''انہیں بھی امان دے دی جائے گی۔''

پجاری: ''آپ اس کے ذمہ دار ہیں؟''

ہارون: ''ہاں میں ذمہ دار ہوں، میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔''

پجاری: ''اچھا تو سنیں!! یہ بت خالص لوہے کا ہے۔''

ہارون: ''یہ تو اس کی بناوٹ سے ہی معلوم ہوتا ہے۔''

پجاری: ''اس مندر کی چاروں دیواروں اور چھت اور فرش پر سنگ مقناطیس کی چادریں اس حکمت

سے لگائی گئی ہیں کہ ہر طرف سے اس کی کشش برابر پڑتی ہے اور مقناطیسی پتھروں کی یہ کشش لوہے کے بت کو سنبھالے ہوئے ہے۔''

ہارون کا استعجاب فوراً ہی دور ہو گیا۔ یہ بات ان کی سمجھ میں بھی آ گئی۔ وہ سلطان کے پاس آئے اور ان سے یہ باتیں بیان کر دیں۔ سلطان محمود نے کہا:

''اگر ایسا ہے تو کسی طرف کی دیوار گرانے سے بت گر جائے گا۔''

ہارون: ''یقیناً، اس کا امتحان کر لیا جائے؟''

سلطان محمود: ''ضرور امتحان کرو۔''

ہارون نے چند سپاہیوں کو مندر کی شرقی دیوار گرانے کا حکم دیا۔ اگرچہ یہ بات ہندوؤں کو سخت ناگوار گزری لیکن وہ محکوم ہو چکے تھے، قضاو قدر نے انہیں غلام بنا دیا تھا اور غلاموں کا کوئی مذہب باقی نہیں رہا کرتا اس لئے وہ خاموش رہ گئے اور سپاہیوں نے چشم زدن میں دیوار کھود کر گرا دی۔

دیوار کے گرتے ہی بت بھی اوندھا ہو کر گرا۔ مسلمانوں نے خوش ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ جو ہندو اس حکمت سے خبردار نہیں تھے وہ بھی بت کو اس طرح گرتے دیکھ کر حیران رہ گئے۔

سلطان محمود نے کہا: ''کس قدر چالاک ہیں یہ ہندو۔ پجاریوں نے اپنی دوکان چلانے کے لئے کیسا جال پھیلا رکھا تھا۔ عام ہندو اس بت سے کس قدر عقیدت رکھتے ہوں گے!''

ہارون: ''ہم لوگ ہی جب حیران رہ گئے تھے تو ان عقیدت کیش ہندوؤں کا کیا ذکر ہے۔ یہ تو اسے دیوتا نہیں بلکہ خدا مانتے ہوں گے!''

سلطان محمود: ''یقیناً لیکن میرے خیال میں یہ راز منکشف ہونے پر بھی ہندوؤں کی عقیدت میں کوئی فرق نہ آئے گا۔''

ہارون: ''وہ مجبور ہیں، انہیں دیوی دیوتاؤں کے نام سے اس قدر ڈرا دیا جاتا ہے کہ وہ ان کی نہ تذلیل گوارا کرتے ہیں اور نہ اپنے عقیدہ سے ہٹ سکتے ہیں .... عالم پناہ میں نے پجاری کی رہائی کا وعدہ کر لیا ہے جس نے یہ راز بتایا تھا۔''

سلطان محمود: ''صرف اسی کو نہیں بلکہ تمام پجاریوں کو رہا کرا دو۔ یہ مذہبی رہنما ہیں۔''

ہارون: ''مگر میں نے اس سے انعام کا بھی وعدہ کیا ہے!''

سلطان محمود: ''اسے انعام دے دیا جائے گا، آؤ چلو۔ اب سومنات کے بت دیکھیں۔''

ہارون: ''چلئے۔''

اب یہ سومنات کے بت کی طرف روانہ ہوئے۔

باب ۳۴

بُت شکن

جب سلطان محمود سومنات کے مندر کے دروازہ پر آئے تو تمام پنڈے وہاں موجود تھے۔وہ سر جھکائے پیکرِ رنج وحسرت بنے کھڑے تھے۔التونتاش اور امیر علی خویشاوند بھی وہیں تھے۔

سلطان محمود کو دیکھتے ہی پنڈے رکوع کی شان سے جھک گئے اور انہوں نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ان کے یہاں مہاراج اور ہیراج کی تعظیم کا یہی طریقہ تھا۔

سلطان محمود ان کے درمیان میں سے ہو کر مندر کی سیڑھیوں پر چڑھے اور پھاٹک پر جا کر رکے۔ذات ہمایوں کے عین پیچھے التونتاش، امیر علی خویشاوند، ہارون، برہان اور چند دوسرے وفادار اور جاں نثار افسرانِ فوج تھے۔ان فوجی سرداروں کے پیچھے پنڈوں کا لشکر تھا۔

اگر مسلمانوں نے سومنات کو فتح نہ کر لیا ہوتا اور پنڈوں کی حالت غلامانہ نہ ہو گئی ہوتی تو ناممکن تھا کہ کوئی مسلمان کسی حالت میں بھی مندر کے اندر داخل ہو سکتا۔

غرض مسلمان مندر کی عمارت میں داخل ہوئے اور جب انہوں نے اس کے ان عالیشان کمروں کو دیکھا جو درجہ بدرجہ تھے اور ان کی دیواروں میں جواہر اور الماس کو جڑے ہوئے دیکھا تو متعجب ہوئے۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ اس مندر کے اندر باہر کی روشنی نہ آتی تھی۔اگر چہ کمرے نہایت کشادہ، اونچے اور عالیشان تھے لیکن ان کے دروازوں کے سامنے دیواروں کے گھونگھٹ اس طرح قائم کئے گئے تھے کہ باہر کی روشنی کا عکس تک نہ آتا تھا۔ان کمروں میں چھپن ستون مرصع جواہرات کے لگے ہوئے تھے۔

سینکڑوں قندیلیں چھتوں میں آویزاں تھیں اور ان میں بھی جواہرات اور الماس جڑے ہوئے تھے۔در دیوار میں جواہرات نصب تھے اور ان الماس اور جواہرات کی ضو سے ان کمروں میں

رات میں بھی دن کی سی روشنی پھیلی رہتی تھی۔

سلطان محمود اور دوسرے مسلمان ان کمروں، کمروں کی دیواروں، قندیلوں اور مرصع بہ جواہر ستونوں کو دیکھتے ہوئے بڑھے۔ ایک وسیع کمرے میں انہیں حسین وجمیل داسیاں دلفریب لباس میں ملبوس، سونے اور جواہرات کے زیورات پہنے پری پیکر بنی کھڑی ہوئی ملیں۔

چونکہ وہ خوف زدہ تھیں اس لئے ان کے پیارے چہروں اور حسین آنکھوں سے خوف و ہراس ٹپک رہے تھے۔ سلطان محمود نے حیرت سے انہیں دیکھ کر پوچھا:

''یہ لڑکیاں کون ہیں اور یہاں کیوں آئیں؟''

مہا پجاری نے آگے بڑھ کر کہا:

''جگ داتا!! یہ لڑکیاں مندر کی داسیاں ہیں۔''

سلطان محمود سمجھے نہیں انہوں نے پوچھا:

''داسیاں کون ہوتی ہیں؟''

مہا پجاری نے بتایا کہ یہ ناچنے گانے والی مقدس لڑکیاں ہیں جو مہا دیو کے غسل اور پوجا کے اوقات میں ناچتی اور گاتی ہیں۔

سلطان محمود نے مسکرا کر کہا:

''تم لوگوں نے حظِ نفس کے لئے ان کھلونوں کو رکھ چھوڑا ہے مگر آج سے یہ سب لڑکیاں آزاد ہیں۔''

اب سلطان محمود بڑھ کر اس کمرہ میں پہنچے جس میں سونے کی وہ موٹی زنجیر لٹک رہی تھی جس کا وزن دو سو من تھا اور جس میں بے شمار گھنٹے اور گھڑیال نصب تھے۔ سلطان محمود نے انہیں دیکھا اور جب ان کی نظر چھت پر پڑی تو دیکھا کہ تمام کمرہ میں باریک سونے کی زنجیروں کا جال بچھا ہوا ہے اور ان میں سونے کی چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں لٹک رہی ہیں۔

سلطان محمود نے دریافت کیا:

''یہ گھنٹیاں گھنٹے اور گھڑیال کس وقت بجائے جاتے ہیں؟''

مہا پجاری نے کہا:

''مہا دیو سومنات جی کی پوجا اور غسل کے وقت۔''

سلطان محمود: ''دوسرے اوقات میں تو نہیں بجائے جاتے۔''

مہا پجاری: ''بالکل نہیں۔''

سلطان محمود: ''ان کی آواز تو بہت پر شور ہوتی ہوگی۔''

مہا پجاری: ''جی ہاں۔''

سلطان محمود: ''اچھا انہیں بجاؤ ہم بھی سنیں۔''

مہا پجاری نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ اس نے پنڈوں کو اشارہ کیا اور تقریباً دو سو پنڈوں نے آ کر زنجیر کو اپنی پوری طاقت سے کھینچنا شروع کیا۔

زنجیر کے کھینچتے ہی گھنٹیاں، گھنٹے اور گھڑیال ایسی پر شور آواز سے بجے کہ سلطان محمود اور دوسرے مسلمانوں نے فوراً اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور اشارہ سے زنجیر کھینچنے کو منع کر دیا۔

پنڈے ہٹ گئے۔ سلطان محمود نے کہا:

''کس قدر شور دار آواز گونجتی ہے لیکن تم تو کہتے تھے کہ یہ گھنٹے اور گھڑیال سومنات کے غسل اور پوجا کے وقت ہی بجائے جاتے ہیں۔ اس وقت کیسے بجا دیئے تم نے؟''

مہا پجاری: ''حضور کے حکم کی تعمیل میں اس وقت بجائے گئے!''

سلطان محمود: ''مذہب کے سامنے کسی کے حکم کی تعمیل کوئی وقعت نہیں رکھتی اور یہ اگر سچ ہے تو سومنات سے زیادہ تم نے میرا احترام کیا ہے اور اس سے تمہیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ سومنات ایک پتھر کا بت ہے جو کوئی اصل حقیقت نہیں رکھتا۔ اگر وہ پوجے جانے کے قابل ہوتا، اگر کوئی قوت و طاقت اس میں ہوتی، اگر وہ نفع نقصان پہنچا سکتا تو ہم مسلمانوں کو فنا کر دیتا۔ تم نے جو خلافِ وقت گھنٹے بجائے تم پر اپنے قہر نازل کرتا لیکن وہ تو پتھر کی ایک تصویر ہے۔ جس جگہ اسے رکھ دیا ہے رکھا رہے گا، جہاں ڈالو گے پڑا رہے گا۔ اس کی پرستش سے کیا فائدہ ہے؟''

مہا پجاری: ''ہم بھی جانتے ہیں ان داتا کہ یہ بت ہے لیکن اس کی صورت مہادیو جی کی صورت کے مشابہ ہے۔ ہم اسے مہادیو سمجھ کر اس کی پوجا کرتے ہیں۔''

سلطان محمود: ''یہ اور بھی غلطی ہے۔ ایک فرضی تصویر بنانا اور اسے پوجنا ذی فہم انسان کا کام نہیں!''

مہا پجاری خاموش ہو گیا۔ سلطان محمود نے کہا:

''مسلمان اپنی مسجدوں میں پانچ وقت اذان کہتے ہیں اگر کوئی خلافِ وقت اذان دینے کے لئے ان سے کہے یا انہیں مجبور کرے تو وہ ہرگز اذان نہ دیں گے۔ خواہ مار ہی کیوں نہ ڈالے جائیں۔ مذہب وہ ہے جس کی بنیادیں مستحکم اور مستقل ہوں۔ تم نے اپنے مذہب کو خود مضحکہ خیز بنا رکھا ہے۔''

یہ کہتے ہی سلطان محمود آگے بڑھے اور اب اس چبوترہ کے سامنے جا کھڑے ہوئے جس پر

مہا دیو جی کا بت تھا۔

سلطان محمود نے اس بت کو دیکھا۔ داسیاں، پنڈے اور مسلمان سب مؤدب کھڑے تھے۔

سلطان محمود نے کہا:

''یہ وہ بت ہے جس کی عزت وعظمت ہندوستان بھر کے ہندوؤں کے دلوں میں ہے۔ جسے بچانے کے لئے بڑے بڑے راجہ مہاراجہ بڑے بڑے لاؤلشکر کے ساتھ آئے اور جی توڑ کر خوب لڑے لیکن نہ وہ اور نہ ان کا خدا (سلطان محمود نے سومنات کے بت کی طرف اشارہ کیا) ان کی کچھ بھی مدد کر سکا۔ میں آج اس باعظمت وجلال بت کا خاتمہ کئے ڈالتا ہوں، میرا گرز لاؤ۔''

یہ سن کر مہا پجاری کانپ گیا اور جب اس نے پنڈوں اور داسیوں کو سلطان کی گفتگو کا مطلب سمجھایا تو سب لرز اٹھے۔

مہا پجاری نے آگے بڑھ کر سلطان کے پاؤں پکڑ لیے اور بولا:

''ان داتا یہ جور نہ توڑیے گا۔ اس سے ہندوستان بھر کے ہندوؤں کے دل ٹوٹ جائیں گے ہندو جاتی (قوم) کو بڑا صدمہ پہنچے گا۔''

سلطان محمود: ''نہیں مہا پجاری!! اس سے انہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ پتھر کے ایک بے اصل بت کی پرستش کرتے رہے تھے۔ اس کی جس میں عظمت وجلال کا نام بھی نہ تھا۔ وہ دھوکہ میں پڑے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ ان کے دلوں پر جو اس بت کا رعب چھایا ہوا ہے وہ دور ہو جائے گا اور پھر وہ کسی بت کی بھی پرستش نہ کیا کریں گے۔''

مہا پجاری: ''لیکن ان داتا کو شاید یہ بات معلوم نہیں کہ ہندوستان کے ہندو بتوں، دریاؤں، درختوں، جانوروں، رینگنے والے کیڑوں، سورج، ستاروں اور دوسری چیزوں کو پوجتے ہیں۔

سلطان محمود: مجھے معلوم ہے اور ان کی عقل وسمجھ پر سخت افسوس ہوتا ہے۔ میرے خیال میں تو ہندو ڈرپوک اور اوہام پرست قوم ہے۔ جس سے ڈرنے لگتی ہے اسی کو معبود سمجھ کر اس کی پرستش شروع کر دیتی ہے۔

''دراصل میں تو یہ سمجھا ہوں کہ ہندو سچے مذہب اور حقیقی معبود کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں اسی لئے وہ ہر اس چیز کی پوجا شروع کر دیتے ہیں جو انہیں ضرر پہنچا سکتی ہے! ان سے کہہ دو کہ ان کے دلوں کو تسکین اسلام کے دامن میں پناہ لینے سے مل سکتی ہے۔ مسلمانوں کا خدا ہر وقت اور ہر جگہ موجود رہتا ہے۔

''وہ واحد ہے، زبردست وقت والا ہے۔ بڑا مہربان اور نہایت قہار ہے۔ جو اس کی طرف

جھکتا ہے، اس پر مہربانی فرماتا ہے، جو اس سے روگردان ہوتا ہے اس پر اپنا قہر نازل فرماتا ہے۔ زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ فرماتا ہے۔ اس کا نور ایسا لطیف ہے کہ انسانی آنکھ دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی۔ سب اسی کی پرستش کریں، اسی کے سامنے جھکیں، وہ انہیں نوازے گا اور انہیں ایک زبردست قوم بنا دے گا۔''

اس وقت التونتاش نے گرز سلطان محمود کے سامنے پیش کیا۔ سلطان محمود گرز لے کر چبوترہ پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے بولے:

''ہندوؤ!! میں تمہارے اس معبود کے ٹکڑے کرتا ہوں۔ تم اس سے کہو کہ اگر اس میں کوئی قوت ہے تو مجھے یہاں سے ہٹا دے یا میرا خاتمہ کر ڈالے۔''

پنڈے انتہائی رنج و خوف بھری نگاہوں سے سلطان محمود کو دیکھ رہے تھے۔ مہا پجاری نے پھر سلطان محمود کے قدم چومے اور دست بستہ ہو کر کہا:

''اے ان داتاؤں کے ان داتا!! ہمارے معبود توڑ کر ہمارے دلوں کو صدمہ نہ پہنچایئے۔ ہم نے سنا کہ آپ اس مندر کی دولت کا حال سن کر حملہ آور ہوئے ہیں۔ ہم ساری دولت آپ کے حوالہ کئے دیتے ہیں اور اس مہادیو کی مورتی کا اندازہ کرا لیجئے۔ یہ سینکڑوں من وزنی ہے اتنا ہی سونا ہم دیں گے لیکن اسے نہ توڑیئے۔''

سلطان محمود نے برہم ہو کر کہا:

''مہا پجاری!! تم نے غلط سنا، میں دولت کے لالچ میں حملہ آور نہیں ہوا ہوں۔ میرے حملہ کرنے کی وجہ تمہارے مہاراجہ کو معلوم تھی، میں نے قاصد بھیج کر انہیں متنبہ کر دیا تھا لیکن انہوں نے میری عرضداشت پر کچھ توجہ نہ کی۔ میں دولت نہیں چاہتا تم مجھے ایک کوڑی بھی نہ دو لیکن بت پرستی سے توبہ کر لو میں ابھی واپس چلا جاؤں گا۔''

مہا پجاری: ''لیکن حضور!! جس چیز کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں ہم اسے کیسے چھوڑ دیں؟''

سلطان محمود: ''تب تم اپنے معبود کا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔''

یہ کہتے ہی سلطان محمود نے گرز اٹھایا۔ تمام پنڈے اور ساری داسیاں سلطان محمود کے قدموں میں آ گرے اور رو رو کر کہنے لگے۔

''مہاراج!!! او ہیراج!! ہم پر رحم کیجئے، ہمارے معبود کو نہ توڑیئے۔ ہم اس کے عوض جس قدر زر و جواہر ہم سے طلب کئے جائیں گے دیں گے۔''

سلطان محمود نے جوش میں آ کر کہا:

''کیا تم مجھے بت فروش مشہور کرنا چاہتے ہو؟ حاشا میں بت فروش نہیں ہوں، کسی قیمت پر

بھی اس بت کو نہ بیچوں گا۔ میں بت شکن ہوں اور بت شکن ہی کے نام سے مشہور ہونا چاہتا ہوں۔''

مہا پجاری نے پھر کہا:

''ذرہ نواز!! میں اس بت کو جواہرات سے تول دوں گا۔ آخر کہئے تو آپ اس کے عوض کتنی دولت لینا چاہتے ہیں؟''

سلطان محمود: ''اگر تم اس مندر کی تمام عمارتوں کو بھی سونے چاندی سے بھر دو یا اتنا سونا اور جواہرات مجھے دے دو کہ میں انہیں اٹھا کر غزنی نہ لے جا سکوں میں تب بھی اسے تمہارے ہاتھوں میں فروخت نہ کروں گا، ضرور اس بت کو توڑ ڈالوں گا۔

''تم نے اسے خدا کا ہمعصر بنا رکھا ہے۔ مسلمان اس کفرو ذلالت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ میں مسلمان ہوں، سچا اور پکا مسلمان، دولت کا لالچ میرے اعتقاد اور میرے قدموں کو نہیں ڈگمگا سکتا۔''

یہ کہتے ہی سلطان محمود نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور گرز اٹھا کر پوری طاقت سے سومنات کے سر پر حملہ کیا۔

سلطانی ضرب سے پتھر کا مضبوط بت کھل گیا چونکہ وہ اندر سے کھوکھلا تھا اس لئے اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ جوں ہی اس کا پیٹ پھٹا اس میں سے بیش بہا ہیرے، موتی، پکھراج، زمرد و لعل اور سنگِ یمانی کے اتنے بڑے بڑے ٹکڑے برآمد ہوئے کہ ان کی چمک دمک سے تمام کمروں میں ایسی تیز روشنی پھیل گئی جیسے اچانک آفتاب چھت کو پھاڑ کر اندر گھس آیا ہو۔

یہ منظر دیکھ کر مسلمانوں نے خوش ہو کر پھر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ سلطان محمود نے مسرور ہو کر مہا پجاری سے کہا:

''میرے اللہ تعالیٰ کی عظمت و برکت دیکھی؟ جتنی دولت تم دیتے ہو اس سے سو حصے زیادہ اس بت میں سے نکل آئی۔''

اب سلطان محمود نے تمام زر و جواہر ایک جگہ جمع کرنے کا حکم دیا اور سونے کی موٹی اور پتلی زنجیریں بھی کھولی اور توڑی جانے لگیں۔ قندیلیں اتاری جانے لگیں۔ در دیوار میں سے جواہرات کھرچے جانے لگے اور تہ خانوں میں سے دولت سمیٹی اور اکھٹی کی جانے لگی۔

جب یہ تمام چیزیں ایک جگہ ڈھیر کی گئیں تو اس قدر تھیں کہ چشم فلک نے بھی شاید کبھی ایک جگہ اس قدر جمع نہ دیکھی ہو گیں۔ ان کی قیمت کا اندازہ ہی نہ ہو سکا۔ خود سلطان محمود اس قدر دولت دیکھ کر حیران رہ گئے۔

حیرت ناک تاریخی داستان:

سلطان محمود نے سیم وزر اور جواہرات قلعہ میں لے چلنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے اس بے شمار دولت کو مندر سے قلعہ میں منتقل کرنا شروع کر دیا۔ پنڈے حسرت ورنج بھری نگاہوں سے دیکھتے رہ گئے۔

سلطان محمود التونتاش کو مندر میں چھوڑ کر امیر علی خویشاوند، ہارون، برہان اور چند اور افسران کو ساتھ لے کر قلعہ میں آئے۔

جن کمروں میں سلطان محمود ٹھہرے ہوئے تھے ان میں ہی سے ایک کمرہ میں دولت کے انبار لگائے جانے لگے۔ ذات ہمایوں نے امیر علی کو اس جگہ متعین کر کے ہدایت کر دی کہ جب تمام خزانہ آ جائے تب اسے مقفل کر کے پہرہ لگا دیں اور خود آرام گاہ کی طرف لوٹے۔ ہارون اور برہان نے رخصت ہونے کی اجازت چاہی تو سلطان محمود نے کہا:

''چلو ہمارے ساتھ ہی خاصہ کھانا تناول کرنا!''

یہ زبردست عزت افزائی تھی۔ دونوں نے سلطان محمود کا شکریہ ادا کیا اور ان کے ساتھ چلے۔ جوں ہی وہ کمروں میں داخل ہوئے سلطان محمود نے دھرمپال کو بیٹھے دیکھا۔ چندر موہنی، شوبھا دیوی اور کامنی بھی بیٹھی تھیں۔ سلطان محمود کو دیکھتے ہی سب اٹھ کر کھڑے ہوئے۔ دھرمپال نے اسلامی طریقہ پر کہا: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔''

سلطان محمود سلام کا جواب دیتے ہوئے آغوش کشادہ ہو کر ان کی طرف بڑھے۔ دھرم پال بھی بڑھے اور دونوں بغل گیر ہو کر ملے۔

کمرہ کے اندر اس وقت جس قدر افراد بھی موجود تھے سب ہی یہ نظارہ دیکھ کر متحیر ہوئے۔

سلطان محمود مسندِ زرنگار پر بیٹھ گئے۔ دھرمپال، ہارون اور برہان ان کے سامنے بیٹھے اور چندر موہنی، کامنی اور شوبھا دیوی داہنی طرف بیٹھ گئیں۔

چندر موہنی اور کامنی کبھی کبھی دزدیدہ نگاہوں سے ہارون کو دیکھ لیتی تھیں۔ اگرچہ ہارون کا دل بھی چاہتا تھا کہ چندر موہنی کو دیکھے لیکن رعبِ شاہی کی وجہ سے سر جھکائے، نظر نیچی کئے بیٹھے تھے۔ ادھر ادھر دیکھنے کی جرأت بھی نہ ہوتی تھی۔

سلطان محمود نے دھرمپال سے کہا:

''آپ کیسے رہا ہوئے؟''

دھرمپال نے شوبھا دیوی کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا: ''ان دیوی کی بدولت !!''

سلطان محمود بھی معنی خیز نگاہوں سے شوبھا دیوی کو دیکھ کر مسکرائے۔ شوبھا دیوی نے مسکرا کر سر جھکایا۔ یہ نظارہ بھی سب نے دیکھا اور سب ہی کو تعجب ہوا۔

اس عرصہ میں خاصہ آ گیا۔ خادموں نے کھانا چنا۔ سلطان محمود نے کہا:

''بیٹی چندر موہنی !! کیا تم ہمارے ساتھ کھانے میں شرکت کرو گی؟''

دھرمپال نے جلدی سے کہا: ''جلالت مآب ابھی اسے شریک نہ کریں تو اچھا ہے۔''

سلطان محمود: ''اچھا لیکن تم اور شوبھا دیوی!''

دھرمپال: ''ہم ضرور شریک ہوں گے۔''

چندر موہنی اور کامنی دونوں دھرمپال کے اس جواب پر چونک پڑیں۔ دونوں نے حیرت بھری نگاہوں سے دھرمپال اور شوبھا دیوی کو دیکھا۔ دھرمپال نے ان کی تحیر آمیز نظروں سے جان لیا کہ وہ ملامت کر رہی ہیں۔ انہوں نے تمسخرانہ لہجہ میں کہا:

''تم دونوں حیران ہو رہی ہو، تم نہیں جانتیں کہ سادھو اور جوگن کا مذہب کیا ہے!''

سلطان محمود: ''کھانا کھانے کے بعد یہ گفتگو ہو گی۔ (خادماؤں سے) اِن دونوں لڑکیوں کے لئے کھانا تیار کر دیا گیا ہے؟''

خادم: ''جی ہاں!!''

سلطان محمود: ''فوراً لے آؤ۔''

خادم گئے اور پنڈتوں کے سروں پر تھال لدا لائے۔ کامنی اور چندر موہنی کے سامنے بھی کھانا لگا دیا گیا۔ ان دونوں نے کبھی غیر مردوں کے سامنے کھانا کہاں کھایا تھا لیکن رعبِ شاہی کی وجہ سے انکار بھی نہ کر سکیں۔

سب نے کھانا کھانا شروع کیا۔ دھرمپال اور شوبھا دیوی سلطانی خاصہ میں شریک ہو گئے۔ کامنی اور چندر موہنی شرما شرما کر کھانا کھانے لگیں۔

کھانے کے بعد سلطان محمود نے دھرمپال سے کہا:

''آج مبارک دن ہے۔ سومنات فتح ہو گیا ہے، بے شمار دولت ہاتھ آئی ہے! چندر موہنی، تم اور شوبھا دیوی مل گئے ہو۔ اب ضرورت ہے کہ اس راز کا انکشاف کرایا جائے۔''

دھرمپال: ''بہت اچھا۔ تو کیا مجھے اس راز کا حال بیان کرنا ہو گا؟''

سلطان محمود: ''تم سے زیادہ کوئی شخص موزوں نہیں معلوم ہوتا۔''

اب دھرمپال سب کی طرف مخاطب ہو کر بولے:

''میرے بچو!! آج میں ایک تاریخی داستان بیان کرتا ہوں۔ یہ افسانہ نہیں ہے بلکہ سچی اور پُردرد کہانی ہے۔ اس کا لفظ لفظ غور سے سننا۔''

انہوں نے سلطان محمود سے کہا:

''کیا اجازت ہے کہ میں ایک تاریخی داستان بیان کروں؟''

سلطان محمود: ''بیان کرو لیکن مختصر طور پر، تفصیلات میں نہ پڑ جانا۔''

دھرمپال: ''میں اختصار سے عرض کروں گا۔

میرے بچو!! ۳۹۰ھ کا ذکر ہے کہ ملتان کا قرمطی فرمانروا ابوالفتح داؤد تھا۔ اس نے اپنے جدید مذہب کی تبلیغ شروع کی۔ اس وقت ملتان میں جو مسلمان آباد تھے ان پر زور ڈالا کہ وہ آئین قرمطی قبول کرلیں۔ بعض اس کے کہنے میں آ گئے بعض نے انکار کیا۔ جن لوگوں نے انکار کیا، ابوالفتح داؤد ان کا دشمن ہو گیا اور ان پر طرح طرح کی سختیاں شروع کیں۔ اس کے ان مظالم کی اطلاع جب غازی سلطان محمود کو ہوئی تو وہ لشکر لے کر اس کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے لیکن موسم برسات آ گیا۔ بارشیں اس کثرت سے ہوئیں کہ ندی نالے اور دریا چڑھ گئے اور شاہی لشکر کا ان دریاؤں کو عبور کر کے ملتان پر حملہ آور ہونا ناممکن ہو گیا۔

اس زمانہ میں پشاور سے لاہور تک راجہ انندپال کی حکومت تھی۔ سلطان محمود نے راجہ سے درخواست کی کہ وہ شاہی لشکر کو اپنی قلمرو میں سے گزرنے کی اجازت دے دے لیکن انندپال نے نہ صرف سلطان محمود کی اس درخواست کو ٹھکرا دیا بلکہ اس طمع میں کہ سلطان محمود اس وقت پریشان ہیں انہیں شکست دے کر غزنی پر قبضہ کر کے اپنی فوجوں کو فراہم کرنا شروع کر دیا۔

یہ خبر بیدار مغز سلطان محمود کو بھی ہو گئی۔ سلطان محمود نے ہمت نہیں ہاری بلکہ ملتان کی مہم سے پہلے انندپال سے جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

چنانچہ پرجوش سلطان محمود نے انندپال پر حملہ کر دیا۔ ہندو مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکے، بھاگے اور بری طرح بھاگے۔ سلطان محمود نے ان کا تعاقب کیا۔ راجہ جنگلوں میں گھس گیا۔ سلطان محمود نے درختوں کو کٹوانا اور جنگلوں میں آگ لگانا شروع کیا تو اَنندپال گھبرا گیا اور سلطان محمود سے رحم و کرم کی درخواست کی۔

ابھی سلطان محمود اس کی درخواست کا کوئی فیصلہ نہ کرنے پائے تھے کہ انہیں معلوم ہوا کہ ابوالفتح داؤد سراندیپ کی طرف بھاگنا چاہتا ہے۔ چونکہ اس نے مسلمانوں پر مظالم کئے تھے اس لئے

سلطان محمود نے انند پال کا تعاقب چھوڑ کر ملتان کا رخ کیا اور دو منزلہ سہ منزلہ کر کے ملتان کا محاصرہ جا کیا۔

سات ہی روز کے محاصرہ میں ابوالفتح داؤد کو معلوم ہو گیا کہ قلعہ عنقریب فتح ہو ہی جائے گا اس لئے اس نے سلطان محمود کے بے حد منت سماجت کی۔ اپنے گناہوں کا اقرار کر کے توبہ کی۔ سلطان محمود نے اسے معاف کر دیا اور غزنی لوٹ گئے۔ اعلیٰ حضرت کا ہندوستان پر یہ چوتھا حملہ تھا۔

۳۹۸ھ میں سلطان محمود نے ایک عظیم الشان لشکر تیار کیا اور انند پال کی سزا دہی کیلئے چل پڑے۔ جوں ہی انند پال نے اس خبر کو سنا اُس نے ہندوستان بھر کے راجاؤں اور مہاراجاؤں کو لکھا:

سلطان محمود ہندوستان سے ہندوؤں کو بے دخل کرنا اور ہندو مذہب کو مٹانا چاہتا ہے۔ اگر ہندو جاتی کو قائم رکھنا ہے تو میری مدد کرو۔ اگر میری مدد نہ کی اور مجھے شکست ہو گئی تو سلطان محمود کے ہاتھوں میں ہندوستان کی کنجی آ جائے گی اور پھر کوئی راجہ بھی محفوظ نہ رہ سکے گا۔ راجاؤں کے دلوں پر یہ تحریر اتر کر رہ گئی اور اجین، کالنجر، قنوج دلی، اجمیر اور گوالیار کے راجاؤں نے اپنے منتخب لشکر انند پال کی مدد کے لئے بھیج دیئے۔

اس جنگ کی تیاری میں ہندو امیر عورتوں نے اپنے سونے چاندی گلا کر اور جواہرات بیچ کر اور مفلس عورتوں نے چرخہ پونی (۱) کات کر جنگی سامان تیار کرنے میں مدد دی تھی۔

انند پال بھی وہیں پہنچ گیا۔ دونوں لشکر چالیس روز تک آمنے سامنے پڑے رہے۔ اس عرصہ میں کسی نے بھی پیش قدمی نہیں کی۔

دراصل انند پال کو مزید فوجوں کے آنے کی امید تھی اور قریب قریب روزانہ دستوں پر دستے چلے آ رہے تھے۔

اس عرصہ میں انند پال نے گکھڑوں کو فوج میں بھرتی کرا لیا۔ یہ قوم نہایت جفاکش اور جنگجو تھی۔ بیس ہزار گکھڑ بھرتی ہو گئے۔

آخر ایک دن انند پال نے ان بیس ہزار گکھڑوں کو اسلامی لشکر کی طرف بڑھا دیا اور خود بھی ان کے پیچھے اپنا بے شمار لشکر لے کر حملہ آور ہوا۔ اگر چہ سلطان نے ہر قسم کی پیش بندی کر لی تھی لیکن گکھڑ مسلمانوں میں گھس ہی گئے اور انہوں نے بے دریغ اسلامی مجاہدوں کو شہید کرنا شروع کر دیا۔ مسلمان بھی ان کے مقابلہ میں آ گئے لیکن مشکل یہ ہوئی کہ ایک طرف سے گکھڑوں نے حملہ کیا تھا اور دوسری

۱۔ از تاریخ ہندوستان جلد اول، صفحہ ۲۷۷

طرف سے انند پال نے۔ اسلامی لشکر دونوں کے مقابلہ میں آ گیا لیکن دشمنوں نے مسلمانوں کو تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا اور چونکہ یہ حملہ غیر متوقع طور پر اچانک ہوا، پھر ہندوؤں کا تمام لشکر ایک دم مسلمانوں پر آ ٹوٹا اس لئے مسلمانوں کا کافی نقصان ہوا۔ تین ساڑھے تین ہزار آدمی چشمِ زدن میں شہید ہو گئے۔ اگرچہ مسلمانوں نے بھی پانچ چھ ہزار راجپوتوں کو مار ڈالا لیکن پلہ ہندوؤں ہی کا بھاری رہا اور غضب پر غضب یہ ہوا کہ وحشی گکھڑوں نے سراپردہ پر حملہ کر دیا۔

شکیب ارسلان سراپردہ کا محافظ اپنی پوری قوت سے گکھڑوں پر حملہ آور ہوا اور اس زور شور سے لڑا کہ ان کے قدم اکھڑ گئے مگر وہ بھاگتے ہوئے شکیب ارسلان کی بیٹی نوشابہ کو اٹھا کر لے گئے۔

نوشابہ کی عمر اس وقت صرف ایک سال تھی۔ نہایت خوبصورت بچی تھی۔ جو اسے دیکھتا وہی اسے پیار کرنے پر مجبور ہو جاتا۔ شاید گکھڑوں کو بھی وہ پسند آئی۔ اس کی والدہ ستارہ کو اس قدر رنج و قلق ہوا کہ وہ بے ہوش ہو گئی۔

جب شکیب ارسلان نے گکھڑوں کو شکست دی اس وقت انند پال کے بیشمار لشکر سے غازی سلطان محمود جنگ کر رہے تھے۔ نہایت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ اگرچہ مسلمان جی توڑ کر بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے لیکن نظر یہ آ رہا تھا کہ ہندوؤں کا لشکر مسلمانوں کو کچل کر رکھ دے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی اعانت مسلمانوں کے شاملِ حال تھی۔ اتفاق سے وہ ہاتھی جس پر انند پال سوار تھا، بگڑ کر بھاگا۔ ہاتھی کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر ہندوؤں نے سمجھا کہ انند پال کو شکست ہو گئی ہے، وہ بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔

مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ عبدالرطائی اور شکیب ارسلان دس ہزار سواروں سے ان کے تعاقب میں دوڑے اور آٹھ ہزار راجپوتوں کو قتل کر کے واپس لوٹے۔ دیگر سرداروں نے بھی بہت سے راجپوتوں کو مرگ جام پلایا۔ اس طرح مسلمانوں کو فتحِ عظیم حاصل ہوئی۔ یہ غازی سلطان محمود کا ہندوستان پر چھٹا حملہ تھا۔

اس جنگ میں ہندوستان کے بڑے بڑے راجہ مہاراجہ شریک ہوئے تھے۔ لاتعداد لشکر لائے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ہزیمت دی۔ یوں تو مسلمانوں کو شاندار اور نمایاں فتح حاصل ہوئی لیکن یہ زبردست نقصان پہنچا کہ نوشابہ کافروں کے پنجہ میں چلی گئی جس سے شکیب ارسلان کا دل ٹوٹ گیا اور وہ فوجی خدمات سے سبکدوش ہو گیا۔

ہر چند غازی سلطان محمود نے نوشابہ کی واپسی کے لئے کوشش کی لیکن مطلب براری نہ ہوئی۔ یہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ وحشی گکھڑ اس معصوم بچی کو کہاں لے گئے اور اسے کس کے حوالہ کر دیا۔ اس قدر کہہ کر دھرم پال رُک گئے۔ ان کے چہرہ سے کچھ افسردگی اور اضمحلال کے آثار ظاہر ہونے لگے۔

باب ۳۵

انکشافِ راز

دھرمپال کی تاریخی داستان سب نہایت غور اور توجہ سے سن رہے تھے۔ اب تک انہوں غازی سلطان محمود کے دوحملوں کا ذکر کیا تھا۔

دھرمپال نے پھر سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:

میں ایک بات بیان کرنا بھول گیا۔ شکیب ارسلان اور الپ ارسلان دو بھائی تھے، دونوں غازی سلطان محمود کے لشکر میں سردار تھے اور دونوں بھائیوں پر سلطان محمود حد سے زیادہ مہربان تھے۔

جس جنگ کا میں نے ذکر کیا یعنی وہی یادگارِ زمانہ چھٹا حملہ جس میں نوشابہ گم ہوگئی شکیب ارسلان کو اس لڑائی میں ایک اور ناقابل برداشت صدمہ بھی پہنچا۔ وہ یہ کہ اس کا بھائی الپ ارسلان شہید ہوگیا اور اس نے اپنی یادگار ایک تین سالہ فرزند چھوڑا۔ اس کی بیوی کا انتقال پہلے ہی ہو چکا تھا۔

چونکہ دونوں بھائیوں شکیب ارسلان اور الپ ارسلان میں بہت زیادہ محبت تھی اور اس وقت تک دونوں کے ایک ایک لڑکا اور لڑکی ہوئے تھے، اس لیے عہدِ طفلی ہی میں ان دونوں کی منگنی کر دی گئی تھی۔

سوچا یہ تھا کہ جب خیر سے دونوں جوان ہو جائیں گے تب ان کی شادی کر دیں گے۔ دونوں بچے بڑے خوبرو تھے۔ جو انہیں دیکھتا پھر دیکھنے کے لئے آتا۔

''دونوں بھائی خوش تھے۔ ان کے بڑے ہونے کا انتظار کر رہے تھے اور نہیں جانتے تھے کہ ان کی قسمتوں میں کیا لکھا ہے۔ شکیب ارسلان نے سلطان محمود کو جوں توں رضامند کر کے اپنی بچی کو تلاش کرنے کی اجازت لی اور معہ اپنی بیوی کے پشاور ہی میں رہ گیا۔ اور مسلمان بھی پشاور میں رہتے تھے جو ہندوؤں کی زبان سمجھ لیتے اور ان سے خاصی گفتگو کر لیتے تھے۔

شکیب ارسلان نے اول ان مسلمانوں سے ہندوؤں کی زبان سیکھی اور جب قدرے

مہارت ہوگئی تو پھر سنسکرت شروع کی لیکن ہندو بڑی مشکل سے سنسکرت پڑھانے پر تیار ہوئے۔ وہ بھی بہت کچھ لالچ دینے اور یہ اقرار لینے پر کہ کسی سے، یہ ذکر نہ کیا جائے گا کہ انہیں فلاں آدمی سنسکرت پڑھا رہے ہیں۔

شکیب ارسلان خود ہی اس کی شہرت نہیں چاہتا تھا۔ غرض نہایت رازداری کے ساتھ تعلیم جاری رہی اور چار پانچ برسوں میں سنسکرت پر عبور حاصل کرلیا۔

شکیب ارسلان خود بھی سنسکرت پڑھتا تھا اور اپنی بیوی کو بھی پڑھاتا تھا۔

سنسکرت سے زیادہ ادق اور سخت زبان شاید ہی دنیا میں کوئی ہو۔ اس کا حاصل کرنا لوہے کے چنے چبانے سے کچھ کم نہ تھا لیکن یہ لوہے کے چنے نوشابہ کی وجہ سے چبانے پڑے۔

اس عرصہ میں شکیب ارسلان صرف سنسکرت ہی کی تعلیم نہ حاصل کرتا رہا بلکہ نوشابہ کا سراغ لگانے میں بھی مصروف رہا۔ اس نے ان گکھڑوں سے راہ رسم پیدا کی جو پشاور اور اس کے گردونواح میں آباد تھے اور انہیں کچھ ایسا اپنایا کہ وہ خود بھی نوشابہ کی تلاش و تجسس میں لگ گئے۔

یہ عجیب بات ہے کہ شکیب ارسلان اور اس کی بیوی جس قدر نوشابہ کو بھولنے کی کوشش کرتے رہے اسی قدر اس کی یاد دل میں چٹکیاں لیتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ پانچ سال کی مدت گزر جانے پر بھی وہ اسے نہ بھول سکے تھے اور انہیں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کل ہی ان سے ان کی قرۃ العین چھینی گئی ہو۔

ایک روز اتفاق سے ایک گکھڑ شکیب ارسلان کے پاس آیا اور اس نے کہا:

ان گکھڑوں میں سے ایک جو نوشابہ کو اٹھا کرلے گئے تھے، آیا ہے۔ وہ اس لڑکی کا کچھ پتہ بتاتا ہے۔

شکیب ارسلان فوراً اُس کے ساتھ ہولیا۔ پشاور سے باہر ایک جوگی ایک کٹیا میں رہا کرتا تھا۔ ایک بوڑھا گکھڑ اس کے پاس مہمان ہوا تھا۔ اس مہمان کے پاس دونوں پہنچے۔ اس سے دورانِ گفتگو میں معلوم ہوا کہ لڑکی کو وہی اٹھا کرلے گیا تھا۔

اسے معصوم بچی سے ایسی محبت ہوگئی کہ وہ اس خوف سے کہ کہیں مسلمان اسے اس سے چھین نہ لیں، اجمیر چلا گیا۔ اتفاق سے مہاراجہ اجمیر نے اس لڑکی کو دیکھ لیا اور انہوں نے اسے لینے کی خواہش ظاہر کی۔ گکھڑ اسے دینا نہ چاہتے تھے لیکن وہ مہاراجہ کو کچھ ایسی پسند آ گئی تھی کہ وہ اسے بہ جبر لینے پر آمادہ ہوگیا۔ آخر مجبور ہو کر لڑکی مہاراجہ کے حوالہ کردی گئی اور مہاراجہ نے اس کے عوض لڑکی کے ہم وزن چاندی اسے دی۔

مہارانی کو وہ لڑکی بہت زیادہ پسند آئی اور انہوں نے اسے پرورش کرنا شروع کیا۔ حسنِ اتفاق سے اجمیر میں مہاراجہ سومنات آ گئے۔ انہوں نے جب اس لڑکی کو دیکھا تو اس قدر اس کے گرویدہ ہوئے کہ مہاراجہ اجمیر سے اسے مانگ لیا۔

اس لڑکی کی تمام داستان انہیں معلوم ہو گئی تھی۔ مہاراجہ سومنات کے کوئی اولاد نہ تھی، وہ اسے لے کر چلے گئے۔

یہ واقعات معلوم کر کے شکیب ارسلان کو بڑی خوشی ہوئی انہوں نے وہاں سے آ کر اپنی بیوی کو تمام حال سنایا۔ وہ بھی کمال مسرور ہوئی لیکن سومنات بہت دور سمندر کے کنارہ پر واقع تھا۔ سو، یہ مشکل امر تھا کہ غازی سلطان محمود کو اس کی اطلاع کی جاتی اور وہ سومنات پر حملہ آور ہونے کے لئے تیار ہو جاتے۔

چنانچہ شکیب ارسلان اور اس کی بیوی دونوں ہی سومنات جانے کو تیار ہوئے اور خفیہ خفیہ تیاریاں کرنے لگے۔ انہوں نے طے کر لیا کہ وہ اسلامی لباس میں نہ جائیں گے کیونکہ جنوب کے ہندو مسلمانوں کی تاک میں رہتے تھے۔

انہوں نے فقیری لباس بدلا، ہندو سادھوؤں کا سا اور وہاں سے اجمیر کی طرف چل پڑے۔ چونکہ وہ ہندوؤں ہی کی زبان سے نہیں بلکہ سنسکرت کے بھی خوب ماہر ہو گئے تھے اس لئے کسی نے بھی نہ پہچانا کہ وہ کون ہیں بلکہ انہیں تارک الدنیا سادھو سمجھ کر ان کی بڑی آؤ بھگت ہوتی رہی۔ جس جگہ وہ گئے وہاں کے ہندوؤں نے ان کی تعظیم و تکریم اور خدمت کی۔

انہوں نے مشہور کر دیا کہ وہ سومنات کی زیارت کے لئے جا رہے ہیں اور چونکہ وہ سنسکرت میں گفتگو کرتے تھے اس لئے مہاوَردھان (زبردست عالم) سمجھے گئے اور ان سے پہلے ان کی شہرت سومنات میں پہنچ گئی۔

آخر وہ سومنات میں داخل ہو گئے اور جنگل کے کنارہ پر ایک کٹیا بنا کر رہنے لگے اور اس فکر میں رہے کہ کسی طرح مہاراجہ تک رسائی ہو جائے تا کہ نوشابہ سے مل سکیں۔

آخر ان کی شہرت مہاراجہ کے کانوں تک بھی پہنچی اور وہ ان سے ملنے کے لئے ان کی کٹیا پر آئے۔ پہلی ہی ملاقات میں مہاراجہ ان کے معتقد ہو گئے اور انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ ان کی بیٹی راجکماری چندر موہنی کو تعلیم دیا کریں۔

شکیب ارسلان نے اس بات کو منظور کر لیا۔ اگلے ہی روز چندر موہنی معہ بہت سی کنیزوں کے آئی۔ اس کی عمر سات آٹھ برس کی تھی۔ شکیب ارسلان اور اس کی بیوی نے پہلی نظر میں ہی اسے

پہچان لیا، وہ نوشابہ تھی، ان کی لختِ جگر!

"دونوں کے دل تڑپ اٹھے۔ چاہا کہ دل کھول کر اسے پیار کریں اور اسے بتا دیں کہ وہ اس کے والدین ہیں لیکن افشائے راز سے جان جانے کا ڈر تھا اس لئے ضبط وصبر کیا اور تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا......................"

انہوں نے پھر سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:

جب شکیب ارسلان نے چندر موہنی سے گفتگو کی تو اسے معلوم ہوگیا کہ یہ بچی اپنے آپ کو راجکماری سمجھتی ہے۔ اسے اس کے بچپن کے واقعات کچھ بھی یاد نہیں ہیں۔ وہ اپنے والدین اور اپنی قوم کو بھول چکی ہے۔ اس کی تربیت راجکماریوں کی طرح ہوئی ہے۔

شکیب ارسلان نے اسے پڑھانا شروع کیا اور مدت تک پڑھاتے رہے۔ چونکہ اکثر مہاراجہ بھی سادھو کی کٹیا میں آ کر اس سے باتیں کیا کرتے تھے اس لیے وہ سادھو کی صرف جید عالم ہی سمجھ کر عزت نہ کرتے تھے بلکہ اسے بڑا گیانی (عقلمند)، دوراندیش، معاملہ فہم اور سیاسیات سے واقف بھی جانتے تھے۔ چنانچہ مشکل اور اہم معاملات میں اس سے مشورہ لینے لگے۔

چندر موہنی یا نوشابہ نے منزلِ شباب میں قدم رکھا اور اس کے حسن و جمال کی شہرت سومنات سے نکل کر ہندوستان بھر میں ہوگئی۔

شکیب ارسلان نے اسے وہاں سے نکال لے جانے کی بڑی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ چندر موہنی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کون ہے اور اگر اسے بتایا جاتا تو اسے یقین نہ آتا۔

آخر شکیب ارسلان نے ایک خط کے ذریعہ سے ان تمام واقعات کی اطلاع سلطان محمود کو دی اور سلطان محمود نے فوراً حملہ کی تیاری کر دی۔

"اس حملہ کا جو کچھ نتیجہ ہوا اُسے میں اور آپ سب جانتے ہیں۔ چندر موہنی تُو نے سمجھ لیا کہ تُو نوشابہ ہے؟ شکیب ارسلان کی بیٹی اور شکیب ارسلان یہی دھرمپال تیرا گرو ہے!"

چندر موہنی کی آنکھوں سے دفعتاً پردہ سا اٹھ گیا۔ وہ اٹھی اور دھرمپال یعنی شکیب ارسلان کی آغوش میں جا گری اور بولی:

"آہ آپ میرے باپ ہیں! میں ترکی دوشیزہ ہوں ایک مسلمان لڑکی؟ جب آپ مجھے درس دیا کرتے تھے اس وقت بھی میرا دل آپ کی طرف کھنچتا تھا۔ اتنا جانتی تھی کہ آپ میرے گرو ہیں۔ میرے دل میں آپ کی عزت و تکریم ہے اس لئے یہ کیفیت ہو جاتی ہے۔ کیا جانتی تھی کہ یہ خون کی

کشش ہے! میری والدہ کہاں ہیں؟''

شکیب ارسلان: ''شو بھا دیوی تیری والدہ ہیں۔''

چندر موہنی کو بڑی حیرت ہوئی۔ وہ باپ کی آغوش سے نکل کر ماں کی گودی میں گھس گئی۔ شو بھا دیوی نے اسے سینہ سے لگا کر بھینچا، پیار کیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

ماں کی آغوش اور اس کا کیف اور ہی چیزیں ہیں۔ کوئی کیسے ہی ناز و نعم میں پرورش پائے لیکن ماں کی گود کی سی حالت اسے کسی کی آغوش میں حاصل نہیں ہو سکتی۔

آج پہلی مرتبہ نوشابہ نے ماں کی آغوش کا لطف اٹھایا۔ اس کی آنکھیں بھی مسرت کے آنسو بہانے لگیں۔ کچھ وقفہ کے بعد وہ اٹھ کر بیٹھی۔

شکیب ارسلان نے کہا:

''اب مجھے صرف ایک بات اور بتانی ہے اور وہ یہ کہ ہارون میرا بھتیجا ہے۔ وہی بچہ جو میرے بھائی کی یادگار ہے اور جسے میں عہدِ طفلی میں سلطان محمود کے سپرد کر آیا تھا۔''

اب ہارون کے حیران اور مسرور ہونے کی باری تھی۔ وہ خوش ہو گئے اور انہوں نے کہا:

''یا عم!! اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر و احسان ہے کہ اس نے ہم سب کو پھر ملایا۔''

شکیب ارسلان: ''ہاں اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ ایک مدت کے بعد یہ مسرت و انبساط کے لمحاتِ رنگیں میسر آئے ہیں۔ اگر سلطان محمود میری تحریر پا کر یہاں تشریف نہ لاتے تو......؟''

سلطان محمود: ''میں کیسے نہ آتا؟ کیسے یہ گوارا کر لیتا کہ ایک مسلم دوشیزہ کافروں کے پنجہ میں گرفتار رہے؟ میں مسلمان ہوں اور مسلمان کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔ ہارون......!''

ہارون نے سلطان محمود کی طرف دیکھا۔ سلطان محمود نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:

''تم نے مجھے کئی مرتبہ ایک تحریر لئے پڑھتے دیکھا تھا۔ میں نے تمہارے بشرہ سے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ تم اس بوسیدہ تحریر کو دیکھ کر حیران ہوئے ہو۔ کئی بار میرے دل میں آئی کہ میں تمہیں اس تحریر کے راز سے آگاہ کر دوں لیکن یہ سوچ کر خاموش رہا کہ شاید ایک دن خود ہی تم پر اس کا انکشاف ہو جائے۔ آج تم سمجھ گئے کہ وہ تحریر تمہارے چچا شکیب ارسلان کی تھی؟''

ہارون: ''سمجھ گیا ہوں پیر و مرشد!!''

سلطان محمود: ''چونکہ سب لوگ تھکے ہوئے ہیں اس لئے اب آرام کریں۔''

سب اٹھ کر کھڑے ہوئے اور دوسرے کمروں میں پہنچ کر آرام کرنے لگے۔ سلطان محمود نے ہارون کو ان کے چچا کے پاس قاصد بنا کر بھی اسی لئے بھیجا تھا کہ وہ انہیں دیکھ لیں اور اگر ممکن ہو تو یہ

اپنی چچیری بہن نوشابہ کو بھی دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام کیا کہ انہوں نے نہ صرف اسے دیکھا بلکہ ڈاکوؤں سے اسے بچایا بھی۔ نوشابہ ہوش ربا نگاہوں سے ہارون کو دیکھ رہی تھی۔ ہارون کی نظر بھی اس پر جا پڑی۔ وہ اس کی نشیلی آنکھیں دیکھ کر متوالے بن گئے۔ کامنی بھی ہارون کو دیکھ رہی تھی مگر حسرت اور افسوس بھری نگاہوں سے۔

دل شکستہ حسینہ:

اسی مبارک دن کی شام کو جبکہ مندر سومنات فتح ہوا اور وہاں سے کروڑوں روپے کے مالیتی سیم وزر اور جواہرات برآمد ہوئے تھے، اس راز کا انکشاف ہوا جو چندر موہنی کی ذات سے وابستہ تھا۔ مدت کے بچھڑے ملے تھے۔ چندر موہنی نوشابہ، دھرمپال شکیب ارسلان اور شوبھا دیوی، شکیب ارسلان کی بیوی ثابت ہوئی تھیں۔

اسی دن شام کو ہارون عصر کی نماز پڑھ کر باغیچہ کی طرف جا نکلے۔ یہ وہی باغیچہ تھا جس میں کبھی گل رخ مہوشوں کا جمگھٹ رہتا تھا۔ ان کے حسین قہقہے گونجتے رہتے تھے۔ ان کے حسن کی تنویر سے فضا منور رہتی تھی۔ آج وہی باغیچہ سنسان پڑا تھا۔ ہر طرف کچھ عجب اداسی اور حسرت برس رہی تھی۔

ہارون اپنے خیال میں غرق بغیر کسی طرف دیکھے ہوئے چلے جا رہے تھے کہ انہوں نے ہلکے قدموں کی چاپ سنی۔ ان کے چہرہ پر رونق آ گئی۔ وہ مسکرا کر گھومے۔ ان کی نگاہیں ہمہ تن شوقِ دید بن کر دوڑیں لیکن جب ان کی نظر کامنی پر پڑی جو سبک خرامی سے آ رہی تھی تو سارا اِشتیاق، چہرہ کی ساری رونق غائب ہوگئی۔

کامنی نے ایک ہی نظر میں ان کے چہرہ پر مسرت، آنکھوں میں خوشی کی جھلک اور اس کو دیکھتے ہی چہرہ کی افسردگی اور آنکھوں میں مایوسی کے آثار دیکھ لئے۔

اس کا پھول سا چہرہ کملا گیا۔ ہارون رک گئے تھے۔ وہ ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور شرمگیں نگاہوں سے انہیں دیکھ کر بولی:

''آپ نے شاید مجھے چندر موہنی سمجھا تھا!''

ہارون نے صاف دلی سے کہا:

''ہاں، بے شک، مگر چندر موہنی نہیں نوشابہ!''

کامنی: ''ہاں نوشابہ۔ اسی لئے آپ خوش ہوئے تھے لیکن مجھے دیکھ کر افسردہ ہو گئے۔''

ہارون: ''ایسی حالتوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ جب آنے کا کسی کے گمان ہو اور آ کوئی جائے تو

مسرت مایوسی اور دل گرفتگی میں منتقل ہو جایا کرتی ہے۔"

کامنی: "نوشابہ آپ کی منگیتر ہے؟"

ہارون: "یہ بات تو مجھے آج ہی معلوم ہوئی!"

کامنی: "لیکن آپ کو اس سے پہلے ہی سے محبت تھی؟"

ہارون: "مگر میرے محبت کرنے سے کیا ہوتا تھا؟"

کامنی: "آپ محبت کا جواب چاہتے تھے!"

ہارون: "ہاں!!"

کامنی: "افسوس.......... آپ سراب میں پانی کی بارش کر رہے تھے۔ پتھر میں نرماہٹ ڈھونڈ رہے ہیں، لوہے کو پگھلانے کی کوشش کر رہے ہیں اور آگ میں سے پانی نکالنا چاہتے ہیں۔"

ہارون نے حیرت سے اس کے رخِ روشن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"کیا وہ سنگدل ہے؟"

کامنی: "میں ایسا ہی سمجھتی ہوں ہارون................"

وہ حسرت بھری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔ ہارون نے نرمی سے کہا:

"کہو کامنی!! کیا کہنا چاہتی ہو؟"

کامنی: "کیا تمہارے دل میں کسی اور کی محبت کی گنجائش نہیں ہے؟"

ہارون: "تم شاید اس بات کو نہیں جانتیں کہ دل ایک ہوتا ہے اور ایک ہی سے محبت کر سکتا ہے۔"

کامنی نے گہرا ٹھنڈا سانس لے کر کہا:

"کبھی میں نے آپ پر کوئی احسان کیا تھا!"

ہارون: "مجھے وہ یاد ہے۔"

کامنی: "آج میں اس کا عوض چاہتی ہوں۔"

ہارون: "بولو کیا چاہتی ہو؟"

کامنی: "کیا آپ اب بھی میرے دل کے اثرات کو نہیں سمجھے؟"

ہارون: "اس وقت نہیں سمجھا تھا مگر اب سمجھ گیا۔ کامنی کیا تم ایک افسردہ دل اور حسرت زدہ مجسمہ پا کر خوش ہو جاؤ گی؟"

کامنی: "نہیں میں خوشی کی تلاش میں ہوں۔"

ہارون: "تب وہ تمہیں میرے پاس نہ مل سکے گی۔ اگر کچھ ملے گا تو ٹوٹا ہوا دل، بجھی ہوئی طبیعت،

مردہ جذبات اور ایک بے کیف ہڈیوں کا ڈھانچہ۔"

کامنی: "ہارون............ آخر آپ کیوں میرے سامنے آئے۔ کیوں میری مسرت کی دنیا کو تاراج کیا کیوں میرے احساسات سے کھیلے............ آخر آپ نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟"

یہ کہہ کر وہ رو پڑی اور اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا چاند سا چہرہ چھپا لیا۔ ہارون کے دل پر اس کے رونے کا بڑا اثر ہوا۔ انہوں نے تشفی بھرے لہجہ میں کہا:

"کامنی!!! اس میں میرا قصور نہیں ہے۔ قضائے قدر کے فرشتے مجھے کھینچ کر تمہارے سامنے لائے۔ مجبوری کے ہاتھوں میں کھینچا چلا آیا مگر............ تم نے اپنی خوابوں کی دنیا کیوں تعمیر کی......؟ تم نے اپنے جذبات کی رَو کو کیوں بہنے دیا؟ تم نے اپنے احساسات کی باگ کیوں چھوڑ دی؟

کامنی نے چہرہ پر سے ہاتھ ہٹا کر آنسو پیتے ہوئے کہا: "اپنی ناسمجھی سے!"

ہارون: "اب سمجھ سے کام لو، کامنی!!"

کامنی: "کوشش کروں گی۔ بھول نہ جانا ہارون!!"

اس نے انتہائی حسرت آمیز اور یاس بھری نگاہیں ہارون پر ڈالیں اور روتی ہوئی چلی گئی۔

ہارون نے آہستہ سے کہا:

"دل شکستہ حسین لڑکی............!"

وہ چل پڑے۔ کامنی فوارہ کے پاس آ کر اس کی منڈیر پر بیٹھ گئی اور دل بھر کر روئی۔ جب رونے سے ملال کا بادل چھٹ گیا تب وہ اٹھی۔ اس نے آہ بھر کر کہا:

"میں نے کیوں خوابوں کی دنیا تعمیر کی............ کیوں اپنے جذبات کی رَو بہنے دی............ کیوں اپنے احساسات کی باگ کو چھوڑ دیا............ بھول ہوئی بڑی بھول...... جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب سکھد یو کو یہاں سے لے کر نکل جاؤں، رنج و قلق ہوگا لیکن............ طبیعت بہل ہی جائے گی۔"

اس وقت آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ رات کی سیاہی دن کے اجالے پر غالب آ گئی تھی۔ وہ باغیچہ سے نکل کر محل میں آ گئی۔

اسے معلوم تھا کہ سکھد یو کس کمرہ میں قید ہے۔ وہ محل کے اکثر خفیہ دروازوں کو بھی کھولنا جانتی تھی۔ چنانچہ اس نے ایک مشعل بہم پہنچائی اور اس کے خیال میں جس کمرہ میں سکھد یو قید تھا اس سے دور ایک کمرہ میں داخل ہوئی اور خفیہ دروازے کھول کھول کر ایک کمرہ سے دوسرے میں جانے لگی۔

کامنی اس وقت بھی کمال مغموم اور نہایت رنجیدہ تھی۔ دراصل اس کا دل ٹوٹ چکا تھا۔ چہرہ

پر حسرت نے قبضہ کر لیا تھا۔ آنکھوں میں مایوسی چھا گئی اور وہ پیکرِ رنج وغم بن کر رہ گئی تھی۔

اتفاق سے اس نے جب ایک کمرہ کھولا تو اسے اس میں ایک آدمی بیٹھا نظر آیا۔ رنج وغم نے اس کی بصارت میں فرق ڈال دیا۔ اس نے سمجھ لیا کہ وہ شخص سکھدیو ہے۔

چنانچہ اس نے نہایت آہستگی سے کہا: ''آؤ..........''

ابھی اس قدر کہنے پائی تھی کہ بیٹھا ہوا شخص خوش ہو کر اٹھ کھڑا ہوا پھر اس کی طرف بڑھتے ہوئے مسرت بھرے لہجہ میں بولا:

''اوہ پری پیکر کامنی.......... اس وقت کیا جی میں آئی؟ کیسے ستم زدہ اور دل شکستہ شخص کو نوازنے کا ارادہ کیا۔''

کامنی نے اب غور سے اسے دیکھا وہ موہن سنگھ تھا، کامنی زرد پڑ گئی۔ وہ جس سے بچنے کی کوشش کرتی تھی اسی کے سامنے آ گئی تھی۔ اسے اپنی غلطی کا احساس اس وقت ہوا جب موہن سنگھ اس سے دو ہی قدم کے فاصلہ پر رہ گیا۔ اس نے اپنے حواس بجا کئے اور نہایت شیریں لہجہ میں کہا:

''ذرا ٹھہریئے!!''

موہن سنگھ نے نہ معلوم کیا سمجھا کہ رک گیا۔ کامنی جلدی سے گھومی اور بجلی کی طرح خفیہ دروازہ کو پھاند کر جلدی سے اسے بند کر کے اپنی پریشان طبیعت کو سنبھالنے لگی۔

جب تھوڑی دیر میں اسے سکون ہوا تو اس نے کہا:

''پرماتما نے بڑی خیر کی۔ سکھدیو شاید دوسرے کمرہ میں ہے۔''

وہ اٹھی اور اس کمرہ سے نکل کر دوسرے میں داخل ہوئی۔ اس میں سکھدیو سر جھکائے بیٹھا تھا۔ کامنی نے اسے غور سے دیکھ کر کہا: ''بھیا..........!!''

سکھدیو چونک کر اٹھا اور کامنی کو دیکھ کر خوش ہوتے ہوئے اس کی طرف بڑھ کر بولا:

''کامنی کیا تم مجھے رہا کرانے آئی ہو؟''

کامنی: ''ہاں!! لیکن آہستہ بولو کمرہ کے باہر پہرہ دار ہیں۔''

سکھدیو: ''چلو، جس راستہ سے تم آئی ہو اس سے نکل چلیں۔''

کامنی: ''آیئے۔''

دونوں چلے اور کئی کمروں میں سے گزر کر باغیچہ کی طرف گئے۔ باغیچہ کا خفیہ دروازہ کھولا اور سمندر کے ساحل پر جا نکلے۔ یہاں سے انہوں نے پیادہ پا انہلواڑہ کا راستہ لیا اور کچھ دور چل کر رات کے اندھیرے میں غائب ہو گئے۔

باب ۳۶

کافر اداخور حلقۂ اسلام میں

چندر موہنی کو حیرت بھی تھی اور مسرت بھی۔ حیرت اس بات کی کہ وہ ایک مسلم لڑکی ثابت ہوئی تھی اور مسرت والدین کے مل جانے کی۔ اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا کفر و شرک کا ماحول دیکھا تھا۔ وہ لوگ جنہوں نے اسے پرورش کیا صنم پرست تھے۔ جن گودوں میں پل کر پروان چڑھی وہ مشرک تھے، جن سہیلیوں میں وہ گھری رہی تھی وہ بت کی عقیدت مند تھیں۔

غرض اس نے آنکھ کھولتے ہی سب کو اصنام پرست پایا، خود بھی بت پرستی کی خوگر ہوگئی لیکن جب اس راز کا انکشاف ہوا جو اس کی ذات سے وابستہ تھا اور جس نے اسے مسلم لڑکی بنا دیا تھا تو اسے فکر ہوئی کہ کیا وہ اسلام قبول کرے یا انہیں لوگوں کے مذہب پر قائم رہے جنہوں نے اسے پرورش کیا تھا۔

وہ مہاراجہ سومنات کو پتا جی اور مہارانی کو ما تا جی کہتی تھی۔ وہ دونوں بھی اس سے بیٹی ہی جیسی محبت کرتے رہے تھے۔ خود اسے بھی ان کے ساتھ ایسی ہی محبت تھی جیسی بچوں کو والدین کے ساتھ ہوتی ہے اس لئے اسے مہاراجہ کے مارے جانے اور مہارانی کے فرار ہو جانے کا رنج و قلق تھا۔ اگر اس کے بس میں ہوتا تو وہ مہارانی کو ڈھونڈ نکالتی اور اس سے اسی قدر محبت اور اس کی اسی قدر عزت کرتی جیسے وہ اب تک کرتی رہی تھی۔

جب بھی اسے مہاراجہ یا مہارانی کا خیال آجاتا تو بے حد ملال ہوتا۔ شکیب ارسلان اور ان کی بیوی اس کی یہ حالت دیکھ کر اس کے غم کی وجہ سمجھ رہے تھے۔

چنانچہ اس کی والدہ نے کہا:

''بیٹی!! تو مہاراجہ اور مہارانی کو یاد کر کر کے رنجیدہ ہو رہی ہے۔ تیرے والد نے کوشش کی کہ مہاراجہ غازی سلطان محمود سے صلح کر لیں۔ یہ کوشش اسی وجہ سے تھی کہ انہوں نے تجھے اپنی بیٹی بنا کر پرورش کیا تھا، تجھے راجکماری بنا لیا تھا۔ تیری ہر خواہش پوری کرتے تھے۔ یہ ان کا احسان تجھ پر نہیں

کیونکہ تو نا سمجھدار اور واقعات سے ناواقف تھی بلکہ ہم پر احسان تھا اور ہم ان کے احسان کا بدلہ، هــــل جزاء الاحسان الا الاحسان.

یعنی احسان کا بدلہ احسان ہے، دینا چاہتے تھے لیکن مہاراجہ نے قبول و منظور نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ سومنات فتح ہو جائے، مہاراجہ مارے جائیں اور مہارانی بھاگ جائے۔ اب تیرے یا ہمارے رنج و غم کرنے سے کیا حاصل۔"

نوشابہ نے کہا:

"لیکن جب ان کی مہربانیاں، ان کی محبت اور ان کا سلوک یاد آ جاتے ہیں تو طبیعت افسردہ اور مغموم ہو ہی جاتی ہے۔ امی جان میرا یہ رنج و قلق رفتہ رفتہ کم ہوگا۔"

امی جان: "میں جانتی ہوں لیکن تُو اپنا خیال ہٹانے کی کوشش کر۔ کیا تیرے لئے یہ بات مسرت خیز نہیں ہے کہ تو نے اپنے والدین کی سچی محبت آفریں آغوش پائی؟"

نوشابہ: "ضرور مسرت خیز ہے لیکن امی جان میں آج تک بتوں کو پوجتی رہی ہوں۔"

امی جان: "مجھے معلوم ہے اور اسی لئے تیرے دل میں بتوں کا احترام ہے۔"

نوشابہ: "ہاں!"

امی جان: "ایسا ہی ہوتا ہے۔ جو شخص جس چیز کی پرستش کرتا ہے اسے آسانی سے نہیں بھولا کرتا۔ ایک زمانہ تھا جب دنیا جہاں میں کفر و شرک چھایا ہوا تھا۔ اہلِ عالم کسی نہ کسی طریقہ پر بت پرستی کرتے تھے۔ عربستان میں بھی گھر گھر بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ خود خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے۔ ہر قبیلہ کا بت جدا تھا۔ عرب اصنام پرست تھے۔ آخر غیرتِ خداوندی کو حرکت ہوئی، بتوں کے پجاریوں ہی میں سے ایک سعید ہستی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو پیغمبری کے لئے اللہ تعالیٰ نے منتخب کیا اور انہیں نبی بنا کر بھیجا۔ انہوں نے بہ آواز بلند منادی کی:

"لا الٰه الا اللّٰه"

"یعنی سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں ہے۔ چونکہ ان سے پہلی امتوں یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے نبیوں حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنا لیا تھا اس لئے آنحضور ﷺ نے یہ بھی پکار دیا:

"محمد رسول اللّٰه"

"یعنی محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ﷺ ہیں۔

"مطلب یہ کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بیٹے نہیں ہیں بلکہ اس کے بندہ اور

ایلچی ہیں۔ میری بیٹی ان کی آواز نے ساری قوم کو بیدار کر دیا۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی — عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگا دی — اک آواز میں سوتی دنیا جگا دی

پڑا ہر طرف غل یہ پیغام حق سے
کہ گونج اٹھے دشت و جبل نام حق سے

آپ ﷺ نے فرمایا: ''بتوں کو تم نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے وہ پتھروں یا دھات کی مورتیاں ہیں ان میں اتنی بھی طاقت نہیں ہے کہ اپنے جسم پر بیٹھی ہوئی مکھی کو بھی اڑا سکیں۔ تعجب ہے تم ان کی پرستش کرو۔''

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق — زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق — اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو لو اپنی اس سے لگاؤ
جھکاؤ تر سر اس کے آگے جھکاؤ

اسی پر ہمیشہ بھروسہ کرو تم — اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم — اسی کی طلب میں مرو جب مرو تم

مبرا ہے شرکت سے اس کی خدائی
نہیں اس کے آگے کسی کی بڑائی

''میری بیٹی!! اس آواز کو سنتے ہی عرب بیدا ہو گئے۔ انہوں نے بتوں کی پوجا چھوڑ دی۔ ہر شخص نے پتھروں کے مجسموں اور دھاتوں کی مورتیوں کو توڑ کر پھینک دیا اور خدا کی پرستش کرنے لگے۔

''قرۃ العین!! تم ماشاء اللہ سمجھدار ہو، سوچو، غور کرو اور سمجھو کہ سومنات کی پوجا ہندو کس طرح کرتے تھے۔ ان کے دلوں میں اس کا کس قدر احترام تھا۔ وہ اسے اپنا ایشور یعنی خدا جانتے تھے۔ اسے مسلمانوں سے بچانے کے لئے وہ کتنی بھاری تعداد میں جمع ہوئے، کیسے جی توڑ کر لڑے اور جب ہزیمت ہوتے دیکھی تو کس طرح سومنات کے پیروں میں گرے اور کس عاجزی اور آہ زاری سے اس سے مدد کی درخواست کی لیکن پتھر کا بت ان کی فریاد کیا اور کیسے سن سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی قدر و عظمت ظاہر کرنی تھی اس لئے اصنام پرستوں کو شکست ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے پرستاروں کو فتح ملی۔

''میری بیٹی!! تم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ غازی سلطان محمود نے گرز مار کر سومنات کے ٹکڑے اڑا دیئے! اگر سومنات خدا ہوتا تو اس کے ٹکڑے نہ ہو جاتے بلکہ وہ خود سلطان محمود کے ٹکڑے کر ڈالتا

لیکن وہ تو پتھر کا بے جان اور بے حس مجسمہ تھا، ٹوٹ کر رہ گیا۔ اسی طرح سارے بتوں کی حیثیت ہے۔ بت خدا نہیں ہوتے، نہ خدا کی صورت کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو تو ان لوگوں نے آج تک دیکھا ہی نہیں جنہوں نے یہ مورتیاں بنائی ہیں۔"

نوشابہ: "اللہ تعالیٰ محض ایک نور ہے، ایسا لطیف اور دلکش نور ہے جسے دیکھنے کی آنکھ تاب نہیں لاسکتی۔ وہ ہر وقت اور ہر جگہ موجود رہتا ہے۔ نہ وہ سوتا ہے نہ آرام کرتا ہے نہ ان باتوں کی اسے ضرورت ہے۔ وہی پرستش کے قابل ہے مسلمان اسی کو پوجتے ہیں۔"

امی جان: "میری بیٹی!! کیا تو سمجھ گئی ہے؟ کیا تیرے شکوک رفع ہو گئے ہیں؟"

نوشابہ: "ہاں میں سمجھ گئی ہوں۔ اب میری آنکھوں سے غفلت کا پردہ اٹھ گیا ہے۔ سوچتی ہوں یہ باتیں پہلے سے میری سمجھ میں کیوں نہ آئیں؟"

امی جان: "اس لئے کہ کسی نے تجھے سمجھایا نہیں۔ تُو نے ان لوگوں میں پرورش پائی جو عقل رکھتے ہوئے بھی بے عقل تھے، بینائی رکھتے ہوئے بھی اندھے تھے۔ کفر و شرک کی بیماری میں مبتلا تھے۔ یہ انسانیت کا خاصہ ہے کہ جو جس حالت میں رہتا ہے دوسروں کو بھی اسی حالت میں دیکھنا چاہتا ہے۔"

نوشابہ: "لیکن اب تک جو میں بت پرستی کرتی رہی ہوں!"

امی جان: "اسلام میں ایک یہ بھی خوبی بڑی زبردست ہے کہ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب اس کا بندہ کسی گناہ سے توبہ کر کے اقرار کر لیتا ہے کہ وہ آیندہ اس گناہ کو نہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتا ہے اور جو غیر مسلم مسلمان ہوتا ہے اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور پچھلی ساری برائیاں دور ہو جاتی ہیں۔ وہ ایسا ہی معصوم ہو جاتا ہے جیسا نوزائید بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔"

نوشابہ: "اور گنہگاروں کو کیا سزا ملتی ہے امی جان؟"

امی جان: "ہندوؤں کا عقیدہ تو یہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد اپنے کرموں (اعمالوں) کے بدلہ میں جونیں بدلتا رہتا ہے یعنی کبھی گدھا ہو جاتا ہے کبھی کتا، کبھی سور بن کر آتا ہے کبھی سانپ کبھی جھینگر کبھی مچھر۔ اسی طرح جون تبدیل کرتا رہتا ہے اور اسی طرح سے اس کے برے اعمالوں کی سزا ملتی ہے لیکن اسلام کہتا ہے کہ جنت اور دوزخ دو چیزیں ہیں۔ جن لوگوں نے گناہ نہیں کیا اللہ تعالیٰ کو معبود سمجھا، نماز پڑھتے اور روزے رکھتے رہے وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ جنت میں بہترین قسم کے محلات، اعلیٰ قسم کے باغات، خوشبودار پھول، خوش ذائقہ پھل، شیریں پانی اور بہترین ملبوسات ہوں گے۔

"اور جن لوگوں نے گناہ کئے ہیں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے، وہ دوزخ میں جلیں گے۔

دوزخ آتش خانہ کا نام ہے جس میں آگ کے شعلے بھڑکتے ہوں گے۔ آگ اور لوہے کی بنی ہوئی خوراک کھانے کو، آگ میں کھولتا ہوا بدبودار پانی پینے کو ملے گا۔ نہایت ہی بری جگہ ہے وہ۔''

نوشابہ لرز گئی۔ اس نے کہا:

''جب تو امی جان مجھے بھی مسلمان کرلو!''

اس کی والدہ خوش ہو گئیں، خوشی سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے کلمہ شہادت پڑھا کر مسلمان کرلیا۔

اس طرح جو لڑکی مسلمان تھی اور جس نے کافروں میں پرورش پائی تھی پھر مسلمان ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئی۔

پُر کیف ملاقات:

چندر موہنی کا مذہب بھی تبدیل ہو گیا تھا، نام بھی۔ اور اب لباس بھی اس نے ترکی دوشیزاؤں کا سا پہن لیا تھا۔

صبح کے وقت وہ ہوا خوری کے لئے باغیچہ میں جا نکلی۔ وہاں ہارون فوارے کی منڈیر پر بیٹھے قرآنِ مجید فرقانِ حمید کی تلاوت کر رہے تھے۔

آفتاب بتدریج طلوع ہو رہا تھا۔ شعاعیں باغیچہ میں پھیلتی جاتی تھیں، شبنم ہلکے بخارات بن بن کر اڑنے لگی تھی۔

نوشابہ (چندر موہنی) ان کی پشت کی طرف سرو کے ایک درخت کا سہارا لے کر کھڑی ہو گئی اور نہایت توجہ سے سننے لگی۔

جب تک ہارون پڑھتے رہے وہ کھڑی سنتی رہی۔ جب انہوں نے پڑھنا بند کیا تب وہ قدرے پیچھے ہٹی اور ایک روش پر گھوم کر دوسری طرف اس طرح جا نکلی جس سے دیکھنے والے کو خیال ہو کہ یہ ابھی آئی ہے۔

ہارون دعا مانگ چکے تھے اور فوارے سے برسنے والے پانی کی پھوار کو دیکھ رہے تھے۔ اتفاق سے ان کی نظر اٹھ گئی اور انہوں نے اس حور پیکر کو دیکھ لیا۔

ان کے چہرہ پر مسرت کی سرخی دوڑ گئی۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ نوشابہ نے دزدیدہ نظروں سے دیکھ لیا لیکن اس نے اپنی توجہ دوسری ہی طرف رکھی۔

ہارون سوچنے لگے کہ اس کے قریب جا کر اس سے گفتگو کریں یا نہیں۔ وہ ڈرتے تھے کہیں

وہ ان کی اس حرکت سے ناخوش نہ ہو جائے۔

رعبِ حسن ایسی چیز ہے کہ وہ صف شکن جو دشمنوں کی صفوں کو الٹ دیتے تھے، جن کے دل پر بہادر شخص کا بھی مطلق اثر نہ ہوتا تھا جو راجہ، مہاراجہ، بادشاہ اور شہنشاہ سے بھی مرعوب نہ ہوتے تھے ایک معصوم لڑکی سے ڈر رہے تھے۔

آخر کچھ دیر سوچ کر آہستگی سے چلے اور اس سیم تن کے پاس پہنچ کر نہایت عاجزانہ لہجہ میں بولے:

''میری مداخلت بارِ خاطر تو نہ ہوگی؟''

نوشابہ اس طرح چونکی جیسے ہارون کو اس نے پہلے نہیں دیکھا تھا اور وہ اس وقت دفعتاً آ گئے ہیں۔ اس نے کہا:

''کون.............(پھر دیکھ کر) اوہ آپ ہیں!''

ہارون 'کون' کا لفظ سنتے ہی کانپ گئے مگر جب اس شوخ چشم نے کہا 'اوہ آپ ہیں، تو کچھ جان میں جان آئی، بولے:

''ہاں میں ہوں۔ معاف کرنا میں آپ کی تنہائی میں مخل ہوں۔''

نوشابہ: ''غالباً آپ بھی سیر ہی کے ارادہ سے آئے ہیں۔''

ہارون: ''میں صبح کی نماز پڑھ کر یہاں آ گیا تھا اور اب تک تلاوت کر رہا تھا، میری خوش قسمتی ہے کہ آپ بھی آ گئیں۔''

نوشابہ: ''آپ کیا پڑھ رہے تھے؟''

ہارون: ''میں قرآن پاک پڑھ رہا تھا۔ کیا آپ نے سنا ہے؟''

اب نوشابہ سمجھی کہ اس سے غلطی ہو گئی ہے، اس نے کہا:

''شاید آپ ہی پڑھ رہے تھے میں نے آواز سنی تھی۔''

ہارون: ''تب آپ شاید دیر سے گل گشت کر رہی ہیں!''

نوشابہ: ''نہیں کچھ ایسی زیادہ دیر بھی نہیں ہوئی ہے۔''

ہارون: ''کل کا دن کس قدر مسرت افزا تھا!''

نوشابہ نے ہوش ربا نگاہیں اٹھا کر ہارون پر سحر کاری کرتے ہوئے پوچھا:

''کیوں؟''

ہارون مسحور ہو گئے تھے۔ نوشابہ کی مے فروش آنکھیں دعوتِ مے نوشی دینے لگی تھیں۔ وہ کچھ

وقفہ کے بعد سنبھل کر بولے:

''اس لئے کہ وہ راز کل ظاہر ہوا جو آپ کی ذات سے تعلق رکھتا تھا۔''

نوشابہ نے کسی قدر متبسم ہو کر کہا:

''آپ ہی میرے رشتہ دار نکلے!''

ہارون: ''یہ میری خوش قسمتی ہے لیکن کیا آپ کو وہ رشتہ پسند ہے..........؟''

نوشابہ نے قطعِ کلام کرتے ہوئے مصنوعی برہمی کے ساتھ کہا:

''کون سا رشتہ؟''

ہارون دم بخود ہو کر اس حورِ وش کو دیکھنے لگے۔ نوشابہ شوخی سے مسکرائی! ہارون کو قدرے جرأت ہوئی۔ انہوں نے کہا:

''نوشابہ!! وہی رشتہ جو میرے اور آپ کے بزرگوں نے قائم کیا۔''

نوشابہ: ''شاید آپ یہی حکومت جتانے میرے پیچھے باغیچہ میں آئے ہیں۔''

ہارون: ''میری یہ مجال نہیں ہوسکتی کہ میں آپ پر حکومت جتاؤں اور یہ میں جانتا ہوں آپ راجکماری نہیں تب بھی آپ کا رتبہ مجھ سے کہیں زیادہ بڑھا ہوا ہے۔''

انہوں نے افسردہ خاطر ہو کر سر جھکا لیا۔ نوشابہ انہیں ہمدردی آمیز ناز بھری چتون سے دیکھنے لگی۔ ہارون نے بغیر اس کا فرا دا کی طرف دیکھے کہنا شروع کیا:

''میں پہلے ہی سمجھتا تھا لیکن، کچھ نہیں! میری حماقت ہے مجھے اپنی اصل و حقیقت دیکھنی چاہیے نوشابہ!!''

اب انہوں نے نظریں اٹھا کر نوشابہ کو دیکھا۔ اس نے جلدی سے ان کے چہرہ پر سے نگاہیں ہٹا کر ایک خوبصورت پھول پر گاڑ دیں۔ ہارون نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:

''معاف کرنا میں نے گستاخانہ جرأت سے کام لیا۔ آپ' آپ ہیں اور میں......ایک ناچیز ہستی، زمانہ کا کچلا ہوا، بخت کا ٹھکرایا ہوا، اب میں کبھی ایسی جرأت نہ کروں گا۔''

یہ کہتے ہی وہ لوٹے۔ نوشابہ کا دل پسیج گیا، طبیعت بے چین ہوگئی اس نے کہا:

''شاید آپ خفا ہوگئے!''

ہارون نے رک کر اس کے گل گونہ عارض کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

''میں خفا ہوسکتا ہوں؟''

نوشابہ: ''تب آپ جا کیوں رہے ہیں؟''

ہارون: ''اس لئے کہ آپ کی ناراضی کا اندیشہ ہے!''

ہارون نے اس کی آنکھوں میں شرارت کی چمک دیکھی۔ اب ان کا خوف ان کا ملال اور ان کے دل کا افسردہ پن سب رخصت ہو گئے، انہوں نے اس کے قریب پہنچ کر کہا:

''میں سمجھ گیا کہ آپ شوخ و شریر بھی ہیں!''

نوشابہ: ''اچھا اب آپ............''

ہارون: ''اب آپ چاہے جس قدر بگڑ لیجئے۔''

نوشابہ: ''لیکن آپ پر اثر نہ ہوگا۔''

ہارون: ''بالکل بھی نہیں۔''

نوشابہ: ''کیوں؟''

ہارون: ''اس لئے کہ آپ کی آنکھوں نے مجھ سے وہ راز کہہ دیا جس کی مجھے تلاش تھی۔ نوشابہ!! میں اسی وقت سے آپ کا.................''

نوشابہ: ''دیکھئے بہکئے نہیں!''

ہارون: ''آپ کی مے فروش آنکھیں مے نوش کرا رہی ہیں، پھر بتایئے! اگر بہکوں نہیں، اگر مدہوش نہ ہو جاؤں، تو کیا ہو؟''

نوشابہ شرما گئی۔ اس کی حسین نگاہیں جھک گئیں۔ ہارون نے پھر کہا:

''نوشابہ!! آپ میرے خوابوں میں آتی رہی ہیں۔ آپ نے میرا چین لوٹ لیا ہے۔ آپ نے............''

نوشابہ نے شرمیلے لہجہ میں کہا:

''بس کیجئے میں ایسی باتیں سننا پسند نہیں کرتی۔''

ہارون: ''اب میں بھی نہ کہوں گا، جو کچھ مجھے کہنا تھا کہہ دیا۔ کیا میں کچھ پوچھ سکتا ہوں؟''

نوشابہ: ''شوق سے۔''

ہارون: ''آپ کو کس نے چھپا دیا تھا؟''

نوشابہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ اس نے کہا:

''چھپایا نہیں تھا بلکہ قید کر دیا تھا۔''

ہنسنے سے اس کے گلابی رخسارے تیز شہابی ہو گئے تھے اور دُرِ دندان کی چمک سے تمام چہرہ پر ایک عجیب نور کی رَو دوڑ گئی تھی۔

ہارون نے کہا:

''کس نے یہ گستاخی کی تھی؟''

نوشابہ: ''سکھد یو نے لیکن چند ہی روز کے بعد سکھد یو سے موہن سنگھ نے چھڑا لیا۔ اس نے بھی قید ہی رکھا غالباً اس کا منشا یہ تھا کہ مجھے سکھد یو کے حوالہ اس وقت کرے جب سکھد یو کی بہن کامنی کی شادی اس کے ساتھ کردی جائے۔''

ہارون: ''معلوم ہوتا ہے وہ اس سے محبت کرتا تھا۔''

نوشابہ: ''اب جو کچھ بھی سمجھئے۔''

ہارون: ''ان شاء اللہ تعالیٰ، ان دونوں سے انتقام لیا جائے گا۔''

نوشابہ: ''لیکن کامنی موہن سے نفرت کرتی ہے اور اس کے علاوہ میں سمجھتی ہوں کہ وہ کسی اور کو چاہتی ہے۔''

ہارون: ''پرواہ نہ کیجئے! وہ جسے چاہتی ہے اُسے اس کی مطلق بھی..........''

نوشابہ نے قطعِ کلام کرتے ہوئے کہا:

''تب وہ آپ ہی ہیں!''

ہارون: ''نوشابہ کل شام کے وقت اس نے مجھ سے اظہارِ محبت کیا تھا لیکن جب میں نے خشک جواب دیا تو مایوس ہو کر چلی گئی۔''

نوشابہ: ''مجھے بھی یہ شبہ تھا......!''

نوشابہ نے شرما کر خوبصورت سر جھکا لیا۔

ہارون نے کہا:

''واہ، واہ! آپ شرما گئیں؟ ذرا اوپر دیکھئے!!!''

نوشابہ نے آہستہ آہستہ سر اٹھا کر ہارون کو دیکھا اور مسکرائی، ہارون بھی مسکرائے۔ نگاہوں نے ایک دوسرے کے جذبات کی ترجمانی کردی۔

باب ۴۷

دل فریب انجام

غازی سلطان محمود کو اور ہر مسلمان کو سومنات فتح ہو جانے سے بڑی مسرت ہوئی تھی۔ مسلمان اس جنت زار مقام میں پھیلے ہوئے تھے۔ نہایت سرسبز و شاداب وادی تھی۔ زمین پر مخمل جیسا نرم و ملائم سبز رنگ کا فرش بچھا ہوا تھا۔ کہیں کہیں اس میں گل پوش قطعات تھے۔ خوش رنگ پھولوں کے تختے دور تک پھیلتے چلے گئے تھے اور ایسے عطر بیز تھے کہ تمام میدان میں ان کی بو مہکی رہتی تھی۔ دریائے عمان کا پانی نہایت شیریں تھا۔ سمندر کا نیلگوں پانی حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ سلطان محمود اور مسلمان کبھی کبھی کشتیوں میں بیٹھ کر دور تک سیر کرنے نکل جاتے۔

سلطان محمود کو معلوم ہوا کہ جزیرہ سراندیپ (سری لنکا) اور پیگو، دو مقامات اس سے بھی زیادہ سرسبز و شاداب ہیں اور وہاں سونے اور جواہرات کی کانیں ہیں۔

سلطان محمود کو سومنات کا خطہ ایسا پسند آیا کہ اسے دارالخلافہ بنانے پر تیار ہو گئے اور قصد یہ کیا کہ جہازوں کا بیڑا تیار کر کے لنکا اور پیگو کو بھی فتح کر ڈالیں مگر ان کے مشیروں نے عرض کی کہ خراسان اور غزنی کو چھوڑ کر اس جگہ کو دارالسلطنت قرار دینا مصلحت نہیں۔ سلطان محمود نے اس بات کو مان لیا اور مراجعت کی تیاریاں ہونے لگیں۔ لیکن چونکہ سومنات کا تخت خالی ہو گیا تھا اس لئے وہاں کسی کو راجہ مقرر کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ سومنات کے معزز ہندوؤں سے مشورہ کیا گیا تو انہوں نے کہا:

"اس ملک میں داب شلمیوں کا حسب نسب سب سے اچھا ہے۔ ان میں سے ایک شخص یہاں ریاضت میں مشغول رہتا ہے۔ اگر اس کو یہ سلطنت دے دی جائے تو مناسب ہے۔ بعض ہندوؤں نے اس کی سخت مخالفت کی اور کہا وہ داب شلیم بڑا مکار اور تند خو ہے۔ اس کی ریاضت ریا کاری کی ہے، اس نے پہلے بھی ایک مرتبہ ملک لینے کی کوشش کی تھی۔ لیکن جب ناکام رہا تو ریاضت کا رُوپ بھر کر بیٹھا ہے بلکہ ایک اور داب شلیم ہے جو عاقل و فرزانہ، رحمدل اور نرم طبیعت ہے' اسے اگر حکمران بنایا

جائے تو ملک میں امن وامان رہے گا۔''

چنانچہ سلطان محمود نے اس داب شلیم کو طلب کیا۔ وہ کہیں دور رہتا تھا اس کے آنے میں کئی دن لگ گئے۔ جب وہ آیا اور سلطان محمود نے اسے دیکھا تو پسند کیا۔ اس سے اطاعت گزاری اور ادائے باج کا اقرار کر کے تخت نشین کر دیا۔ جب سلطان محمود نے واپسی کا قصد کیا تو اس داب شلیم نے کہا:

''آپ تو تشریف لے جا رہے ہیں لیکن جو داب شلیم ریا کاری کی ریاضت میں مشغول ہے وہ اس قدر چالاک ہے اور مجھ سے اس درجہ دشمنی رکھتا ہے کہ میں اس کی طرف سے امن میں نہیں رہ سکتا۔ حضور کے چلے جاتے ہی وہ مجھ پر یلغار کرے گا اور مجھ سے ملک چھین لے گا۔ اس لئے فی الحال اسے اپنے ساتھ لیتے جایئے اور میں اسے قید کرنے کے لئے جب ایسا قید خانہ تعمیر کرلوں گا جیسا ہم لوگوں میں دستور ہے تب اسے بلا کر اس میں قید کر دوں گا۔''

سلطان محمود نے اس کی درخواست منظور کر لی اور ریا کار ریاضت کش داب شلیم کو حراست میں لے کر اپنے ساتھ لے لیا۔ اب سلطان محمود نے مالِ غنیمت کا اندازہ کرایا۔ جوہریوں نے کئی روز کی جانچ پڑتال کے بعد اس کی قیمت کم سے کم دس کروڑ روپیہ اندازہ کی۔

اتنی دولت سلطان محمود کو اب تک کسی مہم میں ہاتھ نہ آئی تھی۔ سلطان محمود نے چلتے وقت سومنات بت کے چار بڑے ٹکڑے بھی ساتھ لے لئے اور ان میں سے دو مدینہ منورہ بھیج دیئے اور دو اپنے ساتھ غزنی لے گئے۔ ان میں سے ایک جامع مسجد کے سامنے اور دوسرا دیوانِ عام کے دروازہ پر ڈلوا دیئے۔ شکیب ارسلان کو فوج میں وہی عہدہ دے دیا جو کسی زمانہ میں انہیں دیا ہوا تھا۔ ہارون کو ترقی دی اور انہیں مشیرانِ خاص کے زمرہ میں شامل کر لیا۔ برہان کو بھی ترقی دی گئی اور وہ بھی بڑے عہدہ پر پہنچ گئے۔

التونتاش، امیر علی خویشاوند اور حاجب علی کے مدارج بھی بڑھا دیئے گئے اور دوسرے چھوٹے بڑے افسروں کو ترقیاں دی گئیں۔ بعض ان مجاہدوں کو جنہوں نے اس مہم میں نہایت جی داری اور دلیری سے جان فروشی کی تھی، افسری کے عہدے دیئے گئے۔

ان سب لوگوں کو مالِ غنیمت میں سے حسبِ مدارج حصہ دیا گیا اور سب فوجی غنی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تنگدستی اور محتاجی دور کر دی اور ہر شخص متمول ہو گیا۔ سلطان محمود نے مراجعت سے قبل شکیب ارسلان کی بیٹی نوشابہ کی شادی ہارون کے ساتھ کر دینے کی تحریک کی۔ شکیب ارسلان کو ان دونوں کی محبت کا حال معلوم تھا، وہ تیار ہو گئے۔ چنانچہ شادی کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔

ہارون نے ذات ہمایوں سے برہان کی شادی انیسہ سے کر دینے کی استدعا کی۔ سلطان محمود

نے التونتاش کو اس بات پر آمادہ کر کے اس کے عقد کی تاریخ بھی مقرر کرادی۔

جس عرصہ میں داب شلیم طلب کیا گیا اور سلطان محمود کو سومنات میں قیام کرنا پڑا، اس عرصہ میں شادیوں کی تاریخ آ گئی اور ہارون کی شادی نوشابہ سے اور برہان کی انیسہ سے ہوگئی۔

سلطان محمود نے نوشابہ اور انیسہ کو نہایت بیش بہا جواہرات کے ہار اور نہایت قیمتی سونے کے مرصع بہ جواہرات دیئے۔

شبِ عروسی کو جب نوشابہ کو دلہن بنایا گیا اور ریشمی ملبوسات اور تمام زیوارات پہنائے گئے تو وہ حور نژاد معلوم ہونے لگی۔ اس کا چہرہ زیورات کی ضو سے ایسا چمک اٹھا کہ اس کی طرف نظر بھر کر دیکھنا دشوار ہوگیا۔ اسکے مصفا عارض سے بجلیاں خارج ہونے لگیں۔ آنکھوں میں ایسی چمک آ گئی کہ ان سے نظریں چار کرنا مشکل ہوگیا۔ رخسار آتشِ گل کی طرح دمک اٹھے، گوری پیشانی چاند کی طرح روشن ہوگئی۔

جب ہارون نے اسے اس عالم میں دیکھا تو ان کی نظریں خیرہ ہوگئیں وہ اس پیکرِ حسن و ناز کو دیکھتے رہ گئے۔

نوشابہ نے شرگیں نگاہوں سے انہیں دیکھ کر دریافت کیا: ''کیا دیکھ رہے ہیں آپ؟''

ہارون نے سنبھل کر جواب دیا: ''صنعتِ خداوندی کا بہترین نمونہ دیکھ رہا ہوں!''

نوشابہ نے حیا پرور شرمیلی نگاہوں سے ہارون کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا:

''آپ صنم پرست ہوگئے؟''

ہارون: ''صنم پرست نہیں حسن پرست ضرور ہوگیا ہوں نوشابہ!! مجھے خوف ہے کہیں تمہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے۔ اگر میرا بس ہو تو تمہیں آنکھوں میں چھپالوں اور نہ میں دیکھوں اور نہ کسی کو دیکھنے دوں۔''

یہ کہہ کر ہارون اس حور وش کی طرف بڑھے، نوشابہ نے مسکرا کر کہا:

''معاف کیجئے اس وقت آپ کی چتون سے کچھ شرارت ظاہر ہو رہی ہے۔''

ہارون: ''مگر شوخ و شریر تو تم ہو نوشابہ میں سیدھا سادھا مسلمان ہوں، شرارت کیا جانوں؟ ہاں تم کافرہ............نہیں کافرادا ہو..............''

نوشابہ: ''آپ ایک مسلم لڑکی کی توہین کر رہے ہیں!''

ہارون: ''قصور ہوا، معاف کر دیجئے۔''

ہارون نے یہ فقرہ نوشابہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا۔ نوشابہ شرما گئی اس کی حیا بھی ایمان شکن تھی۔ ہارون اس کی طرف جھکے، وہ پیچھے ہٹ گئی اور مسکرانے لگی۔ اس کے متبسم ہونے سے کمرہ منور ہوگیا اور ہارون سحر زدہ ہو کر رہ گئے۔

ہارون کے عقد کے تیسرے روز برہان کی شادی انیسہ سے ہو گئی۔ غرض کہ ان دونوں جوڑوں کا عقد ہو گیا اور چند روز کے بعد سلطان محمود نے مراجعت کی۔ چونکہ انہلواڑہ کے مہاراجہ پرم دیو نے سومنات کے مہاراجہ کی مدد کر کے سلطانی لشکر کو نقصان پہنچایا تھا اس لئے واپسی میں سلطان محمود نے انہلواڑہ پر حملہ کر دیا۔

پرم دیو انہلواڑہ سے بھاگ کر گندابہ کے قلعہ میں پناہ گیر ہوا۔ یہ قلعہ سمندر میں ایک چھوٹے سے ٹاپو پر واقع تھا۔ غازی سلطان محمود نے ہارون اور شکیب ارسلان کو لشکر کے ساتھ اس کے تعاقب میں بھیجا۔ ان دونوں نے قلعہ فتح کر لیا لیکن پرم دیو وہاں سے بھی بھاگ گیا اور ہاتھ نہ آیا۔ سلطانی لشکر واپس لوٹ آیا۔

چونکہ برسات کا موسم شروع ہو گیا تھا اس لئے سلطان محمود نے انہلواڑہ میں ہی قیام کیا۔ واپسی مشکل ہو گئی تھی، کثرتِ باراں کی وجہ سے ندی نالے اور دریا چڑھ گئے تھے۔

جب برسات کا موسم گزر گیا اور دریا پایاب ہو گئے تب سلطان محمود نے مراجعت کی۔ چونکہ سلطان محمود کو اندیشہ تھا کہ واپسی میں ہندوستان کے دوسرے راجہ، مہاراجہ اس کی مزاحمت نہ کریں اس لئے وہ جس راستہ سے آئے تھے اس سے واپس نہ گئے بلکہ سندھ کے بیابان اور ریگستان کی راہ سے روانہ ہوئے۔

انہوں نے ایک راہبر ساتھ لے لیا تھا۔ یہ راہبر سومنات کا پجاری تھا۔ وہ قصداً سلطان محمود کو ایسے راستے سے لے گیا جو بیابان تھا اور جہاں پانی نایاب تھا۔ جب سلطان محمود نے اس سے پوچھا کہ پانی کہاں ملے گا تو اس نے کہا:

''بھول جاؤ پانی کو میں نے ایسے خشک بیابان میں تمہیں لا ڈالا ہے کہ پانی ہی پانی پکارتے ہوئے مر جاؤ گے۔ میں سومنات کا پجاری ہوں اور تم سے انتقام لینے کے لئے میں نے ایسا کیا ہے۔''

سلطان محمود نے اسی جگہ راہبر کو قتل کرا دیا اور پانی کی تلاش شروع کی لیکن پانی نہ ملا اور بہت سے آدمی پیاسے مر گئے۔ آخر اللہ اللہ کر کے پانی ملا۔ لشکر سیراب ہوا تو ملتان کی راہ سے سلطان محمود مع الخیر غزنی پہنچ گئے۔

یہ تھی وہ سولہویں مہم جو آج بھی یادگارِ زمانہ ہے۔

This is an authorized Urdu translation of
Genghis Khan: Emperor of All Men; by *Harold Lamb*

طاقت، وحشت، بربریت اور جنون کا نشان

مصنف
هیرلڈ لیم

مترجم
سید ذیشان نظامی

نظرِ ثانی
پروفیسر حکیم مرزا صفدر بیگ

پکچرز ایڈیٹنگ
گلن شاہد - امر شاہد

تقریباً سات سو سال قبل ایک شخص نے طاقت کے نشے میں چُور ہو کر دُنیا کو تقریباً روند ہی ڈالا تھا۔ وہ اور اس کی فوج جس جانب رُخ کرتی جبر اور وحشت کا وہ بازار گرم کرتی کہ انسانیت پارہ پارہ ہو کر رہ جاتی۔ اس نے اپنی زندگی میں ہی کئی خطاب پائے۔ قتالِ اعظم، قہرِ خداوندی، وحشی جنگجو، چنگیز خان۔ بہت سے حاکم اپنے خطاب کے اہل نہیں ہوتے لیکن یہ ہزاروں، لاکھوں نہیں بلکہ بے شمار انسانوں کا قاتل اپنے تمام خطاب سے کہیں زیادہ وحشی اور ظالم تھا۔ وہ جس طرف رُخ کرتا انسانیت اس سے پناہ مانگتی مگر وہ کسی کو معاف کرنا جانتا ہی نہ تھا۔ مغلوں کا یہ جدِ امجد آگے چل کر کس کس طرح جنگلوں، پہاڑوں، ندی نالوں کو روندتا ہوا تسخیرِ دُنیا کے جنون میں کس کس طرح ہر کسی سے برسرِ پیکار رہا، ظلم و تشدد کے کیسے کیسے پہاڑ توڑے، یہ سب واقعات آپ اس کتاب میں پڑھیں گے۔

بُک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری
بُک سٹریٹ جہلم پاکستان
فون نمبر 0544-614977
فون نمبر 0544-621953
موبائل 0323-5777931
موبائل 0321-5440882
ویب سائٹ www.bookcorner.com.pk ای میل info@bookcorner.com.pk

TARIQ BIN ZIYAD

عظیم سپہ سالار کی عظمت اور اُمتِ مسلمہ کے عروج، کامرانی،
فیروز مندی اور خوش بختی کی داستانِ جمیل

نایاب تاریخی تصاویر کے ساتھ

مُصنّف
صادق حُسین صدیقی سردھنوی

پکچرز ایڈیٹنگ
گلن شاہد - امر شاہد

ناشران

بک کارنر شوروم
بالمقابل اقبال لائبریری
بک سٹریٹ جہلم پاکستان

فون نمبر 0544-614977
فون نمبر 0544-621953
موبائل 0323-5777931
موبائل 0321-5440882

ویب سائٹ www.bookcorner.com.pk ای میل info@bookcorner.com.pk

This Book is an authorized Urdu translation of
TAMERLANE; *The Earth Shaker* by Harold Lamb

نایاب تاریخی تصاویر کیساتھ

جس نے دُنیا ہلا ڈالی

مصنف	مترجم	پکچرز اڈیٹنگ
ہیرلڈ لیم	محمد عنایت اللہ دہلوی	امر شاہد

انتہا درجے کی نفرت اور انتہا درجے کی محبت جیسی تیمور کے ساتھ ظاہر کی گئی ایسی کسی دوسرے بادشاہ کے ساتھ ظاہر نہیں ہوئی۔ تیمور کے دربار کے دو بڑے مؤرخ گزرے ہیں، ایک نے اس کو شیطان بتایا ہے دوسرے نے لکھا ہے کہ اس کی مثل کوئی عالی مقام اور عالی ظرف کبھی پیدا ہی نہیں ہوا۔ ابن عرب شاہ لکھتا ہے کہ ''وہ ایک بے رحم قاتل، مکر و فریب میں استادِ کامل اور عداوت و انتقام میں خدا کا قہر تھا''۔ مولانا شرف الدین لکھتے ہیں کہ ''ہمت و شجاعت نے اس کو تمام تاتار کی شہنشاہی پر ممتاز کیا اور تمام ایشیا کو اس کے زیر نگیں کر دیا۔''

سبق آموز حکایات
پر مشتمل شہرۂ آفاق کتب
پہلی دفعہ تاریخی نایاب تصاویر کے ساتھ منفرد انداز میں !
بچوں اور بڑوں میں یکساں مقبول

حکایاتِ رُومی

حکایاتِ سعدی

نایاب تاریخی تصاویر کے ساتھ

خوبصورت اور معیاری کتابیں
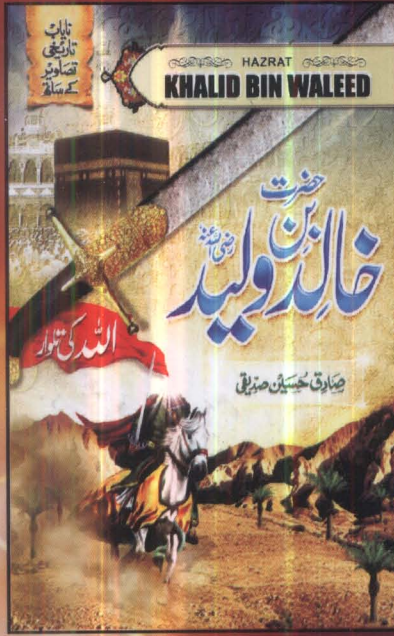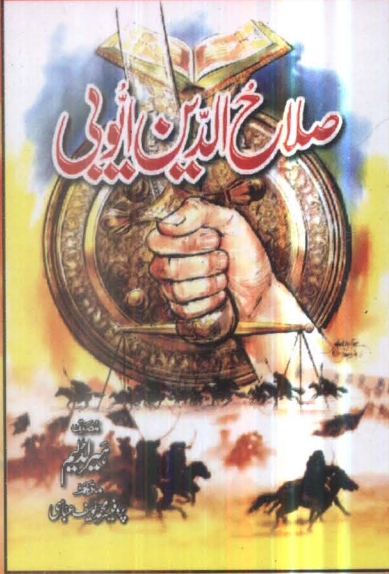
MUHAMMAD BIN QASIM

TARIQ BIN ZIYAD